خلقت شہر یونہی خوش ہے تو پھر یونہی سہی
ان کو پتھر دے، مجھے ظرفِ پذیرائی دے

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

مولانا فضل الرحمن

شخصیت و سیاست

سلیم جاوید

نام کتاب: مولانا فضل الرحمٰن: شخصیت وسیاست

نام مصنف: انجینئر سلیم جاوید (جدہ)

تعداد صفحات: 192

قیمت: 200 روپے

ڈیزائننگ: راحت صفدر (عبداللہ گرافکس، راولپنڈی)

پرنٹر: محمود برادرز پرنٹرز، گوالمنڈی، راولپنڈی

ناشر: **فاطمیہ پبلشرز**

نزد فاطمیہ گرلز سکول اینڈ کالج، دین پور روڈ ٹانک اڈہ ڈیرہ اسماعیل خان

رابطہ نمبرز: 0966-850508 / 0346-9729141

ملنے کا پتہ: قیصر فاروق، الجمعیۃ میڈیا فاؤنڈیشن، لیاقت روڈ راولپنڈی

رابطہ نمبرز: 0336-5550686 / 051-5550686

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

فہرست مضامین

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

باب سوم:

باب چہارم:

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

ابتدائیہ

محترم قارئین -السلام علیکم وبعد دعائے صحت وعافیت

کہا جاتا ہے کہ کسی زندہ شخصیت بارے کتاب نہیں لکھنا چاہیے کیونکہ آدمی کے بدلنے نہ بدلنے کی کوئی گارنٹی نہیں ہوا کرتی (نہ مصنف کی اور نہ اس کے ممدوح کی) تاہم کچھ وجوہات ہیں، جن کا احساس آپ کو یہ کتاب پڑھ کر ہوگا، راقم نے مولانا فضل الرحمٰن کی شخصیت کو موضوع بنایا ہے، جسے آج کی تاریخ تک کا احساس سمجھ لیجیے اس لئے کہ "نہ بدلنے والا کلام"، صرف خدا کی ذات کا ہے۔

کچھ اپنے بارے میں:

میرا خیال ہے، کسی کتاب کو پڑھنے سے قبل، اس کے مصنف کے مزاج اور عقیدہ سے آشنائی بے حد ضروری ہوتی ہے۔

یہ کتاب پڑھتے ہوئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ:

مصنف، علما کا قدردان ضرور ہے مگر اس کا مدارس اسلامیہ یا علماء سے کوئی خاندانی یا نسبی تعلق نہیں ہے۔اس لئے مصنف کا فہمِ دین، بعض علماء کی صحبت یا ذاتی مطالعہ کی بناء پر ہے۔اپنے فہم دین کے درست ہونے پر ہرگز اصرار نہیں ہے۔

مصنف خود کو تاریخ وسیاست کا سنجیدہ طالبعلم سمجھتا ہے اور اپنے اس مطالعہ کی بنیاد پر، پاکستان کی سیاسی تاریخ میں جمعیت علما اسلام کا ایک بڑا ہی فیصلہ کن اور مثبت کردار محسوس کرتا ہے۔اپنی اس علمی نتیجہ خیزی اور سیاسی تاثر پر ہرگز اصرار نہیں ہے۔

مصنف کو مولانا فضل الرحمٰن کی شخصیت وسیاست سے عرصہ 35 سال سے مستقل ربط ہے مگر مولانا سے کوئی ذاتی یا جماعتی تعلق نہیں ہے،اس لئے مولانا کی اندرونِ خانہ سیاسی پالیسی سے واقف نہیں ہے۔زیر نظر تجزیہ، ایک عام پاکستانی کا ایسا بے لاگ تجزیہ ہے جس کی بنیاد کسی دانستہ غلط بیانی پہ ہرگز نہیں ہے، اپنے تجزیئے کے درست ہونے پر ہرگز اصرار نہیں ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat

مصنف کی عملی دینی سرگرمیاں صرف تبلیغی محنت تک محدود ہیں، مگر مصنف بنیادی طور پر سیکولر نظریات کا حامی ہے اور سیکولرزم کو دین کا لازمی حصہ سمجھتا ہے اور اپنے اس موقف کو دلیل سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے، تاہم اپنی دلیل کے درست ہونے پر ہرگز اصرار نہیں ہے۔

مصنف، علمائے دیوبند کی سیاسی سٹریٹیجی کا پرزور حامی ہے۔اس لئے کہ اس کو جمہوری اور سیکولر اصولوں

کے مطابق سمجھتا ہے۔

مصنف نے جمعیت علماء کو سیکولرازم کے آئینے میں دیکھا ہے تو اس کی حمایت کا فیصلہ کیا ہے۔ اپنے اس زاویہ نظر کے درست ہونے پر ہرگز اصرار نہیں۔ مگر اس خاص پہلو کے علاوہ، جمعیت علمائے اسلام سے کوئی دوسری وجہ محبت نہیں ہے۔

اس کتاب کی وجہ تصنیف:

مصنف سمجھتا ہے کہ مکتبِ دیوبند کی سیاسی جدوجہد کی اساس، اس مجبور انسانیت کو پرامن طور پر معاشی افزودگی عطا کرنا ہے جو جابر بالادست طبقات کے ہاتھوں پسی ہوئی ہے اور اسی کاز کی خاطر، وہ ہر زمانے کے سامراج سے ٹکرائے ہیں (بلکہ صرف وہی ٹکرائے ہیں)

بالادست طبقات کے زیر اثر میڈیا، نہ صرف علمائے دیوبند کی خدمات کو سامنے نہیں آنے دیا کرتا بلکہ ان کی کردار کشی میں ہراول دستے کا کردار ادا کرتا رہتا ہے۔

علمائے دیوبند کی اسی کردار کشی کو ہدف بنا کر، جمعیت علما اسلام کے موجودہ امیر مولانا فضل الرحمٰن کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا ہے۔

چاہیے تھا کہ قوم میں شخصیات کی بجائے نظریات پہ بحث ہوا کرتی، سیاسی منشور و اہداف پہ بات ہوا کرتی چونکہ ابھی پاکستانی جمہوریت پاؤں پاؤں چلنا سیکھ رہی ہے اور سیاسی جماعتیں، اپنے لیڈروں کے شخصی کردار سے مستغنی نہیں ہوسکتیں، پس فی الوقت، جمعیت علما اسلام بھی گویا مولانا فضل رحمٰن کا نام ہے۔

مولانا کی کردار کشی، جمعیت علماء کی کردار کشی ہے اور مولانا کا دفاع، جمعیت علماء کا دفاع ہے۔

مصنف سمجھتا ہے کہ جمعیت علماء اسلام مولانا فضل الرحمٰن کی ذاتی سیاسی جماعت نہیں ہے بلکہ علمائے دیوبند کا صد سالہ سیاسی ورثہ ہے۔ جس سے جمیع علمائے دیوبند کی عزت وابستہ ہے۔ پس مولانا کی کردار کشی مہم کی آخری منزل، جمیع علمائے دیوبند کو کرپٹ ثابت کرنا اور پھر اس کی آڑ میں، دین اسلام کی اصل پہ حملہ کرنا ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

بایں وجہ مصنف مولانا فضل الرحمٰن کا دفاع کرنا، ان کی شخصیت کے واسطے نہیں بلکہ جمیع علمائے دیوبند کی عزت کے واسطے ضروری سمجھتا ہے۔

علاوہ ازیں، مصنف سمجھتا ہے کہ پاکستان جیسے ملک کیلئے سیکولرزم، یعنی "جیو اور جینے دو" کی پالیسی ہی بہترین ہے۔ جمعیت علمائے اسلام وہ سیاسی پارٹی ہے جو اپنا موقف، پارلیمنٹ کے سامنے رکھ کر دلیل سے بات منوانا چاہتی ہے اور بزور طاقت اپنی بات نہیں منوانا چاہتی۔ پس ایک مائنڈسیٹ (مزاج) مولانا فضل

الرحمٰن کا ہے اور دوسرا، ملا فضل اللہ کا۔

اس کتاب کے لکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگوں کو یہ احساس دلایا جائے کہ مولانا فضل الرحمٰن کو ڈی گریڈ (تحقیر) کر کے، ان کو دیوار سے لگانے کا بالواسطہ مطلب، پاکستان کو شدت پسند ذہنیت کے ہاتھوں یرغمال بنانا ہے: ؎ شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

اس کتاب پہ تنقید کرنے کا حق سب کو حاصل ہے:

یہ کتاب میں نے مولانا کی تائید میں اس لئے نہیں لکھی کہ لوگ مولانا کی جماعت میں شامل ہو جائیں یا مولانا کے ہاتھ پہ بیعت کر لیں بلکہ صرف اتمام حجت کیلئے لکھی ہے۔ یہ تو خدا کی منشا ہی نہیں کہ ساری دنیا، ایک مزاج پہ آجائے۔ ورنہ سلیم جاوید کے دلائل کی کیا وقعت؟ جب خود خدا کے دلائل، اس کے پاک نبی ﷺ کی زبان سے سن کر بھی بعض لوگوں کے دل نہیں بدلے۔

اس کتاب میں مولانا فضل الرحمٰن کے ساتھ جابجا، عمران خان کا تذکرہ ملے گا کیونکہ مولانا پر الزامات کی بارش، ان ہی کی جماعت کی طرف سے ہوتی ہے۔ عمران خان اپنے متعلق اکثر کہتے ہیں کہ اگر میں غلط ہوں تو حکومت نواز شریف کی ہے، اس کا فرض ہے مجھے گرفتار کرے۔ یہی بات ان کو کہی جاسکتی ہے کہ پختونخواہ میں حکومت آپ کی ہے، آپ مولانا کو غلط سمجھتے ہو تو پکڑو۔ مگر عمران، نواز نورا کشتی کو ایک طرف رکھ کر، ہم دلائل پہ بات کریں گے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JuiKhyberPakh

میری پوری کوشش ہوگی کہ مولانا کو بالکل معصوم اور عمران خان کو کامل برائی ثابت کروں۔ خدا نہ کرے کہ عمران خان برا آدمی ہو، نہ یہ میری چاہت ہے اور نہ ہی اس میں میرا کوئی مفاد ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ مولانا صاحب، معصوم عن الخطا ہو مگر چونکہ کتاب کا مقدمہ، اس کا تقاضا کرتا ہے تو دلائل و منطق سے اپنا موقف پیش کروں گا، آپ ضرور داد دیں گے کہ مصنف نے اپنے تجزیئے میں دانستہ کسی جھوٹ کا سہارا نہیں لیا۔

تجزیہ کیا ہوتا ہے؟ اس کو سمجھئے کہ تجزیہ، فرضی تخیلات پہ نہیں بلکہ اصل واقعات پہ مبنی ہوا کرتا ہے۔

دلائل ہمیشہ واقعات سے اخذ کئے جاتے ہیں، واقعہ ایک ہی ہوتا ہے، البتہ اسے تخریج و تاثر (جسے تجزیہ کہتے ہیں) وہ ہر شخص کے اپنے مزاج اور عقیدہ کے مطابق ہوتا ہے۔ مثلاً" واقعہ یہ ہے کہ عمران خان سے دو بیویاں طلاق لے چکی ہیں۔ اس واقعہ سے اخذ کردہ، ایک تجزیہ یہ ہے کہ یہ آدمی گھر چلانے کے قابل بھی نہیں ہے، لیکن دوسرا تجزیہ یہ ہے کہ عمران خان ایک سٹریٹ فارورڈ آدمی ہے، یہ دونوں تجزیئے ایک دوسرے کی ضد سہی مگر اصل واقعہ اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔

میں نے مولانا فضل الرحمٰن کے حق میں جتنے دلائل دیئے ہیں، وہ تخیلات سے نہیں بلکہ واقعات سے اخذ کئے ہیں۔اس کتاب کے ناقدین، دلائل کو غلط ثابت کرنے سے پہلے یہ ثابت کریں کہ کیا درج کردہ واقعہ غلط ہے؟ اگر واقعہ غلط نہیں، تو پھر اسی واقعہ کی بناء پر ہر کسی کو اپنا تجزیہ کرنے کا حق حاصل ہے۔

تاہم تنقید کرتے ہوئے ایسا رویہ کہ موضوع کچھ اور چل رہا ہو اور اس پہ تبصرہ، کسی اور موضوع کو لے کر کیا جا رہا ہو تو ایسے رویئے کو تو عمران خان جیسا آدمی بھی برداشت نہیں کرتا۔یاد ش بخیر! پشاور میں عمران خان کی پریس کانفرنس میں کسی صحافی نے ریحام خان کی طلاق بارے پوچھا، تو عمران خان کس قدر آپے سے باہر ہو گیا تھا؟ صحافی کا سوال غلط نہیں تھا مگر اس پریس کانفرنس کے موضوع سے باہر تھا۔

اس کتاب کا اسلوب:

پاکستان کے ایک معروف سیکولر لکھاری ہیں، جن کی زیر ادارت ایک آن لائن اخبار شایع ہوتا ہے۔ مصنف بھی اس سائٹ کے مستقل لکھاریوں میں شامل ہے اور دیگر موضوعات کے علاوہ جمعیت علما اسلام اور مولانا فضل الرحمٰن بارے گاہے بگاہے لکھتا رہا ہے۔ مختلف مواقع پر پبلش ہوئے، ایسے مضامین کو معمولی نظر ثانی کے بعد بعینہٖ شامل کر دیا گیا ہے تاکہ مضمون کی وہ کیفیت برقرار رہے۔یوں کتاب گویا، الگ الگ عنوانات کے تحت کئی مضامین کا ایک مجموعہ ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

اس کتاب میں آپ کو عمران خان کا تذکرہ کثرت سے ملے گا۔مصنف کو یقین ہے کہ اصغر خان کی طرح چند سال بعد سیاست میں عمران خان ایک قصہ پارینہ بن جائے گا اور اس وقت یہ کتاب پڑھنے والے اس پہ حیرت کا اظہار کریں گے کہ اس آدمی کا تذکرہ کیوں ضروری تھا؟ تاہم فی الوقت پاکستانی میڈیا، عمران خان اور ان کے سپانسرز کے کنٹرول میں ہے اور عمران خان ہی، مولانا کی کردار کشی کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہے تو اس آدمی کا تذکرہ بھی بوجوہ ضروری ہو جاتا ہے۔

اس کتاب میں آپ کو تبلیغی جماعت کا تذکرہ بھی ملے گا اگر چہ وہ سرے سے غیر سیاسی جماعت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعیت علما اسلام، بہر حال ایک دینی جماعت ہے اور اگر چہ اس کا میدان تعلیم، تبلیغ، تزکیہ، جہاد یا مناظرہ سے مختلف ہے (اہل علم اس نکتہ کو خوب سمجھتے ہیں) تاہم عوام الناس کا دین سے رابطہ زیادہ تر تبلیغی جماعت کی وجہ سے ہوا ہے اور عوام دیگر دینی جماعتوں کو تبلیغی جماعت کے تناظر میں ہی دیکھتے ہیں۔پس کتاب میں تبلیغی جماعت کا حوالہ بھی، بوجوہ آپ کو ملے گا۔

راقم نے کوشش کی ہے کہ فردی خبریں جن کا کوئی معروف گواہ نہیں ہوتا، ان کے بیان سے گریز کروں،

تاہم چند ایک فردی واقعات ضرور ذکر کیے ہیں۔ آپ میرے ذاتی بیان کردہ واقعات کو غلط قرار دے دیں تو بھی کتاب کے نفس مضمون اور مصنف کی صحت پہ اثر نہیں پڑے گا۔ ذاتی واردات کا بیان میرا حق ہے اور اس کا ثبوت بھی ذاتی حیثیت میں دینے کا پابند ہوں۔

اس کتاب سے چونکہ مولانا فضل الرحمٰن کی وکالت مراد ہے تو عام اسلوب میں اسے متوازن تجزیہ نہیں کہا جا سکتا۔ صاف ظاہر ہے کہ مصنف نے اپنے موکل کا ہر صورت دفاع کرنا ہوگا، تاہم اگر ایک منصف مزاج قاری، بغیر تعصب کے اس کتاب کو پڑھے گا تو اس کا ضمیر یہ شہادت ضرور دے گا کہ یہ کتاب کسی اندھے مقلد کی لکھی ہوئی بہر حال نہیں ہے۔

اب آپ اس دعا کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کریں کہ:

اے اللہ! ہم کو حق کا حق ہونا دکھا، حق پہ چلنے والا بنا اور باطل کا باطل ہونا دکھا اور اس سے اجتناب کی توفیق عطاء فرما۔ آمین یارب العالمین۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

پہلا حصہ: مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی شخصیت

باب اول: میڈیا اور مولانا فضل الرحمٰن

میڈیا کی حقیقت:

کمرشل میڈیا کا کاروبار، افواہوں، بہتان تراشی، فحاشی اور فتنہ انگیزی سے وابستہ ہے جبکہ دینی جماعتیں چاہے ظاہراً سہی، مگر انہی چیزوں سے منع کرتی ہیں پس میڈیا اور دینی قوتیں دراصل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

علماء کے اثر ورسوخ کا مطلب، میڈیا کی موت ہے۔ اس لئے میڈیا علماء کو عوام میں بدنام کرنے بالخصوص علمائے دیوبند کی کردار کشی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ کیونکہ یہاں سامراج اور میڈیا دونوں کا مفاد ایک ہو جاتا ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

تاریخ کا معمولی طالبعلم بھی یہ جانتا ہے کہ آج ہمارے ملک کے نام نہاد معززین کے اسلاف جب انگریز سامراج کی چاکری کر رہے تھے تو اس وقت علمائے دیوبند نے تحریک ریشمی رومال برپا کر کے استعمار کے پاؤں اکھاڑ دیئے تھے۔ مگر اپنے زمانے کی عظیم ترین بین الاقوامی تحریک کا میڈیا میں تو کجا، ہماری درسی کتب میں بھی تذکرہ نہیں ہے کہ مبادا عوام میں علماء کا احترام بڑھ جائے۔

میں واضح کرتا چلوں کہ اگرچہ جماعت اسلامی نے پاکستانی میڈیا میں کافی حد تک اپنے نظریاتی لوگ دخیل کئے تھے مگر میڈیا کے خمیر میں کوئی دینی جماعت فٹ نہیں بیٹھ سکتی (چاہے وہ جماعت اسلامی ہی کیوں نہ ہو) مزید یہ کہ میڈیا میں جماعت اسلامی کے رسوخ کا مطلب کیا ہے؟ یعنی علمائے دیوبند کی مزید کردار کشی (یہ ایک الگ موضوع ہے)

چونکہ میڈیا نے شروع دن سے علمائے دیوبند کو بالخصوص اپنا ہدف بنا رکھا ہے تو عوام کیلئے میڈیا کے اصل کردار کی جانکاری بہت ضروری ہے۔

قارئین کرام! یہ بات سنت الٰہی کے خلاف ہے کہ مختلف طبقات (اور ان میں موجود افراد) سب کے سب برے یا سب کے سب اچھے ہو جائیں۔ مثلاً یہ نہیں ہوسکتا کہ ساری سیاسی جماعتیں، فراڈ ہوں یا سب ہی عوام کی غمخوار ہوں۔ اسی طرح یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ کسی اچھے مجموعے میں شامل، سب افراد ہی ہر لحاظ سے اچھے ہوں یا کسی برے گروہ کے ارکان، سب کے سب برے ہوں۔

یہ نہیں ہوسکتا کہ سبھی سیاسی جماعتیں یا سیاسی لیڈر، شیطان ہوں۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ مفتی محمودؒ یا نوابزادہ نصر اللہؒ جیسے لوگ اب سیاست میں کہاں؟ تو اس کا مطلب ہے کہ سیاسی راہنماؤں میں بھی حق پرست لوگ ہوا کرتے ہیں اور ہر زمانے میں اچھا طبقہ ضرور رہے گا۔

میرے فہم کے مطابق، پاکستانی سیاست میں، جمعیت علماء اسلام ہی بہترین جماعت ہے۔ ہوسکتا ہے آپ کے خیال کوئی اور پارٹی بہترین ہو۔ میں اپنا مقدمہ، منطق اور دلیل کے سہارے پیش کرتا ہوں جسے بے تعصب ہوکر پرکھنا، قاری کے ضمیر پر منحصر ہے۔

سیاست اور دوسرے شعبوں کی طرح میڈیا کے بھی سبھی لوگ، بکاؤ اور بے شعور نہیں ہوسکتے اور نہ ہی سارے لوگ، بے لاگ اور دانشور ہوسکتے ہیں۔۔ استثناء کا قانون ہر جگہ رہے گا۔ مگر چونکہ میڈیا کا دھندہ، فی الاصل گندہ ہے (جیسے فلم انڈسٹری) تو یہاں بکاؤ مال کثرت سے دستیاب ہوتا ہے۔ ''مہذب'' سامراج اور ''جدید تعلیم یافتہ'' مافیا نے یونہی تو اسے ریاست کا چوتھا ستون قرار نہیں دیا ہے۔

دکھ کی بات یہ کہ میڈیا کے نام نہاد دانشور، جن کو لفظوں سے کھیلنا آتا ہے، وہ معصوم ذہنوں کو خراب کرتے ہیں جو قتل سے زیادہ بڑا جرم ہے (فتنہ قتل سے اشد چیز ہے) مگر ان کو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے کہ اظہار رائے کی (مخصوص قسم کی) آزادی کو سول سوسائٹی میں تقدس حاصل ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

میڈیا کے اکثر لکھاری، ذہین اور چالاک لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی شیطانی ذہانت، چند مادی فوائد کے عوض رہن رکھی ہوتی ہے، پس عام آدمی میڈیا کے باریک جال کو نہیں دیکھ سکتا۔

اس فکری دہشت گردی کا ایک نمونہ دکھانے، ڈاکٹر شاہد مسعود صاحب کے ایک کالم کا حوالہ دوں گا بظاہر ایک بے ضرر اور ہمدردانہ کالم جو دراصل مدارس اسلامیہ کی بیخ کنی کیلئے لکھا گیا ہے۔ اس پہ غور کیجئے گا، مجھے ڈاکٹر صاحب سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے لیکن یہ ثابت کرنے کیلئے کہ پاکستانی میڈیا، ایک دجالی فتنہ ہے، میں نے دیگ کا ایک دانہ چنا ہے۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب، پرویز مشرف دور میں ڈاکٹر شاہد مسعود، ٹی وی چینلز کا دولہا تھا، جس کی حق گوئی پہ خلقت فدا تھی۔ (بعد میں موصوف کو زرداری نے آٹھ لاکھ ماہانہ تنخواہ پر پی ٹی وی کا سربراہ بنا کر خود کو محفوظ کرلیا تھا۔)

آمدم برسر مطلب!

لال مسجد کا سانحہ ہوگیا اور میڈیا کوڑے کے ڈھیروں میں معصوم بچیوں کی کٹی انگلیوں کی خبریں دیکر

ہمارے زخموں پہ نمک چھڑک رہا تھا۔اس دوران ڈاکٹر شاہد مسعود نے جولائی 2007ء کو ایک دردناک کالم لکھا بعنوان ''کون تھیں، کہاں چلی گئیں''۔آج بھی اس کالم کو پڑھ کر آپ آنسو نہیں روک سکتے۔لب لباب اس کالم کا یہ تھا کہ ایک بچی نے ان سے فون نمبر مانگا، جس کے بعد اس کی باجی (عائشہ) موصوف کو قرآن وحدیث کے میسیج کرتی تھی، یہ چونکہ مصروف صحافی تھے، پس یہ میسیج ڈلیٹ کرتے جاتے حتی کہ سانحہ لال مسجد کی رات بمباری ہوئی تو چھوٹی اسماء نے مرنے سے پہلے ان کو آخری فون کیا کہ باجی مر چکی ہیں اور مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، وغیرہ۔

یہ بہت ہی دلدوز کہانی ہے، جس کو پڑھ کر ہر صاحب ایمان کا خون کھولنے لگا تھا۔وقت نے ثابت کیا کہ ساری کہانی محض افسانہ تھی، جس سے قوم کو ہیجان میں مبتلا کیا گیا۔مگر اس ساری لفاظی کے پیچھے دو بھیانک مقاصد کار فرما تھے، جیسا کہ بعض اندرون خانہ واقف کاروں سے پتہ چلا، سوائے غازی رشید صاحب کی والدہ کے، کوئی عورت یا بچی مقتولین میں شامل نہ تھی (اس وقت تک یہ بات نہ کھلی تھی) مگر پرویز مشرف کا اصل ایجنڈا یہی تھا کہ اس واقعے پر مدارس کے طلبا کو مشتعل کیا جائے تا کہ وہ سڑکوں پہ نکل آئیں، کچھ مارے جائیں، کچھ اندر ہو جائیں اور یوں مدارس کا کنٹرول ہاتھ میں لے لیا جائے۔بعد میں چاہے عالمی عدالت سے تحقیقات کرائی جاتیں تو بچیوں کا قتل عام، نرا جھوٹ ثابت ہوتا اور یوں، الٹا مولویوں کو ہی شرپسند ثابت کیا جاتا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

چنانچہ پرویز مشرف کو خوب علم تھا کہ لال مسجد سانحہ میں بچیاں نہیں ماری گئیں مگر اسی شام ٹی وی پر آ کر اس نے المیہ اداکاری کرتے ہوئے اس سانحے پر افسوس کا اظہار کیا۔بالفاظ دیگر وہ ان خبروں کو کنفرم کر رہا تھا جو اسی کی ڈایئرکشن میں "آزاد" میڈیا چلا رہا تھا جس میں بچیوں کی جلی لاشوں سے کنگن برآمد ہو رہے تھے، ڈاکٹر شاہد مسعود کا رلا دینے والا کالم، اسی مہم کا حصہ تھا۔

اس سے زیادہ خطرناک بات جو اس کالم میں بین السطور تصنیف فرمائی گئی، وہ بچی کی باجی کی کہانی تھی جو موصوف کو میسیج کرتی رہتی تھی۔یعنی اس کالم کو بعد میں عنوان بنا کر کسی ٹاک شو میں یہ تبصرہ کیا جاتا کہ اسلامی مدرسہ کی نوجوان بچیاں، غیر محرموں کو میسیج کیوں کرتی رہتی تھیں؟ اور شاید ڈاکٹر موصوف، اس پہ معنی خیز مسکراہٹ لاتے ہوئے فرماتے کہ اچھا ہوا کہ میں نے میسیج ڈیلیٹ کر دیئے کیونکہ لڑکیاں بیوقوف ہوتی ہیں۔

اس ساری چال کو اکابر علمائے دیوبند نے خوب سمجھ لیا تھا اور باہمی مشورے سے ناکام بنا دیا۔

مگر عرض یہ ہے اس سانحے کو سات سال گذر گئے۔واضح ہو گیا کہ دو ہزار بچیوں کے قتل عام کے نوحے، فقط فرضی افسانے تھے۔اب وہ ٹی وی اینکر حضرات جو عوامی لیڈروں پر تھانیداروں کی طرح جرح کرتے

ہیں، کیا وہ اپنے "پیشہ ور" بھائی کو بلا کر پوچھیں گے کہ تم نے کس بنا پر یہ افسانہ گھڑ کر قوم کو ہیجان میں بتلا کیا؟ کبھی نہیں، کیونکہ اس حمام میں سب ننگے ہیں۔

میں عرض کرتا ہوں کہ دجال کی دو نشانیاں بتائی گئی ہیں، ایک یہ کہ وہ جنت کو دوزخ اور دوزخ کو جنت بنا کر پیش کرے گا۔ دوسرے وہ کانا ہوگا یعنی ایک آنکھ والا۔ میڈیا کی چمکتی سکرین کو میں ایک آنکھ سے تشبیہ دیتا ہوں، باقی آپ خود سوچ لیں...... مضمون ختم ہوا۔

مذکورہ بالا مضمون اگرچہ لال مسجد سانحہ بارے ہے مگر آپ اس سے میڈیا کی دجالی چالوں کا اندازہ لگائیں

میڈیا اور سیاستدان

خلاق فطرت نے دنیا کا نظام چلانے، انسانی عقل میں مختلف شعبہ جات کی سوجھ بوجھ رکھ دی ہے، ان مختلف شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے مختلف طبائع کے افراد کو نظم اجتماعی میں چلانے والا طبقہ سیاستدان کہلاتا ہے۔ آج کل پاکستان میں سیاست اور سیاستدان بہت بدنام ہو چکے ہیں، جس کی ایک وجہ ان کے اپنے کرتوت ہیں مگر زیادہ تر یاروں کی مہربانی ہے۔ حالانکہ سیاست قوموں کی زندگی میں ایک بہت اہم شعبہ ہے۔ کسی ملک میں مقدس سمجھے جانے والے شعبہ جات بھی سیاسی استحکام کے بغیر نہیں پنپ سکتے چاہے تعلیم ہو، طب ہو، یا دین و مذہب کا شعبہ ہو، اسلئے کہ ہر شعبہ زندگی کا ایک ہدف ہوا کرتا ہے۔ سیاست کا ہدف معاشرے کو امن اور معیشت کو ترقی دینا ہے، جس کی غیر موجودگی میں کوئی قوم پھل پھول نہیں سکتی۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ جس طرح بزنس مین، ٹیکنیکل لوگ اور ادیب و شاعر وغیرہ، زبردستی نہیں بنائے جا سکتے بلکہ پیدائشی ہوا کرتے ہیں، ایسے ہی ایک سیاسی کارکن بھی پیدائشی ہوا کرتا ہے۔ گاؤں گوٹھوں، محلے بستی اور ہمارے اپنے حلقہ احباب میں کوئی نہ کوئی ایسا آدمی ضرور ہوتا ہے جو ہر ایک کے کام آنے کو تیار ہوتا ہے، یہ اس کی فطرت میں ڈال دیا گیا ہوتا ہے کہ وہ سب کے لئے سوچتا ہے۔ اگر یہ جذبہ خالص دوسروں کی فلاح کے لئے ہو تو پیغمبرانہ سوچ ہے۔

پس میرے نزدیک، ایک سیاسی کارکن چاہے وہ کسی بھی سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا ہو، اس عابد و زاہد سے کہیں افضل ہے جو اپنی ذات کے دائرے سے باہر نہیں جھانکتا۔ رہی کسی کی نیت، تو اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ کہاں تک ایسی مثالیں دوں کہ مولانا کے اہم بیانات کو جگہ نہیں دی جاتی، یا بالکل توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے، صرف ایک حوالے پہ اکتفا کرتا ہوں۔ الیکشن 2013ء کا زمانہ ہے، ان الیکشن کے ہنگام، دہشت گردی کے پیش نظر پیپلز پارٹی، نون لیگ، اے این پی وغیرہ جماعتوں کو اپنی الیکشن

مہم سے روک دیا گیا تھا۔ البتہ عمران خان کو ہر طرح آزادی میسر کی گئی تھی) (یہ ثابت کرنے کہ وہی ایک نڈر لیڈر ہے)

جمعیت علما اسلام ایجنسیوں کی ایسی وارننگ کا مقصد خوب سمجھتی ہے۔ پس مولانا پہ تین خودکش حملے ہونے کے باوجود، جمعیت اپنی شان سے انتخابی جلسے کرتی ہے اور عمران خان سے زیادہ بڑے جلسے ہوتے ہیں لیکن میڈیا صرف ایک پارٹی کے لئے وقف ہے۔ پرائم ٹائم ٹاک شوز اسی کے ہو رہے، اشتہارات اسی کے چل رہے۔

چلیں، اس رویئے کو تو آپ میڈیا مالکان کی مرضی کہہ سکتے ہیں، مگر 12 مئی کو جب الیکشن کا رزلٹ آتا ہے تو پورے پاکستان میں صرف دو لیڈر ایسے ہیں جو بیک وقت تین قومی اسمبلی کی سیٹوں سے جیتے ہیں، ایک عمران خان اور دوسرا مولانا فضل الرحمٰن۔

اب پروفشنل ازم کا تقاضا تھا کہ دونوں لیڈروں کی برابر کی خبر لگتی یا انیس بیس کا فرق ہوتا۔ آپ 13 مئی کے سب اخبارات دیکھ لیں، شہہ سرخیوں میں خبر ہے کہ عمران خان تینوں سیٹوں سے جیت گئے لیکن مولانا کی ایک کالمی، دو انچ کی خبر ایکسپریس اخبار میں لگی ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

کیا یہ پروفشنل اسلوب ہے؟ کیا اس سے میڈیا کا تعصب واضح نہیں ہوتا؟

کلاس کے دو طالب علموں میں سے ایک کو استاد ترجیح دیتا ہے تو اسے ذاتی پسند کہا جاسکتا ہے لیکن نتیجہ میں اگر دونوں برابر نمبر لیکر پہلی پوزیشن لیتے ہیں تو کم از کم گزٹ میں ان کے نام ساتھ ساتھ ہونے چاہئیں۔

پاکستانی میڈیا کو مولانا فضل الرحمٰن سے خاص بغض کیوں ہے؟

اس کی وجہ اسٹیبلشمنٹ ہے۔ ہر محکمے کی طرح، فوج میں بھی "دو نمبر" لوگ ہوتے ہیں، مگر کرپٹ لوگوں سے زیادہ بڑی مصیبت، کم فہم لوگ ہوا کرتے ہیں۔ چاہے دیانتدار ہی کیوں نہ ہوں۔ محاورہ مشہور ہے کہ نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہے، ہم انہی نادان دوستوں کو اسٹیبلشمنٹ کہتے ہیں۔

اگرچہ جمعیت علما اسلام اعتدال کی سیاست کرتی ہے لیکن چونکہ مولانا کی سیاست کی اساس جمہوریت ہے اور وہ ہر ادارے کو پارلیمنٹ کو جوابدہ دیکھنا چاہتے ہیں اور اسی کی کوشش اور جدوجہد کرتے ہیں۔ دوسری طرف فوج کے بعض عناصر جن کو گھٹی میں "بلڈی سیویلین" پڑھایا گیا، وہ ایک سول حکومت کو جوابدہی کرنا، اپنی بے عزتی سمجھتے ہیں، لہٰذا مولانا فضل الرحمٰن ان کو فوج کا دشمن نظر آتا ہے۔

پھر یوں بھی ہے کہ گاہے بگاہے، مولانا سے اسٹیبلشمنٹ کی شان میں گستاخی ہوتی رہتی ہے: مثلاً

زرداری دور میں قبائلی علاقوں پہ ڈرون حملے شروع ہوئے، کئی بیگناہ گھرانے بھینٹ چڑھ گئے تو ہمارے چیف آف ائرسٹاف نے بیان دیا کہ اگر حکومت اجازت دے تو ہمارے پاس ڈرون گرانے کی صلاحیت موجود ہے۔ اس بیان پر مولانا نے قہقہہ بار تبصرہ فرمایا کہ کسی نے چوروں سے بچنے، چوکیدار رکھا تھا، چور گھر لوٹ گئے اور چوکیدار کہہ رہا تھا کہ مالک اجازت دیتا تو میں ان کو پکڑ لیتا۔ بھئی! تمھیں رکھا ہی کیوں تھا؟

اب ایسے بیانات کے بعد مولانا کی کردار کشی ضروری ہوتی ہے۔ بر سبیل تذکرہ، نیٹو سپلائی اور ڈرون حملوں کیخلاف صرف مولانا فضل الرحمٰن ہی نہیں بلکہ دو دیگر سیاسی جماعتیں بھی احتجاج کیا کرتی تھیں۔ لیکن ایک بار یوں ہوا کہ امریکی ڈرون حملے میں 24 پاکستانی فوجی مارے گئے، جس پر دونوں مذکورہ جماعتیں بہت سیخ پا ہوئیں۔ ایک نے ڈرون کیخلاف اسلام آباد تا وزیرستان لانگ مارچ کا اعلان کر دیا اور دوسری جماعت نے نیٹو سپلائی رکوانے، پشاور میں دھرنے کا اہتمام کر دیا۔ میڈیا نے اتنی بھرپور کوریج دی کہ اس شور وغوغا میں سنجیدہ پاکستانیوں کے سوالات دب کر رہ گئے، جو حیران تھے کہ ڈرون کیخلاف لانگ مارچ تو وزیرستان سے شروع ہو کر اسلام آباد امریکی سفارت خانے کو جانا چاہئے تھا، یہ الٹا کہاں جا رہا ہے؟ اور نیٹو سپلائی کے خلاف دھرنا تو کراچی میں ہونا چاہئے تھا، جہاں سے یہ شروع ہوتی ہے، اختتام سفر پہ کیسا دھرنا؟

اسٹیبلشمنٹ میڈیا میں کسی کی کردار کشی کرنے کیلئے بڑا سادہ طریقہ کار استعمال کرتی ہے۔ پہلے سوسائٹی میں سادہ دل معروف لوگوں کو ٹارگٹ کیا جاتا ہے جن کی فرداً فرداً ذہن سازی کی جاتی ہے۔ جب معاشرے کے یہ نیک نام لوگ، ایسی باتوں پہ یقین کر کے اپنے حلقہ احباب میں پھیلا دیتے ہیں تو پھر انہی افواہوں کو سوشل میڈیا پہ "لیکس" کی صورت مشتہر کیا جاتا ہے۔ سوشل میڈیا کیلئے اسٹیبلشمنٹ کے پاس افرادی قوت کثرت سے دستیاب ہے جو کہ کافی "ویلے" ہوتے ہیں۔ ضرب عضب وغیرہ مہمات میں تو ان میں سے چند فیصد ہی مصروف ہوتے ہیں۔ سیلاب، زلزلہ وغیرہ آفات میں بھی صوبیدار لیول تک کے لوگ زیادہ مشغول رہتے ہیں، باقی نوجوان افسران فیس بک کیلئے فارغ ہی فارغ ہیں۔ انہوں نے کونسی پبلک ڈیلنگ کرنا ہوتی ہے یا گھر کا سودا سودا لانا ہوتا ہے؟

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

میرے ایک دوست، جو آج کل کینڈا شفٹ ہو گئے، اچھی پوسٹ پر فائز تھے۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے اچھے نیک نام گھرانے سے ہیں۔ بتاتے ہیں: "ایک بار مجھے ایجنسی کے افسر نے فون کیا (جو خود بھی ڈیرہ ہی سے تعلق رکھتا ہے) یہ معلوم کرنے کہ مولانا فضل الرحمٰن کا وہ بھائی جو کہ افغان کمشنریٹ میں افسر ہے، کیا وہ باضابطہ چھٹی لے کر گیا ہے یا نہیں؟ کیونکہ ایجنسیوں کو خبر ملی ہے کہ مولانا کے دونوں بھائی انڈیا میں "گوا" کے ساحل پہ سیر کر رہے ہیں"

ہمارے سادہ لوح دوست، میجر صاحب کی بات پہ اعتماد کر کے میرے سامنے سرگوشیوں میں انکشاف کر رہے تھے (ظاہر ہے مولانا صاحبان سے بدظن ہو ہی چکے تھے) میں نے عرض کیا کہ جو ایجنسی انڈیا میں ان کی نقل وحرکت کی لمحہ بہ لمحہ خبر رکھتی ہے، اس کو یہاں چھٹی کی درخواست بارے معلوم کرنے کے لئے، آپ کی مدد کیوں درکار ہوگئی؟ جب کہ آپ کا اس سے کوئی علاقہ ہی نہیں؟ ٹھٹھک گئے، کہنے لگے "پھر کیا مقصد ہوگا؟" عرض کیا "یہی مقصد ہے کہ آپ جیسے درجن بھر شریف لوگ جب اس بات کو پھیلائیں گے تو سال بھر میں ہزاروں لوگ قسم اٹھا کر مولانا کی بدکرداری کی گواہی دیں گے"

اسٹیبلشمنٹ جب افواہ کو مستحکم کر دیتی ہے تو پھر سوشل میڈیا پہ چڑھا دیتی ہے، مثلاً "سوئس بنک کے ڈائریکٹر نے کہا کہ ہمارے بنک میں زرداری کے اتنے بلین ڈالر پڑے ہیں جو پاکستان کے تین سالہ بجٹ کے برابر ہیں۔ اب اس خبر کو شیئر کرنے والے یہ نہیں سوچتے کہ کوئی مقامی بینک بھی کبھی اپنے کلائنٹ کی تفصیل نہیں دیا کرتا تو سوئس بنک نے کیونکر دی؟ یا اسکے ڈائریکٹر کا نام کیا ہے؟ اور وہ اتنا فارغ کیسے ہے کہ پاکستان کے سالانہ بجٹ کے اعداد وشمار بھی اس کو ازبر ہیں؟

جب سوشل میڈیا میں بات جڑ پکڑ لے تو پھر اس کو مین میڈیا میں دیا جاتا ہے جس پر لوگ فوراً یقین کر لیتے ہیں کیونکہ پہلے ہی ذہن سازی ہو چکی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک معروف ٹی وی اینکر کی بیان کردہ کہانی کہ اس کو دبئی میں ایک یہودی جاسوس اتفاقاً مل گیا جس نے بتایا کہ وہ 17 سال تک ڈیرہ اسماعیل خان میں ایک مسجد کا امام رہا ہے (شہر کے نام پہ بھی دھیان دیجئے) اس اینکر سے پوچھنے والا کوئی نہیں کہ ہتھیلی بھر پھیلا ڈیرہ کا شہر ہے جس کے ائمہ مساجد کو لوگ نسلوں سے جانتے ہیں، پھر یہ کیسا پروفیشنل جاسوس تھا کہ پہلی اتفاقیہ ملاقات میں ایک پاکستانی اجنبی کے سامنے، اپنے خفیہ راز افشا کر رہا تھا؟

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

بہر حال، سیاستدانوں اور بالخصوص مولانا فضل الرحمٰن کی کردار کشی کے لئے اسٹیبلشمنٹ نے میڈیا کو خوب استعمال کیا ہے۔ یہاں میں واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسٹیبلشمنٹ سے میری کیا مراد ہے؟

اسٹیبلشمنٹ سے یوں تو خفیہ ایجنسیاں مراد لی جاتی ہیں جو اصل بادشاہ گر ہیں، مگر بات یوں ہے کہ ہماری ایجنسیوں میں نسیم حجازی سے متاثر ایک بزعم خود امت کا خیر خواہ عنصر موجود ہے۔ خوش گمانی کر لیتے ہیں کہ یہ طبقہ مخلص ہے اور ذہین بھی ہے، مگر دنیا کی بدلتی صورتحال کو سمجھنا کسی ایک دماغ کے بس کی بات نہیں رہی۔

پس جب میں اسٹیبلشمنٹ کا ذکر کروں گا تو اس سے ہماری خفیہ ایجنسی کا وہ طاقتور گروہ مراد ہوگا جو صرف خود کو ہی محب وطن اور عقلِ کل سمجھتا ہے۔ یہ گروہ، پارلیمنٹ کو اپاہج کر کے جمہوریت کی جڑیں کاٹنا چاہتا ہے۔ مثال میں جنرل حمید گل مرحوم کا نام لوں گا۔

خدا کا شکر ہے کہ جنرل راحیل شریف اور ان کی پروفشنل اور صاحب بصیرت ٹیم کو اس بات کی بخوبی سمجھ ہے کہ ہر ادارہ آئین کے دائرے میں رہے تو ملک امن و ترقی کی راہ پہ بڑھ سکتا ہے۔ پس موجودہ فوجی قیادت سے خوش امیدی ہے کہ وہ فوج میں موجود غیر آئینی سوچ کو بتدریج اپنے قول و عمل سے ختم کر رہے ہیں اور اس کا اظہار یوں ہو رہا ہے کہ اب میڈیا میں مولانا کیلئے بھی کبھی کبھی کوئی کلمہ خیر سننے کو مل جاتا ہے۔

مگر اب تک کی صورتحال مولانا کے لئے کیسی رہی؟ اس کیلئے میرا ایک پرانا مضمون ملاحظہ کیجئے:

میڈیا، ملٹری اور مولانا فضل الرحمٰن

میڈیا وہ دجالی منتر ہے جو کسی بھی ''کوڈو'' کو ''عالم چنا'' بنا سکتا ہے، اس لئے صرف پاکستان ہی نہیں، دنیا بھر میں اس عفریت کو خفیہ ایجنسیاں ہی کنٹرول کرتی ہیں۔ میں آپ کے سامنے چند سوالات رکھتا ہوں جو ہر ذہن میں اٹھتے ہیں، مگر ''آزاد اور باشعور'' میڈیا اس طرف نہیں جاتا کیونکہ اس کو ''اجازت'' نہیں۔ اس ''برین سٹارمنگ'' کے لئے میں نے میڈیا، ملٹری اور مولانا کی مثلث پسند کی ہے، اس لئے کہ مولانا ہی سینئر ترین سیاستدان ہے۔

سوالات ملاحظہ کیجئے اور اندازہ لگائیے کہ پاکستانی میڈیا کونسی ذہن سازی پہ مامور ہے؟

Fb.com/JUIAnswersBack

میڈیا سے پہلا سوال:

پیپلز پارٹی کا راستہ روکنے جن جرنیلوں نے آئی جے آئی بنائی تھی، ان کا اعترافی بیان ریکارڈ پر ہے کہ اس کیلئے 1988ء میں بعض سیاستدانوں میں رقم بانٹی گئی۔ نواز شریف کو 35 لاکھ، جاوید ہاشمی کو 5 لاکھ، قاضی حسین احمد کو 5 لاکھ روپے وغیرہ، پوری لسٹ عدالت کو دی گئی تھی۔

ایجنسیوں سے پیسہ نہ لینے والے سیاستدانوں میں مولانا شاہ احمد نورانی، خان عبدالولی خان اور مولانا فضل الرحمٰن تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ آرمی نے قوم کا یہ پیسہ کس اختیار کے تحت سیاست میں لگایا؟ اس پہ کبھی کوئی اینکر بولے گا......؟

میڈیا سے دوسرا سوال:

جاوید چوہدری کا کالم ریکارڈ پر ہے کہ جنرل اسلم بیگ نے مولانا فضل الرحمٰن کو جی ایچ کیو میں بلا کر اپنے صدارتی امیدوار غلام اسحٰق خان کی حمایت کے لئے دھمکایا، مگر ایسے میں کہ جب بینظیر بھٹو سمیت سب جھک گئے تھے، مولانا نے اپنے امیدوار نوابزادہ نصر اللہ کو دستبردار کرنے سے انکار کر دیا۔

اسلم بیگ بھی زندہ ہے اور جاوید چوہدری بھی۔ کیا وہ اپنے پروگرام میں اسلم بیگ کو بلا کر پوچھے گا کہ

ایک سرونگ آرمی چیف کیوں ایسی کھلی سیاست کر رہا تھا؟

میڈیا سے تیسرا سوال:

میڈیا میں "کسی" نے ایک مہم چلائی تھی کہ مولانا نے ڈیرہ میں 5 ہزار کنال، آرمی کی زمین اپنے نام کروالی۔ وہ مہم بالکل خاموش ہوگئی ہے، آرمی سے پوچھنا بنتا ہے کہ شہدائے کارگل کے لئے مختص زمین، کس قاعدے قانون کے تحت، یا کس کارنامے کے تحت آپ نے غیر متعلقہ لوگوں کو الاٹ کی؟ کیا کوئی دلیر اینکر، آرمی کے پراپرٹی کلرک کو ہی بلا کر کوئی وضاحتی ڈاکومنٹ دکھائے گا؟

مضمون ختم ہوا۔

اگر میڈیا مذکورہ بالا سوالات نہیں اٹھاتا تو آپ اس کی یک رخی یا بے بسی یا نالائقی یا اس کے خاص ایجنڈے کا خود ہی اندازہ لگالیں۔

مولانا فضل الرحمٰن اور صالح صحافی:

دیکھئے! یوں تو مولانا سے ہر وہ صحافی اور ادارہ نالاں ہے، جس کو جمہوریت سے خدا واسطے کا بیر ہے۔ مگر ایسے صحافی، جن کا خمیر جماعت اسلامی سے گوندھا گیا ہو، وہ تو مولانا کے گویا ذاتی دشمن ہوا کرتے ہیں۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

اگر آپ متقی اور صالح اخبار نویسوں کی فہرست بنائیں تو انصار عباسی اور ہارون رشید کا نام ضرور شامل کریں گے کہ ان کے کالموں میں قرآن وحدیث کے حوالے بہت ہوتے ہیں، مگر ان مومن صحافیوں کو مولانا فضل الرحمٰن سے خاص بغض ہے۔

جہاں تک ہارون الرشید صاحب کا تعلق ہے جو آج کل روزنامہ "دنیا" میں کالم لکھتے ہیں تو اگر وہ ایک ہفتہ تک مولانا کا نام لے کر تبری نہ کریں تو شاید ان کو روٹی ہضم نہ ہو۔

دور کیوں جایئے! میں ہارون الرشید کے حالیہ دو کالم (جولائی 2016ء) آپ کے سامنے رکھتا ہوں جو صرف 3 دن کے وقفے سے لکھے گئے، اس میں صحافیانہ منافقت کا روپ دیکھئے:

24 جولائی 2016ء میں نوابزادہ نصر اللہ بارے کالم لکھا (مشتری ہوشیار باش) جس میں سے چند جملے ملاحظہ کریں: "جو بات سننے کہ نہ ہو، سنتے نہ تھے، کہنے کی نہیں تو کہتے نہیں تھے (" میں تو اس جملے کا مصداق مولانا فضل الرحمٰن کو سمجھتا ہوں)

"ایک بزرگ مدیر نے زچ کیا اور عناد کے ساتھ کرتے رہے تو بس اتنا کہا اخبار نویس کے قلم اور حجام کے استرے میں فرق ہونا چاہیے"

(میں یہاں بزرگ مدیر کی جگہ ہارون الرشید اور نوابزادہ کی جگہ مولانا بھی لگا سکتا ہوں)۔

''اخبار میں ان پر الزام لگا تھا کہ زمین ہتھیالی، اس پر مدیر کو فون کیا کہ زمین کی خرید وفروخت کا ریکارڈ ہوتا ہے، گواہ ہوتے ہیں، انگوٹھے ثبت کیئے جاتے ہیں، کوئی ثبوت تو پیش کیجئے''

(کیا یہ جملہ مولانا کے کیس پہ فٹ نہیں بیٹھتا؟)

''بے نظیر بھٹو نے منت خوشامد کی تو حکومت کا حصہ بننے پر آمادہ ہوئے، کشمیر کمیٹی کے چیئرمین ہو گئے، برسوں ایک مقصد کیلئے دشنام سہی''

(اور یہ بات مولانا فضل الرحمٰن بارے کیوں نہیں کہی جاسکتی؟)

یہ جملے جو ہارون رشید صاحب نے نوابزادہ کی مدح میں اپنی خوش گمانی سے لکھے، ہو بہو مولانا فضل الرحمٰن کے بارے بھی لکھے جاسکتے ہیں، مگر مولانا فضل الرحمٰن کے بارے موصوف کا تجزیہ دیکھئے:

موصوف 27 جولائی 2016 کو بعنوان ''عجیب لوگ'' اپنے کالم میں لکھتے ہیں: مولانا فضل الرحمٰن حصول خلافت کیلئے امریکی سفیر کی خدمت میں حاضر ہوئے''

طنز وتنفر کو ایک طرف رکھئے، صحافیانہ اصول ہی پر اس جملے کی پرکھ کر لیجئے!

مولانا فضل الرحمٰن کا ظرف شاید نوابزادہ مرحوم سے زیادہ ہے، ورنہ نوابزادہ کی طرح فون کر کے آنجناب سے پوچھتا کہ 10 سال وکی لیکس کو گذر گئے، امریکی سفیر ابھی زندہ ہے، اس کا کوئی انٹرویو، کوئی بیان کا اخباری تراشہ ہے آپ کے پاس؟ اور یہ کہ صحافی کے قلم اور حجام کے استرے میں فرق ہونا چاہئے۔

ہارون رشید صاحب بھی دیواروں سے برآمد آوازوں کی بنیاد پر تجزیئے فرمایا کرتے ہیں اور کمال یہ کے اس کے ساتھ قرآن وحدیث کے شذرے جوڑتے چلے جاتے ہیں۔

میں آپ کو بتاؤں آخر اس مومن صحافی کا ہر چوتھا کالم مولانا فضل الرحمٰن کے خلاف کیوں ہوتا ہے؟ اس کی وجہ اسی کے اپنے کالموں سے ہی معلوم ہو جاتی ہے، جس میں موصوف اشارہ فرما ہیں کہ عمران خان نامی پراڈکٹ، جنرل حمید گل نے اسی صحافی کے کہنے پہ لانچ کیا تھا اور چونکہ اس پراڈکٹ کو ٹھپ کرنے میں زیادہ حصہ مولانا کا ہے، لہٰذا موصوف کی مولانا سے ذاتی تلخی بہت حد تک قابل فہم ہے۔

اسی طرح دوسرے مومن صحافی اپنے انصار عباسی صاحب ہیں جو روزنامہ جنگ کے سینئر کالم نگار ہیں اور جیو انویسٹی گیشن یعنی تفتیش ڈپارٹمنٹ کے سربراہ ہیں۔ انہوں نے مولانا کا ملٹری لینڈ سکینڈل طشت ازبام کیا تھا اور اس پہ بہت شور وغوغا بھی مچایا مگر افسوس کہ موصوف کی یہ تفتیش غلط ثابت ہوئی۔

روزنامہ "دنیا" کے کلاسرا صاحب نے اربوں روپے کے مختلف کرپشن سکینڈل نہ صرف رپورٹ کیئے

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIheNewsPack

بلکہ عدالت میں بھی لے گئے مگر عباسی صاحب کی ساری پروفیشنل زندگی کا ایک ہی کارنامہ ہے یعنی یہ جھوٹی رپورٹ کہ مولانا فضل الرحمٰن کو ڈیرہ میں ہزاروں کنال ملٹری لینڈ الاٹ ہوئی۔ بعد میں ایک ٹی وی پروگرام میں موصوف نے مولانا کی بجائے چند دوسرے لوگوں کے نام گنوائے کہ یہ مولانا کی پارٹی کے فلاں لیڈر کا کزن اور فلاں کا بھانجا ہے لہٰذا یہ بھی مولانا کے کھاتے میں ڈالو۔

اسی ٹی وی پروگرام میں، حامد میر اور انصار عباسی نے مولانا کا خوب میڈیا ٹرائیل کیا (یہ وہی حامد میر ہیں جنھوں نے 11 جون 2012 کے اپنے اخباری کالم میں ارسلان افتخار کی کرپشن پر چوہدری افتخار کو بری الذمہ قرار دیتے ہوئے مولانا مودودی اور ان کے بیٹے کی مثال دی تھی) اسی پروگرام میں عباسی صاحب نے اپنی اور اپنے ممدوح افتخار چوہدری کی جرات کا واقعہ بھی سنایا۔ میں بدنصیب اس پر بھی دونوں کو داد نہیں دے سکا تھا کہ مشرف دور کی چہرہ در چہرہ شجاعتوں کے لکھے ہوئے سکرپٹ ہمیں قابلِ اعتماد نہیں لگتے

بہر حال ملٹری کی زمین کسی کی آبائی جاگیر نہیں ہوتی کہ یونہی اٹھا کر دے دی جائے بلکہ یہ لین دین، باقاعدہ کسی ''ڈاکومنٹ'' میں درج ہوتی ہے۔ اب اگر میڈیا پر سرکاری زمین الاٹ کرنے کہ وجہ نہ بتائی جائے تو پھر وصول کرنے والے سے زیادہ عطا کرنے والا مجرم ٹھہرتا ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

عباسی صاحب پروگرام میں کہہ رہے تھے کہ مولانا، عدالت جائے۔ مولانا کیوں عدالت میں جاتے؟ جس عدالت کی بحالی کیلئے عاصمہ جہانگیر سے لیکر عمران خان تک مرے جا رہے تھے، مولانا نے اس وقت بھی اس منصف اعظم کی کریڈیبلٹی پر تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے اس احتجاجی تحریک سے اپنی جماعت کو لاتعلق رکھا تھا تو وہ کیوں ایسی عدالت میں جاتے؟ (ویسے پگڑی والے ملا کی سیاسی بصیرت کو سلام کہ جس بصیرت تک آکسفورڈ پلٹ لوگ پانچ سال بعد جا کر پہنچے)

دین کے ادنی طالبعلم کو بھی پتہ ہے کہ یہ ملزم نہیں، بلکہ الزام لگانے والے کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ قاضی کے سامنے ثبوت رکھے، ورنہ قذف کے کوڑے کھائے۔ پس یہ عباسی صاحب کی حب الوطنی اور دینداری کا تقاضہ ہے کہ وہ اس کیس کو عدالت لے جائیں۔

پھر عباسی صاحب نے اتنی ہاہاکار مچائی تھی گویا کہ یہ اربوں روپے کا سکینڈل ہو۔ ڈیرہ میں راکھ رمک کی وہ زمین، آج بھی ایک ہزار روپے کنال تک دستیاب ہے، بالفرض اگر 5 ہزار کنال بھی کسی نے لیا ہو تو یہ اتنی بڑی کرپشن نہ تھی جس پہ دو سینئر صحافی، کاغذات کا پلندہ لیکر، ایک گھنٹے کا سپیشل ٹی وی پروگرام کرتے۔ چند سو کنال کی زمین پر ایک غلط واویلا مچا کر، موصوف نے اپنی سوچ ہی نہیں، اپنے پروفیشنل ازم کے بھی چھوٹا ہونے کا ثبوت دیا۔

یہ تو پرنٹ میڈیا یا ٹی وی چینلز کی بات ہوئی۔

سوشل میڈیا پر مولانا کے متعلق جو کچھ کہا گیا، ایک سلیم الفطرت آدمی اس کو بیان کرنے سے بھی شرماتا ہے، حتیٰ کہ وکی پیڈیا جیسے سنجیدہ علمی پیج پر اگر آپ ایم آر ڈی کے لیڈران کے تعارف دیکھیں تو اس میں بھی مولانا کا نام ''مولانا ڈیزل'' لکھا گیا ہے۔ یعنی میڈیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں چھوڑی گئی جہاں مولانا کی بے عزتی کا سامان کرنے کی کوشش نہ کی گئی، لیکن بے شک عزت و ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

میڈیا اور اس کے پس پردہ آقاؤں نے مولانا کا جو برا امیج بنایا ہے، اس ضمن میں راقم نے ایک طنزیہ مضمون لکھا تھا جس سے نوجوانوں کی معلومات میں اضافہ ہوگا، ملاحظہ کیجئے:

پاکستان کا ''ایکسٹو'' کون ہے؟

ہمارے بچپن کی پسندیدہ کتب میں ابن صفی کی عمران سیریز بھی تھی، جس کا ہیرو علی عمران، بیک وقت دو روپ رکھتا تھا۔ ظاہری کردار میں اتنا سادہ لوح کہ باورچی سے دبا ہوا، مگر دوسرے روپ میں ایسا شاطر کہ نام بھی بے نام تھا یعنی ''بلیک زیرو''۔ عہدے کے لحاظ سے علی عمران ہی اصل ''ایکسٹو'' تھا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

بہت غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پہ پہنچا ہوں کہ پاکستان کا ''ایکسٹو'' مولانا فضل الرحمٰن ہے۔

کہا جاتا ہے کسی کے کردار کی گواہی دینے کو تین شرائط ہونا ضروری ہیں، اس کیساتھ معاملہ پڑا ہو، اس کے ساتھ سفر کیا ہو یا وہ آپ کا پڑوسی ہو۔ مولانا کے ساتھ ہمارا معاملہ تو خیر کیا پڑنا کہ کوئی جماعتی یا ذاتی تعارف تک نہیں ہے، ایم آر ڈی کے دنوں میں مولانا کے ساتھ کچھ مٹر گشت ہوئے جنہیں ''سفر'' قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ ڈیرہ میں مولانا کے پڑوسی ہونے کے ناطے جو گواہی دے سکتا ہوں اس کے مطابق مولانا ایک آدمی نہیں ہے۔ ایک وہ مولانا فضل الرحمٰن ہے جس کے گھرانے سے میں 30 سال سے واقف ہوں اور دوسرا پاکستانی میڈیا کے مطابق، وہ مولانا ہے جو چند ٹکوں کی خاطر بک جانے والا ایک بے اصول شخص ہے، اور پاکستانی میڈیا کو جھٹلانے کی بھلا کس میں جرات ہے؟

مولانا فضل الرحمٰن کی سیاست کی ابتدا ہوتی ہے 1981ء میں جب جنرل ضیاء کا مارشل لا نافذ ہے جنرل ضیاء نے علما میں تفرقہ ڈالنے کیلئے پرکشش معاوضوں کے ساتھ ایک مجلس شوری بنائی ہے اور مدارس کو زکوٰۃ فنڈ کے نام سے بھاری رقوم جاری کر دی ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ 28 سالہ نوجوان فضل الرحمٰن، یہ ساری ترغیبات مسترد کر کے جیل کا راستہ پسند کرتا ہے تو یہ اس کا ظاہری روپ تھا۔ لیکن درحقیقت ایک دوسرا فضل الرحمٰن بھی تھا جو ہر حکومت کا ساتھ دیا کرتا ہے۔ پس اس نے جنرل ضیاء کا ساتھ دیا، مال بنایا،

اور عیاشی کی۔ چونکہ وہ والا فضل الرحمٰن بلیک زیرو ہے، تو آپ کو اس بارے کیسے پتہ چل سکتا ہے؟ ہیں جی!

پھر غیر جماعتی انتخابات ہوتے ہیں 1985ء میں۔ جماعت اسلامی سمیت موسمی سیاستدان ان میں حصہ لیتے ہیں، ایک وزارت کی خاطر بکنے والا فضل الرحمٰن یہ گولڈن چانس آخر کیسے چھوڑتا؟ یہ جو مولانا فضل الرحمٰن ہے، جس نے ان الیکشن کا بائیکاٹ کیا تھا، یہ اصلی والا نہیں ہے۔ اصل فضل الرحمٰن نے اس اسمبلی میں تین سال مزے کئے تھے، مگر آپ کی نظروں سے غائب رہ کر۔

فوجی ایجنسیاں، 1988ء کے جنرل الیکشن کے ہنگام، نواز شریف وغیرہ کو خفیہ فنڈ فراہم کرتی ہیں۔ 30 سال بعد جنرل اسد درانی سپریم کورٹ میں پیسے لینے والوں کی فہرست پیش کرتے ہیں جس میں مولانا کا نام نہیں۔ کیوں کہ "ایکسٹو" ہونے کے ناطے کوئی اس کا نام نہیں لے سکتا، ورنہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ وہ پیسے پہ مرنے والا آدمی ہے۔

الیکشن کے بعد بے نظیر گورنمنٹ بنتی ہے، مولانا اپنی مرضی کا عہدہ لے سکتا ہے مگر اسے اپوزیشن پسند آئی بلوچستان میں بگٹی کے ساتھ حکومت ملتی ہے، حکومت کو فضل الرحمٰن جیسا آدمی کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ مگر ایک سال بعد ہی وہ بلوچستان حکومت کو ٹھوکر مار دیتا ہے اور بے نظیر کیخلاف عدم اعتماد کا ووٹ دے کر اپنی روزی روٹی پہ لات مارتا ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا، ایک اور فضل الرحمٰن غائبانہ طور پر بدستور حکومت میں تھا، بس عوام کو پتہ نہیں چلا۔ پھر 1990ء کے الیکشن میں دو بڑے سیاسی اتحاد بن گئے ہیں۔ دونوں مولانا کو ساتھ ملانے کیلئے سرگرداں ہیں، اس بار وہ سولو فلائٹ کرتا ہے، اپنا حلقہ ہار جاتا ہے۔ مگر اس کی پارٹی حکومت میں پہنچ جاتی ہے، اس کو فوراً حکومت میں شامل ہونا چاہئے تھا، ضرور ہوا ہوگا۔ بس ہم کو نظر نہیں آیا۔

اگلے الیکشن میں یعنی 1993ء میں پھر وہ جیت جاتا ہے، بے نظیر کی حکومت ہے، ظاہر ہے اس کو حکومت میں آنے کیلئے، کوئی خاص محنت کی ضرورت نہیں کہ پرانے جمہوری اتحادی ہیں۔ اگر اس حکومت میں ان کے پاس کوئی وزارت نہیں ہے، تو یہ آپ کی آنکھوں کا دھوکہ ہے "ایکسٹو" نظر تھوڑی آیا کرتے ہیں؟

تاریخ ساز دھاندلی والے 1997ء کے الیکشن میں نواز شریف دو تہائی اکثریت حاصل کر لیتا ہے مولانا کو ہر حکومت کے ساتھ ہونا ضروری ہے، مگر وہ حکومت میں نہیں، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اصلی والا فضل الرحمٰن بھی حکومت میں نہیں تھا۔ وہ حکومت میں شامل تھا مگر وہ چونکہ ایکسٹو ہے تو قوم کو کیسے پتہ چلتا؟

پھر اپنا سید پرویز مشرف تشریف لاتا ہے، ریفرنڈم کراتا ہے۔ کئی "پاک" لوگ بس اصولوں کی خاطر، جنرل پرویز مشرف کی مہم چلا رہے ہیں۔ سامنے وزارتیں پڑی ہیں تو مولانا کیسے پیچھے رہتا؟ بس اس نے یہ گیم کھیلی کہ ایک مولانا جیل میں چلا گیا، جس کا ہمکو پتہ ہے، دوسرا ان دنوں مشرف کا وزیر بن گیا تھا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

جو حیطۂ غیب میں پوشیدہ تھا۔

مولانا ایم ایم اے کے پلیٹ فارم پر پرویز مشرف کا اپوزیشن لیڈر منتخب ہوا۔ مشرف نے کئی ایسے ناگوار اقدامات کئے تھے جس کی بناء پر ایک غیرت مند آدمی کو اسمبلی سے استعفیٰ دینا چاہیے تھا (جیسے آج کل لوگ غیرت کے مارے استعفیٰ دیدیا کرتے ہیں) مگر چونکہ مولانا بکا ہوا تھا، اس نے استعفیٰ نہیں دیا، حالانکہ ایم ایم اے میں اسکے باقی اتحادی یعنی جماعت اسلامی کے 25 ممبران اسمبلی، اور عمران خان تو پہلے دو سال میں ہی استعفیٰ دے چکے تھے۔ اگر آپ کو اس اسمبلی میں، عمران خان اور قاضی حسین احمد جیسے لوگ کامل مراعات سمیت، پانچ سال پورے کرتے نظر آتے ہیں تو یہ فقط میڈیا کا پراپیگنڈہ ہے ورنہ تو یہ سب مستعفی ہو گئے تھے اور اسمبلی میں صرف مولانا فضل الرحمٰن اور اس کے 35 ممبران اسمبلی ہی رہ گئے تھے۔

اس دوران، ایک ایسا موقع بھی آیا کہ اگر سرحد اسمبلی کو مولانا کا وزیر اعلیٰ توڑ دیتا تو پرویز مشرف کیلئے آئینی بحران ضرور پیدا ہو جاتا (یہ الگ بات ہے کہ چیف آف آرمی سٹاف کی چھڑی کسی بحران کو نہیں مانتی) چونکہ مولانا پرویز مشرف کے ہاتھ پہ بکا ہوا تھا، اس لئے مشرف کو بچانے کیلئے اسمبلی نہیں توڑی، ورنہ دیکھ لیجئے، نواز شریف کو ہٹانے کو پختونخوا اسمبلی کو تو پچھلے سال ہی توڑ دیا گیا ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

پہلے میں حیران ہوتا تھا کہ پاکستان میں کیوں لوگ نگران حکومت میں شامل ہونے کو مرتے ہیں جبکہ یہ صرف تین ماہ کیلئے ہوا کرتی ہے؟ یہ راز تو بعد میں کھلا کہ وزارت ایک دن کیلئے بھی مل جائے تو وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔ سنا ہے ایک نگران وزیر نے پہلے ہی دن، گورنمنٹ کی کمرشل زمین 90 سالہ لیز پر اپنے بیٹے کو الاٹ کروادی اور تین ماہ میں اس پہ کمیٹی سے سرکاری خرچ پر مارکیٹ بنوا کر گورنمنٹ کو ہی من مانے کرایہ پر چڑھادی۔ پاکستان میں پانچ بار نگران حکومتیں آئیں اور منت ترلے کر کے تیسری صف کے سیاستدانوں کو بھی اس میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ مولانا جیسا پیسہ پرست آدمی بھلا کیوں پیچھے رہتا؟ پس اگر آپ کو مولانا ان پانچوں حکومتوں کا حصہ نظر نہیں آتا تو آپ کے پاس بصیرت کی نظر نہیں ہے۔

بہر حال، مولانا فضل الرحمٰن ایک نہیں بلکہ دو ہیں۔ ظاہری مولانا تو آپ کے سامنے ہے، جس کے بارے ہمیں معلوم ہے کہ ڈیرہ اسماعیل خان میں اس کا آدھے کنال کا گھر ہے، اس کے بچے اور بچیاں دینی مدرسوں میں پڑھتے ہیں، اس کے دن رات، ملک یا بیرون ملک پارٹی یا منصبی مصروفیت میں گذرتے ہیں۔ جن میں اس کا قیام ظاہر و باہر ہے۔ اس کی نجی چھٹیاں کوئی نہیں اور عید وغیرہ کے ایام ڈیرہ میں یا حرم مکہ میں گذرتے ہیں۔ مگر اصل مولانا فضل الرحمٰن کا صرف مجھے پتہ ہے۔

سوشل میڈیا کے ماہرینِ شماریات نے بتایا کہ ایک ممبر قومی اسمبلی ماہانہ ایک کروڑ ڈکار جاتا ہے۔ اس

لحاظ سے بطور ممبر قومی اسمبلی 18 سال میں 2 ارب روپے سے زیادہ کی تنخواہ و مراعات سے صرف آدھا کنال گھر......؟ بھلا یہ کوئی ماننے کی بات ہے؟ پس حال ہی میں جس لیڈر کی خبریں لیک ہوئی ہیں کہ اپنے کارکنوں کو پاکستان کے غم میں مبتلا کر کے مالدیپ میں کسی کے ساتھ رنگ رلیاں منانے گیا تھا، وہ مولانا ہی ہوگا۔ عالمی میڈیا نے مولانا کے ڈر سے اس کا نام پانامہ لیکس یا آف شور کمپنی میں نہیں دیا ہے، لیکن یہ بات آپ لکھ لیں کہ مدرسے کے چندے سے اس نے ساؤتھ افریقہ میں جائیداد بھی خریدی ہے، جس سے اس کی بہن نے دبئی میں فلیٹس بھی لئے ہیں۔

ہمارے مولانا ''ایکسٹو'' کی اضافی خوبی یہ ہے کہ دینی و دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ ''الٹرافزیکس'' کے علوم سے بھی واقف ہے۔ ٹیلی پیتھی ایک علم ہے جس کے ذریعے کس شخص کے ذہن کو گرفت میں لے لیا جاتا ہے۔ دنیا میں فردی ٹیلی پیتھی یعنی ایک آدمی کا ذہن کنٹرول کرنے کی مثالیں موجود ہیں، لیکن ابھی تک اجتماعی ٹیلی پیتھی یعنی پورے ایک طبقے کا ذہن مفلوج کرنے کی مثال مجھے نہیں معلوم تھی۔ مگر اب پتہ چلا کہ مولانا تو اجتماعی ٹیلی پیتھی کا بھی ماہر ہے۔

اختصار کے پیش نظر صرف دو مثالیں دوں گا:

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

مولانا فضل الرحمن نے اپنی صوبائی حکومت کے زمانے میں آرمی کے ذہن کو ایسا مفلوج کیا کہ بلاوجہ وہ قوم کی امانت یعنی سرکاری اراضی سے اس کو ہزاروں ایکڑ زمین دے بیٹھے۔ پھر اسی ٹیلی پیتھی کو استعمال کرتے ہوئے اس نے ''انوسٹی گیٹو جرنلزم'' کو بھی مفلوج کر دیا کہ صحافیوں کو کہیں کوئی رسید یا ڈاکومنٹ نہیں مل سکا پھر اسی علم کو استعمال کرتے ہوئے اے این پی حکومت کے ذہن کو مفلوج کیا کہ پانچ سال میں وہ اس زمین کا اتہ پتہ معلوم نہیں کر سکے۔ پھر اسی خاص علم کو استعمال کیا کہ تحریک انصاف کی حکومت کے سارے ادارے تین سال میں اس زمین سے واقف نہیں ہو سکے حالانکہ محکمہ مال کا وزیر بھی ڈیرہ اسماعیل خان سے ہے۔ اور تو اور، پورے ڈیرہ کے باشندے، روزانہ اس زمین کے ساتھ گذرتے ہیں لیکن کسی کو اسکی لوکیشن یاد نہیں رہتی ہے۔

مولانا کے اس خاص علم کا دوسرا مظاہرہ یہ ہے کہ مولانا نے 1995 میں ہزاروں ٹینکر ڈیزل کے پرمٹ حاصل کیے، یوں تو شمع گھی کی ایجنسی کا پرمٹ بھی لیا جائے تو تین جگہ اس کا ریکارڈ موجود ہوتا ہے۔ ایجنسی کے پاس رجسٹر میں ایجنسی ہولڈر کا نام ہوتا ہے، ڈپو کے سپلائی رجسٹر میں ریکارڈ ہوتا ہے اور ایک ریسیونگ رسید ٹرک ڈرائیور کو سائن کر کے دی جاتی ہے جو ایجنسی تک پہنچاتا ہے۔ یہاں چونکہ ڈیزل کی سپلائی کا معاملہ تھا، جس میں کسٹمز کے علاوہ اوگرا کا کام بھی ہوتا ہے، پس پانچ جگہ ریکارڈ موجود تھا۔ لیکن

مولانا نے ہماری صحافتی برداری کا ذہن اپنے علم سے یوں مفلوج کر رکھا ہے کہ 20 سال میں ایک بھی جگہ سے رسید نہ مل سکی۔ اگر یہ ہزاروں ٹینکر مولانا نے کسی دوسرے ملک بھیجے ہوتے تو بارڈر سیکورٹی کے پاس بھی ریکارڈ ہوتا جو کہ نظر نہیں آ رہا۔ یہ پرمٹ مولانا نے کسی اور آدمی کو بیچے ہوتے تو اب تک اس کا نام بھی معلوم ہو جاتا۔ پس ظاہر ہے کہ اس سارے ڈیزل سے مولانا نے ملک بھر میں اپنے ہزاروں پٹرول پمپ چلا رکھے ہیں، جو نظر نہیں آتے اور جنات کو ڈیزل سپلائی کرتے ہیں۔

پس مولانا ایک ایسا ایکسٹو ہے کہ جنات بھی جس کے تابع ہیں۔

بلکہ میرا تو خیال ہے کہ "ایکسٹو" مولانا کے بچے، آپ کو مدرسے میں پڑھتے پڑھاتے نظر آتے ہیں جو کہ نظر کا دھوکہ ہے۔

ہونولولو کے جزائر میں ایان علی کو لاکھوں پاؤنڈ کی شاپنگ کس نے کرائی تھی؟ وہ مولانا اسعد محمود تھا؟ جس نے افتخار چوہدری کے بیٹے کا میک اپ کیا ہوا تھا، جبکہ ارسلان افتخار تو اس کی جگہ خیر المدارس ملتان میں ترمذی شریف پڑھا رہا تھا۔ ہیں جی!

ٹیکنالوجی کا دور ہے بھیا، کانوں کو ہاتھ لگاؤ۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

مضمون ختم ہوا۔

المختصر، سنجیدہ دوستوں سے عرض ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن کو میڈیا کی آنکھ سے نہیں، حقیقی جمہوری تاریخ کے آئینے میں دیکھا کریں۔

باب دوم۔ مولانا فضل الرحمٰن کی شخصیت:

مولانا ایک لیڈر ہے:

کسی بھی شخص کو اس کے زمانے کے لحاظ اور اس کے ہم پیشہ افراد کے موازنے سے ہی جانچا جا سکتا ہے۔ نہ تو کسی کا ماضی کی شخصیات سے تقابل کرنا چاہئے، نہ ہی کسی دوسرے پیشہ کے لوگوں سے۔
ایسا نہیں ہو سکتا کہ نواز شریف کا موازنہ ماضی کے مسٹر جناح سے کیا جائے یا حال کے ڈاکٹر قدیر سے کیا جائے۔ اس کا موازنہ اس کے زمانے کے لحاظ اور اس جیسے سیاسی قائدین کے کردار سے ہی کیا جائے گا۔ اسی طرح مولوی سے یہ پوچھیں اکہ اسپرین ایجاد کیوں نہیں کی؟ یا لیڈر سے پوچھنا کہ کتنے کرکٹ میچ جیتے ہیں؟ ایک بیوقوفانہ موازنہ ہے۔

اب ہم کیسے ثابت کریں کہ آج پاکستانی سیاستدانوں میں سے لیڈر کون شخص کہلایا جا سکتا ہے؟

کسی مغربی مفکر نے لیڈر اور سیاستدان میں فرق بیان کیا تھا کہ: لیڈر اگلی نسلوں بارے سوچتا ہے اور سیاستدان اگلے الیکشن بارے سوچتا ہے۔ خیر سے پاکستان کا ہر سیاسی لیڈر، زمانے بھر کے بدنام "الیکٹیبلز" کو اپنی پارٹی میں اگلا الیکشن ہی جیتنے شامل کرتا ہے مگر اپنی اس پالیسی کو عوام کی نسلوں کے مستقبل کا مفاد قرار دیا کرتا ہے، للہذا اس مغربی قول کو مغرب والوں کیلئے ہی چھوڑ دیجئے! ہمارے یہاں اسکی تشریح ناممکن ہے۔

Fb.com/Official Jamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

اپنے علامہ اقبال مرحوم نے لیڈر کی تعریف یوں کی:

ے نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز......"

مگر یہ تینوں اصطلاحات بھی ذرا مبہم سی ہیں، کیونکہ "نگہ بلند" کی بات کریں تو ہر لیڈر کہتا ہے کہ اس کے اہداف بہت پاکیزہ اور بلند ہیں۔ "سخن دلنواز" بارے کسی سے پوچھیں کہ بغیر ثبوت کے لوگوں کی پگڑیاں اچھالنا اور چوک چوراہوں پر نام لیکر گالیاں دینا کیسا سخن ہے؟ تو جواب ملتا ہے کہ کیا چور کو چور کہنا گالی ہے؟

لیڈر کے "جاں پرسوز" ہونے کا مطلب تو ہم کو خود بھی سمجھ نہیں آتا۔ مثلاً پشاور کے سکول میں بچوں کے لاشے پڑے ہوں اور لیڈر، خفیہ شادی کی پینگیں بڑھا رہا ہو۔ پاکستان میں عوام، فاقوں سے خودکشیاں کر رہے ہوں اور لیڈر لندن میں شاپنگ کر رہا ہو، تو کیا پھر بھی وہ "جاں پرسوز" کا مالک ہوا کرتا ہے؟

پس اقوال زریں اور شاعری سے ہٹ کر سیدھے سبھاؤ، لیڈر کی صفات کا تجزیہ کرتے ہیں اور اس ترواز میں مولانا کو تولتے ہیں:

مولانا فضل الرحمٰن اس وقت پاکستان کے سب سے سینئر سیاستدان ہیں- ان کی 35 سالہ سیاسی زندگی پہ کئی پہلوؤں سے گفتگو کی جاسکتی ہے۔ میں اپنا ایک مفصل مضمون آپ کے سامنے رکھتا ہوں، جس میں مولانا کی منفرد قائدانہ صلاحتیوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔

میرے خیال میں ایک اچھے سیاسی و جمہوری لیڈر میں دس اہم صفات کا ہونا ضروری ہے۔ اگرچہ اس وقت پاکستان کی پارلیمنٹ میں جمعیت علماء اسلام ممبران کی تعداد کے لحاظ سے پانچویں نمبر پر ہے مگر اس سے پہلے والی چار بڑی پارٹیوں کے سربراہان یعنی آصف علی زرداری صاحب، میاں نواز شریف صاحب، عمران خان صاحب اور الطاف حسین صاحب کے کردار کو بھی انہی دس صفات کے آئینے میں دیکھا جائے تو میرے تجزیئے کو سمجھنے میں زیادہ آسانی ہوگی۔

مولانا فضل الرحمٰن کی دس منفرد صفات

وہ دس صفات کیا ہیں؟ یعنی لیڈر کی ذاتی قابلیت، کارکنان پہ کنٹرول، جمہوری اقدار کا تحفظ، زبان سے نہ پھرنا، اپنے موقف پہ استقامت، دیانت و امانت، ذاتی کردار کی پاکیزگی، بیبا کی و ہوشمندی، مستقبل بینی و بصیرت اور سب کے لئے قابل بھروسہ ثابت ہونا جیسی صفات شامل ہیں۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

آیئے، اب شق وار مولانا کے کردار کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں (اور اسی ترتیب و اصول پر، باقی چار مذکورہ سیاسی قائدین کو آپ خود تو لتے چلے جائیں)

اول: لیڈر کی ذاتی قابلیت:

مولانا فضل الرحمٰن کسی اور کے کندھے پر چڑھ کر لیڈر نہیں بنا بلکہ وہ واحد جینوئن لیڈر ہے جس کا انتخاب مجلس عمومی کے اس کڑے ماحول میں ہوا جس میں بزرگ علماء بھی اس کی نامزدگی کے موضوع پر آپس میں تلخ ہو گئے تھے (اس تلخی سے ہی تو ثابت ہوا کہ جمعیت علماء کے عہدوں کی نامزدگی، نہ تو ڈرامہ ہوتا ہے اور نہ مک مکا اور نہ ہی کسی کے ٹھپہ لگانے سے ہوا کرتی ہے، جبکہ دیگر لیڈران میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کے انتخاب سے، اس کے مقابل پارٹی کے کسی دوسرے بندے کا نام تک لیا گیا ہو) مجھے بتایا جائے کہ جناب زرداری، نواز شریف، الطاف حسین اور عمران خان کیسے پارٹی سربراہ منتخب ہوئے تھے؟

مزید توجہ چاہتا ہوں:

سیاسی پارٹیوں کے بڑے لیڈر کبھی اپنے باہمی اختلاف کی بناء پر ہم خیال کارکنوں کو لے کر الگ دھڑے بنالیا کرتے ہیں، مگر سیاسی تاریخ کی شاید یہ واحد مثال ہے کہ کسی کارکن کی خاطر، کسی جماعت کے

دو ایسے بڑے لیڈروں نے دھڑا اپنا لیا ہو جو خود دنیاوی زندگی سے مستغنی رہتے ہوں۔

جمعیت علماء کے سیکرٹری جنرل کیلئے کسی کارکن کی نامزدگی کرنا تھی، حضرت مولانا عبداللہ درخواستی صاحب جو جمعیت کے امیر تھے، وہ مولانا سمیع الحق کو یہ منصب دینا چاہتے تھے (اپنے بیٹے کو نہیں) جبکہ خواجہ خان محمد صاحب مولانا فضل الرحمٰن کے حق میں تھے (اپنے بیٹے کیلئے نہیں) تفصیل الگ مگر اس اختلاف پہ جمعیت کے دو دھڑے ہو گئے۔

پھر یہ اعزاز بھی مولانا کے حصے میں آیا کہ چند برس بعد جمعیت علماء کے پہلے امیر (درخواستی صاحب) نے بھی واپس مولانا کی سرپرستی کرنا قبول کر لی۔ یعنی مولانا فضل الرحمٰن اپنی بنیادی جماعت کے دونوں دھڑوں کے دونوں سربراہان کا متفقہ انتخاب ٹھہرا ہے۔

اس کے بالمقابل باقی چاروں لیڈرز کی پارٹی قیادت، کس کس کے مرہون منت ہے، یا کس طرح ان کو ملی ہے؟ وہ تاریخ ہے۔

دوم: لیڈر کا کارکنان پہ کنٹرول:

لیڈر کا بنیادی وصف ہے کہ وہ اپنے کارکنان کیلئے ماں جیسا شفیق اور باپ جیسا سخت گیر ہو، تف ہے ایسے لیڈر پر جو مصیبت کی گھڑی میں کارکنان کیساتھ نہ کھڑا ہو سکتا ہو یا اپنے کارکنان سے ہی مرعوب ہو جائے۔

ہماری سیاسی لاٹ میں مولانا فضل الرحمٰن وہ واحد لیڈر ہیں جنہوں نے اپنے کارکنان سے وفاداری اور ان سے باز پرس کی زندہ مثالیں قائم کی ہیں۔

یہ ابھی مولانا کے سیاسی کیریئر کی ابتداء تھی کہ نواب اکبر بگٹی کی وزارت اعلیٰ کے اشتراک سے بلوچستان حکومت بنائی، مولانا عصمت اللہ صاحب وزیر خزانہ تھے (وہی مولانا عصمت اللہ صاحب جو بعد میں "نظریات" کی بنیاد پر مولانا کو چھوڑ گئے تھے اور اب واپس آئے ہیں) نواب بگٹی کی رعونت سے بلوچستان کانپتا تھا۔ کابینہ کی میٹنگ میں مولانا عصمت اللہ پر کچھ بات کی، مولانا کو پتہ چلا۔ اسی دن بلوچستان حکومت سے یہ بیان دے کر علیحدگی اختیار کر لی کہ "ہم نے تو بگٹی صاحب کو سیاستدان سمجھ کر ساتھ دیا تھا مگر وہ تو نرے نواب نکلے"

پھر 20 سال بعد مولانا کے ذاتی دوست آصف علی زرداری کے ساتھ اتحادی حکومت میں تین وفاقی وزارتیں جمعیت کے پاس ہیں۔ وزیر اعظم گیلانی نے جمعیت کے وزیر مسٹر اعظم سواتی کو برطرف کر دیا (وہی اعظم سواتی جو نئے پاکستان کی خاطر مولانا کو چھوڑ گیا تھا) اپنے وزیر کی اس بے قدری پر اسی شام

وزارتوں کو ٹھوکر مار کر حکومت سے الگ ہو گئے۔

یہ وفاداری اپنے عظیم باپ کا وراثتی تسلسل تھا کہ جب مفتی محمودؒ اور نیپ نے آپس میں اتحاد کر کے سرحد اور بلوچستان میں حکومتیں بنائیں۔ مگر جونہی بھٹو نے بلوچستان میں نیپ کی حکومت کو برطرف کیا، اسی دن اپنے اتحادی کے ساتھ وفاداری نبھانے مفتی محمودؒ نے بھی صوبہ سرحد وزارت اعلیٰ سے استعفیٰ دیدیا۔ پاکستان کی تاریخ میں میں ایسی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔

مگر جب بات اصول کی ہو تو مولانا جیسا سخت گیر لیڈر بھی کوئی نہیں۔

ان نام نہاد قومی لیڈروں کی بات تو چھوڑیے جو اپنے چند عہدیداران کے مال پہ جیتے ہیں اور جن کا کھاتے ہیں، ان ہی کا گاتے ہیں۔ دیگر وہ قومی لیڈر بھی جو اپنی جیب سے اپنی جماعت کے عہدیداروں کے ناز اٹھایا کرتے ہیں، وہ بھی اپنے بڑے عہدے داروں کو سخت سست کہتے ڈرتے ہیں کہ کہیں مقابلے میں دھڑا نہ بن جائے۔

سوئم۔ جمہوری اقدار کا تحفظ:

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

مولانا کی تیسری منفرد صفت ان کی جمہوریت کے ساتھ عملی کمٹمنٹ ہے۔

جمہوریت کی تان سب اٹھاتے ہیں، لیکن ڈکٹیٹر کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر مرد کا بچہ ہی کھڑا ہو سکتا ہے

مولانا فضل الرحمٰن اس وقت واحد سیاسی لیڈر ہے جو دو فوجی ڈکٹیٹرز کی جیل کاٹ چکا ہے۔

جنرل ضیاء اور جنرل پرویز مشرف کے دو ادوار کو سامنے رکھتے ہوئے باقی لیڈروں کے حالات زندگی جاننا دشوار نہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن کو جنرل ضیاء نے جیل میں کلاس ''بی'' میں رکھا تھا حالانکہ ہر سیاسی لیڈر کو کلاس ''اے'' جیل دی جاتی ہے۔ جنرل پرویز مشرف نے مولانا فضل الرحمٰن اور قاضی حسین احمد، دونوں کو آرٹیکل چھ، یعنی بغاوت کی دفعہ (جس کی سزا موت ہے) کے تحت چھ ماہ کے لئے نظر بند کیا تھا۔ یہ تو نائن الیون نے حالات بدلے، ورنہ دونوں راہنماؤں کیلئے موت کا پھندا تیار تھا۔

کمال یہ ہے کہ مولانا کبھی ان قربانیوں کی بنا پر ڈھینگ نہیں مارتا۔ حالانکہ اس ملک میں ایسے چھچھورے لیڈر بھی ہیں جن کو چوہدری افتخار بحالی مہم کے دوران آدھے دن کیلئے ان کے گھر میں نظر بند کیا گیا تو کہتے پھرتے ہیں کہ ہم نے جمہوریت کیلئے جیلیں کاٹی ہیں۔

مولانا کی یہ اضافی خوبی ہے کہ اپنے کارکنان کو خواہ مخواہ کے مصائب اور امتحانات میں نہیں ڈالتا۔ بلکہ زیادہ تر اپنی جان پہ جھیلتا ہے۔ اس لئے کہ قائد وہ نہیں ہوتا کہ جس کے کارکن ہی مار کھاتے رہیں بلکہ

خود اس کا بھی خون پسینہ نکلنا چاہئے۔

مولانا فضل الرحمٰن ہماری قومی قیادت میں واحد لیڈر رہے جس نے اپنا خون پیش کیا اور وہ بھی حرمت رسول کی خاطر۔ اسلام آباد کے ہولی فیملی ہسپتال میں زیر علاج رہا۔

برسبیل تذکرہ عرض کروں گا کہ اپنی الیکشن مہم کی آخری رات، بڑے مناسب وقت پہ عمران خان صاحب لفٹر سے گر کر ہسپتال پہنچ گئے تھے اور اس جذباتی فضاء میں ایک بیان بھی ریکارڈ کروایا، جس سے ایکدم انکے ووٹ بڑھ گئے۔

یہ ایک اتفاقی حادثہ تھا، نہ کہ پولیس ٹکراؤ تھا۔ مجھے بہرحال اس وقوعے پر کچھ اشکالات ہیں۔ عمران خان لاہور میں لفٹ سے گر کر زخمی ہوئے لیکن نہ تو جائے وقوعہ محفوظ کی گئی، نہ گرانے والوں کا نام معلوم ہے، نہ ہسپتال کی رپورٹیں موجود ہیں۔ بس الیکشن کی آخری رات کو گرے اور بجائے جناح ہسپتال کے سیدھا اپنے شوکت خانم ہسپتال کی تیسری منزل پہ منتقل کر دیا گیا۔ جس کے بعد ان کا گردن میں پلستر ڈالے ویڈیو بیان آیا کہ: ''نوجوانو! میں نے پاکستان پہ جان وار دی ہے'' جس طرح نواز شریف کیلئے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اپنے دل کے آپریشن کی پوری تفصیل قوم کے سامنے رکھیں، ویسے ہی عمران خان کے اس وقوعے کو بھی بے نظیر کے وقوعے کی طرح نامکمل تفتیش کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔

بہرحال، مولانا پر 1989ء میں شاتم رسولؐ سلمان رشدی کیخلاف مولانا کے جلوس پر اسلام آباد پولیس نے ٹارگٹ فائرنگ کی، مولانا سب کے سامنے زخمی ہوئے اور سب کے سامنے ہی علاج ہوا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

چہارم۔ قول کا پکا ہونا:

مولانا کی چوتھی صفت، اپنی زبان کا پاس کرنا ہے۔

کسی قوم کا لیڈر جھوٹ نہیں بولتا اور مرد اپنی زبان سے نہیں پھرتا۔

مولانا فضل الرحمٰن نے 35 سالہ سیاسی کیریئر میں نہ کبھی یوٹرن لیا اور نہ ہی کوئی ایسا بیان دیا جسے بعد میں جھوٹ قرار دیا گیا ہو۔ اس کے بالمقابل باقی لیڈران کے کس کس ''یوٹرن'' کو یاد کیا جائے؟

پنجم۔ اپنے موقف پہ استقامت:

مولانا سیاسی حلقوں میں سخت سوداگر کے نام سے جانا جاتا ہے جو اپنے موقف پہ کبھی نرمی نہیں دکھاتا۔ دراصل مولانا نے پاکستان کی مولاجٹ سیاست میں ایک ایسی نئی وضع کی بنیاد ڈالی ہے جس میں باہمی احترام، غیر سنجیدہ سیاست سے اجتناب اور امن و معیشت کیلئے ساتھ دینا شامل ہے۔

مولانا سے پہلے پاکستانی سیاست کا انداز یہ تھا کہ اپوزیشن کا کام صرف حکومت کو کسی نہ کسی طور گرانا تھا اور حکومتی ارکان کا کام ہر جائز و ناجائز میں اپنی حکومت کا دفاع تھا۔مولانا نے اپوزیشن میں رہ کر ٹانگ کھینچنے اور وقتی مفاد کی خاطر ملکی ترقی کو داؤ پہ لگانے کی روایت کو توڑا۔خیبر پختونخوا اسمبلی میں نہ تو حالیہ تحریک انصاف کی حکومت کو جمعیت کی اپوزیشن کی طرف سے بلاوجہ کے تنازعے کا خطرہ ہے اور نہ ان سے پہلے، اے این پی حکومت کی حکومت کو جمعیت کی اپوزیشن نے بلا سبب تنگ کیا تھا۔اے این پی نے جمعیت کی اپوزیشن پالیسی پر احسان مندی ظاہر کی تھی۔

دوسری طرف، مولانا نے حکومت میں رہ کر حکومت کے ہر اس اقدام کی بھرپور مخالفت کی جو ان کے موقف سے لگاؤ نہیں کھاتا تھا، یہی میچور پالیٹکس کہلاتی ہے۔

ششم۔لیڈر کی مالی دیانت و امانت:

مولانا کی چھٹی صفت، ان کی مالی امور میں دیانتداری اور امانت ہے۔

کتنا کمال ہے اس شخص کا کہ دشمن اس کی دیانتداری کی گواہی دے اور کتنا برا ہے وہ شخص، جسکے اپنے ساتھی اس کی بد دیانتی کے شاہد ہوں۔

مولانا فضل الرحمٰن سے بغاوت کرنے والا اور اس کے دشمن کی جماعت کا رہنما بننے والا شخص ٹی وی پر آ کر پوری قوم کے سامنے قرآن اٹھا کر اس کی دیانت کی گواہی دے چکا ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

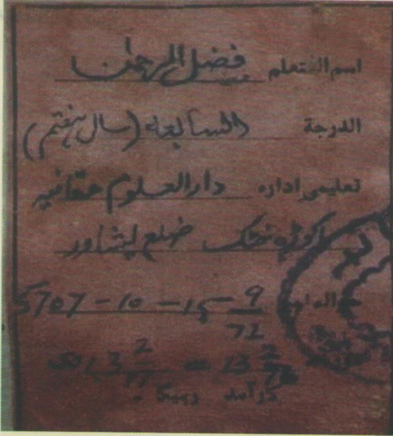
حالانکہ ایسے لیڈر بھی پائے جاتے ہیں کہ جن پر ان کے بنیادی ساتھیوں نے پارٹی چندے کی مد میں گڑبڑ کرنے کا باقاعدہ مقدمہ درج کرا رکھا ہے۔عدالت تین سال سے ان کو بلا رہی ہے کہ اپنی پوزیشن واضح کریں لیکن ان کے وکیل تاریخ پہ تاریخ لے رہے ہیں۔

مولانا فضل الرحمٰن کا پارلیمانی ساتھی جناب اعظم سواتی، جسے اس کی خوبیوں کی بناء پر عمران خان نے اپنے ''اختیارات'' کے تحت صوبائی صدر بنا دیا، وہ جب سلیم صافی کے پروگرام ''جرگہ'' میں آتا ہے تو قرآن پہ ہاتھ رکھ کر مولانا فضل الرحمٰن کی مالی دیانت کی گواہی دیتا ہے۔اسی طرح جسٹس افضل حیدر کی کتاب کے علاوہ جنرل اسد درانی کا سپریم کورٹ میں وہ بیان جو ''آئی جے آئی'' بنانے کے ضمن میں دیا گیا، مولانا کی امانت و دیانت پہ شاہد ہے۔

ہفتم۔ ذاتی کردار کی پاکیزگی:

مولانا فضل الرحمٰن کی ساتویں صفت، ان کے کردار کی پاکیزگی ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن: قرآن فہمی سے سیاست فہمی تک



اسم المتعلم: فضل الرحمٰن
الدرجة: السابعة (سال ہفتم)
تعلیمی ادارہ: دارالعلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک ضلع پشاور



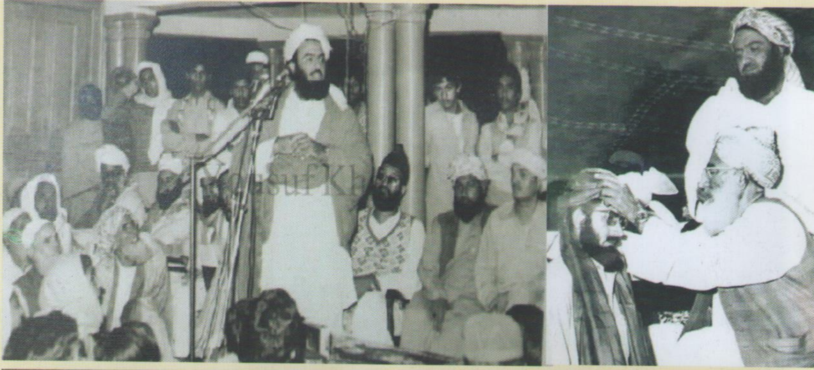


Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

شیخ الازہر فخام شیخ عبدالمنعم النہر مولانا مفتی محمودؒ دفتر دارالعلوم حقانیہ میں شیخ الحدیث
مولانا عبدالحقؒ کے ہمراہ (قائد جمعیۃ) مولانا فضل الرحمٰن بھی نمایاں ہیں



جاتے ہوئے مفتی محمودؒ نے جمعیۃ آپ کو سونپی







یوں تو انسان خطا کار ہے، لیکن کسی لیڈر کی طرف منسوب جنسی بے راہ روی تو اہل مغرب کے ہاں بھی قبول نہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب محض 28 سال کی عمر میں قیادت میں آئے اور آج ان کی عمر 60 سال سے زیادہ ہو چکی لیکن خدا کے فضل سے ان پہ جنسی بے راہ روی کا الزام نہیں لگا۔

اس کے بالمقابل "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" کتاب اسی پاکستان میں 1997ء میں شائع ہوئی جس میں سب سیاسی لیڈروں کے کارنامے درج ہیں (اس کے علاوہ بھی کئی کہانیاں ملکی وغیر ملکی جراید میں چھپی ہیں جن کا یہاں تذکرہ موزوں نہیں ہوگا)

انسان بہت کمزور ہے، علما بھی انسان ہی ہوتے ہیں۔

کچھ دین دار لوگوں کا نام بھی کسی زمانے میں اسلام آباد والی میڈم طاہرہ کے ساتھ اخبارات میں آیا تھا لیکن خدا نے مفتی محمود صاحبؒ کی لاج رکھنا تھی کہ ان کے بیٹے کا دامن ان خرافات سے بھی پاک ہے

ہشتم۔ بے باکی وہوشمندی:

مولانا کی آٹھویں صفت مدبرانہ بیباکی اور ہوشمندانہ جرات مندی ہے، اس کو ذرا توجہ سے سمجھئے گا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

مولانا فضل الرحمٰن اس وقت پاکستان میں واحد لیڈر ہے جس نے بھی سرعام پاک فوج کو ڈی گریڈ نہیں کیا لیکن کبھی چیف آف آرمی سٹاف کی چھڑی کو بھی خاطر میں نہیں لایا۔

دو سال پہلے آرمی پبلک سکول سانحہ کے بعد، کیا حکومت اور کیا دھرنے والے، سب دو گھنٹے کے نوٹس پر پشاور پہنچے، سوائے مولانا کے۔ اور اسی ہفتے قومی اسمبلی نے آئین میں اکیسویں ترمیم منظور کر لی جس میں فوجی عدالتوں کے قیام کی منظوری تھی۔

ہم جمہوری لوگ ہیں، اگر ہماری اسمبلی فوجی عدالتوں جیسے غیر جمہوری اقدام کو منظور کرتی ہے تو بھی ہمیں بسر وچشم قبول ہے کیونکہ فوجی عدالتیں بنانا کفر نہیں ہے۔ مگر کیا اسمبلی نے یہ منظوری خود دی تھی یا فوج کے ڈنڈے کی بنا پر......؟ آخر قرارداد پیش کرنے والا پیپلز پارٹی کا سینیٹر رضا ربانی رو کیوں رہا تھا کہ یہ میرے لئے شرمندگی کا دن ہے۔

اس بناء پر ہم اسے زبردستی کی ترمیم سمجھتے ہیں۔

اس قرارداد پر پاکستان کی ساری پارٹیوں نے دستخط کیے، مگر واحد مولانا فضل الرحمٰن ہے جس نے دستخط کرنے سے انکار کر رکھا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی نوٹ کریں کہ خلوت میں جرنیلوں سے ٹکرانے والا، جلسوں میں ان کو دھمکیاں نہیں دیا کرتا۔

لگے ہاتھوں، جاوید چوہدری کے کالم کا اقتباس بھی سن لیں:

"1988ء میں جب بے نظیر کی حکومت بنی تو اس نے ایم آر ڈی کے متفقہ موقف کے برعکس نوابزادہ نصر اللہ کی بجائے غلام اسحٰق خان کو صدر نامزد کیا اور مولانا سے اپنی بے بسی کی معذرت کی" جاوید چوہدری لکھتا ہے کہ: "جی ایچ کیو میں جنرل اسلم بیگ نے دو جرنیلوں کے ہمراہ مولانا کو دھمکانے کی کوشش کی کہ اپنے امیدوار یعنی نوابزادہ کو دست بردار کرالیں لیکن مولانا دباؤ میں نہیں آئے"

نہم۔ مستقبل بینی و بصیرت:

مولانا فضل الرحمٰن کی نویں صفت یہ ہے کہ وہ عام لیڈران کے برعکس، صرف عوام کے ووٹ لینے کو پاپولر پالیٹکس نہیں کیا کرتے، بلکہ لانگ ٹرم بنیاد پہ ایک نپا تلا موقف اختیار کرتے ہیں، چاہے کسی کو وقتی طور پر پسند نہ بھی آئے۔ پاپولر پالیٹکس تو بلدیاتی کونسلر بھی کر سکتا ہے، قومی لیڈر کی بصیرت اتنی ہونا چاہیے کہ اٹھتی گھٹا سے پہلے، آنے والے زمانے کا اندازہ لگا سکے۔

مولانا فضل الرحمٰن شاید واحد لیڈر رہے، جس کی بصیرت پاکستان کی ساری قومی قیادت سے برتر ہے۔ یہ 2007ء کی ایک شام تھی، جب پانامہ لیکس کی طرح ملک میں بھونچال آیا تھا کہ تین باوردی جرنیلوں نے، ملک کے ایماندار ترین چیف جسٹس سے بزور استعفیٰ لینے کی کوشش کی، لیکن اس مرد آہن نے انکار کر دیا۔ اگلی صبح، پاپولر پالیٹکس کے دلدادہ عمران خان اور جماعت اسلامی چیف جسٹس کیلئے میدان میں آچکے تھے مگر ایم ایم اے میں ہوتے ہوئے بھی مولانا فضل الرحمٰن نے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ لیکن اسی شام جب ہماری پسندیدہ جمہوری سیکولر پارٹیاں یعنی اے این پی اور پیپلز پارٹی بھی میدان میں آگئیں تو ہمیں مولانا کی بے حسی کھٹکنے لگی۔ بے نظیر بھٹو نے افتخار چوہدری کے گھر کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کی قیادت کرتے ہوئے انہیں اپنا وزیر اعظم قرار دیا تو ہمیں بھی مولانا کی سیاسی بصیرت پہ شبہ ہونے لگا۔

بہر حال سوائے مولانا کے، پاکستان میں حزب اختلاف کی ساری سیاسی قیادت، وکلاء برادری اور سول سوسائٹی چوہدری افتخار کی خاطر شعلہ جوالہ بنی ہوئی تھی۔

گویا پاکستان بھر کی ساری سیاسی دانش ایک طرف تھی اور مولانا کی بصیرت ایک طرف۔

پھر وہ دن آیا کہ چوہدری کے ہر جانثار نے اسے مشکوک قرار دیا۔

صرف چوہدری افتخار کیس ہی نہیں بلکہ ہر سکینڈل میں وقت نے ثابت کیا کہ مولانا فضل الرحمٰن کا موقف ہی درست ہوا کرتا ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

لگے ہاتھوں ایک اور چٹکلہ بھی سن لیں:

تحریک انصاف کا دعویٰ ہے کہ صرف ان کی پارٹی ہے کہ جس میں کارکنان اپنے ووٹ کے ذریعے لیڈر چنتے ہیں۔ اب ہوا یہ کہ مولانا کی پارٹی کو چھوڑ کر جانے والے اعظم سواتی کو تحریک انصاف کا صوبائی صدر بنایا دیا گیا۔ یعنی تحریک انصاف کے صوبہ بھر کے کارکنان کی جملہ سیاسی بصیرت بھی اسی اعظم سواتی تک پہنچ سکی، جس کو جمعیت نے کبھی جماعت کے ضلعی عہدے کے قابل بھی نہیں سمجھا۔

دہم۔ قومی لیڈر کو قابل بھروسہ ضرور ہونا چاہئے:

مولانا فضل الرحمٰن کی دسویں صفت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے سخت لیکن مبنی برحق موقف کی بناء پر ملکی اور عالمی قوتوں کا اعتماد حاصل کرلیا ہے، یوں انہوں نے پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کیلئے خود کو ناگزیر ثابت کردیا ہے۔

پاکستان سے کھیلنے والے تینوں مافیاز (جاگیردار، صنعتکار اور فوج) پاکستان کی تین سیاسی پارٹیوں کے پشت پناہ ہیں۔ مگر جس پارٹی کے پاس نہ میڈیا، نہ مافیا، نہ ڈنڈا، نہ گلیمر اور پھر بھی اس کا لیڈر خود کو ناگزیر ثابت کردے تو داد بنتی ہے یا نہیں؟

Fb.com/JUIAnswersBack

مولانا فضل الرحمٰن اس وقت پاکستان میں واحد متفقہ لیڈر ہے، جس کا ساتھ دینے پر ہی کامیاب داخلی یا خارجہ پالیسی بنائی جاسکتی ہے۔

پہلے خارجہ پالیسی کی بات کریں۔ چین کے سوا سب ہمسایہ ملک پاکستان کو ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں، اگر ان ممالک کے ساتھ کوئی گفت وشنید یا جرگہ کرنا ہو تو کون سا لیڈر موزوں ہے؟

افغانستان کے ساتھ نسلی یا مذہبی مسئلہ ہے، تو مولانا پختون بھی ہے اور ان کا ہم عقیدہ بھی۔ ایران کے ساتھ مسلکی جنگ ہے تو واحد سنی عالم دین ہے جس کے ساتھ وہ نشست کرسکتے ہیں۔ انڈیا کے ساتھ کشمیر کا مسئلہ ہے تو واحد دینی جماعت ہے جس کیساتھ انڈیا میں ماضی کا سیاسی احترام موجود ہے، شاید آپ کو معلوم ہو کہ مولانا فضل الرحمٰن گذشتہ کئی سال سے چین کی کیمونسٹ پارٹی کے آفیشل گیسٹ سمجھے جاتے ہیں۔

داخلی محاذ پر متحارب پارٹیوں کو کون قبول ہے؟

مولانا پر نون لیگ، پیپلز پارٹی، ایم کیو ایم غرض سوائے تحریک انصاف کے ہر پارٹی اعتماد کرنے کو یکساں تیار ہے۔ یوں تو تحریک انصاف کے بقول انہوں نے مولانا کی پالیٹکس کو 2013ء کے الیکشن میں ہی ختم کردیا تھا، تاہم صرف تین سال بعد ہی جب پختونخوا حکومت کو پاک چائنا روٹ پہ اعتراض ہوا تو جناب پرویز خٹک، مولانا کے در پر ہی حاضر ہوئے (4 جنوری، 2016ء)

غرض مولانا جیسا ہمہ جہت لیڈر کوئی نہیں جس نے ہر پارٹی کیساتھ پنگا بھی لیا مگر سب کو قابل قبول بھی

ہے۔ مختصر یہ کہ اگر داخلی اور سرحد پار امن پاکستان کی مجبوری ہے، تو مولانا فضل الرحمٰن اس کیلئے ضروری ہے
انصاف قاری کے ضمیر پہ چھوڑتا ہوں۔ و تلک عشرۃ کاملۃ

پس نوشت:

مجھے عمران خان کو لیڈر کہہ کر اس کا مولانا فضل الرحمٰن سے موازنہ پسند نہیں کہ میرے خیال میں عمران خان لیڈر بننے کے قابل ہی نہیں۔ مگر کیا کریں اس وقت وہ پارلیمنٹ میں تیسری بڑی قوت ہے اور نواز شریف کی اعانت سے ہی سہی (دراصل پیکیج میں) مگر اس کو ایک صوبہ میں مخلوط حکومت مل چکی ہے تو اب اسے قومی لیڈروں میں شمار کرنا ہی پڑے گا۔ اسی پیمانے پر اگر آپ عالمی لیڈران کی فہرست بنائیں گے تو خواہی نہ خواہی، اسرائیل کے نیتن یاہو کو بھی عالمی لیڈر قرار دینا پڑے گا۔

مولانا فضل الرحمٰن کی ذات پہ اعتراضات

سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ مولانا کی ذات پہ اعتراضات کی نوعیت کیا ہے؟
مولانا کی ذات پر زیادہ تر اعتراضات تحریک انصاف کی جانب سے ہوتے ہیں، جن میں تین بڑے اعتراضات ہیں: ایک یہ کہ مولانا مالی طور پر کرپٹ ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ عمران خان کو یہودی ایجنٹ کہتا ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ ہر کرپٹ سیاسی لیڈر کا ساتھی یا محافظ ہے۔

Fb.com/OfficialJamat
Fb.com/JUIAnswersBack

لبرل حلقوں کی طرف سے مولانا پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ مولانا طالبان کی مذمت نہیں کرتا۔
سیاسی حلقوں کی طرف سے مولانا پہ دو اعتراض ہیں: ایک یہ کہ 17 ویں ترمیم منظور کرائی۔ دوسرے امریکی سفیر سے وزیراعظم بنانے کی درخواست کی۔
مولانا کے اپنے شہر کے لوگوں کو دو اعتراض ہیں: ایک یہ کہ مولانا اتنے عرصے اقتدار میں رہا لیکن شہر کیلئے کچھ نہیں کیا۔ دوسرے مولانا صرف اپنے خاندان کو آگے لا رہا ہے۔
دینی حلقوں کیطرف سے بھی مولانا پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ مولانا نے اب تک نفاذ دین کیلئے کیا کیا؟
اب ہم نمبر وار ان سارے الزامات کا جائزہ لیں گے۔

تحریک انصاف کے الزامات:

پہلا الزام۔ ''مولانا مالی طور پر کرپٹ آدمی ہے''
کہنا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ واحد لیڈر ہے جو مالی طور پر کرپٹ نہیں۔ عمران خان کی آف شور کمپنیاں یا اس

کی بہن علیمہ خان کے دبئی میں فلیٹس کا انکشاف تو بعد میں ہوا، مگر راقم نے عرصہ پہلے ہی عمران خان کو مشکوک قرار دیا ہوا ہے۔ ایک پرانا مضمون پیش خدمت ہے، اس کے دلائل کو اپنے ضمیر کی ترازو میں تولیئے:

ظلمت کو ضیا، صرصر کو صبا کیوں بولوں؟

نقار خانے میں طوطی کی صدا کون سنتا ہے مگر میں بساط بھر پاکستانی میڈیا کے دجل و فریب کو عیاں کرتا رہوں گا، جورات کو دن ثابت کر کے بڑی غلط تاریخ رقم کر رہا ہے۔

فانی آدم زادوں پر کیا تبصرہ، مگر مجھے اپنا موقف سمجھانے ”مجبوراً“ دو سیاسی لیڈروں کا کردار ٹٹولنا پڑ رہا ہے۔ آج کل کے محبوب موضوع یعنی "مالی کرپشن" کے ذیل میں میڈیا نے کمالِ محنت سے عمران خان کو دیانتدار ترین جبکہ مولانا فضل الرحمٰن کو پاکستان کا کرپٹ ترین لیڈر ثابت کر رکھا ہے، جبکہ میرے نزدیک صورتحال برعکس ہے۔

معاف کیجئے! میں میڈیا کے باندھے گھنگھروں پہ ناچنے کو تیار نہیں، دلیل کو شعور کی پہچان گردانتے ہوئے ثابت کروں گا کہ بات اگر مالی کرپشن کی ہے تو عمران خان روایتی، اخلاقی، منطقی، قانونی اور شرعی لحاظ سے اس ملک کا کرپٹ ترین آدمی ہے۔ میری یہ بھی تمنا ہے کہ میرا تجزیہ غلط ثابت ہو، پس ہر اس دوست کے تبصرے سے بخوشی استفادہ کروں گا جس نے اپنی عقل پاکستانی میڈیا کو گروی نہیں رکھ دی ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

روایتی پہلو کے لحاظ سے:

ہماری روایت یہی رہی ہے کہ کسی کا طرزِ زندگی، اس کی آمدن کے ذرائع سے لگاؤ نہیں کھاتا تو اس کی آمدنی مشکوک سمجھی جاتی ہے۔ عمران خان کا بظاہر کوئی ذریعہ آمدن نہیں۔ تو معلوم نہیں کس مد میں ”غریب عوام کی آخری امید“ کے پاس اسلام آباد میں 300 کنال پہ پھیلا گھر، مختلف شہروں میں پھیلی زرعی زمین ہے، اس کے علاوہ شاہانہ رہن سہن ہے جس میں لاکھوں کے کتے بھی شامل ہیں۔ پراپیگنڈہ یہ ہے کہ عمران خان کو کرکٹ سے جو کچھ ملا، اس نے ہسپتال پہ لگا دیا۔ اور خوددار وہ اتنا ہے کہ جمائما کے باپ سے ایک پینی نہیں لی، تو ایں از کجاست؟

راندہ درگاہ طبقات کے کئی مسیحا، مہاتما بدھ سے لیکر کارل مارکس تک جدی پشتی جاگیردار تھے جنہوں نے اپنا سب کچھ تج دیا تھا۔ عمران خان وہ واحد غریب پرور لیڈر ہے جس کی ظاہر شدہ جائیداد میں تین گھر ہیں (میانوالی، زمان پارک اور بنی گالہ) جس میں وہ تن تنہا رہتا ہے۔ نظر بظاہر یہ سب کچھ اس مالی کرپشن کی طرف مشیر ہے، جس کے بارے میں سابق کارکن پوچھتے رہتے ہیں، مگر وہ طرح دے جاتا ہے۔

دوسری طرف، سوشل میڈیا کے ایکسپرٹ ہمیں باور کراتے ہیں کہ مولانا کی صرف بحیثیت پارلیمنٹ ممبر ایک کروڑ روپے ماہانہ مراعات ہیں-ایک کروڑ نہ سہی، ایک لاکھ بھی اوسط تنخواہ ہو تو اس کی 18 سالہ پارلیمانی زندگی کے لحاظ سے 2 کروڑ 16 لاکھ بنتی ہے، جس سے اس کا صرف آدھے کنال کا ایک گھر ڈیرہ میں ہے۔اس کے علاوہ پورے پاکستان یا باہر، نہ اس کا کوئی رہائشی گھر ہے، نہ پلازہ، نہ کوئی اور جائیداد۔ یہ دعوی بھی ہے، چیلنج بھی ہے اور اس کی مالی دیانت کا ثبوت بھی ہے۔

اخلاقی پہلو کے لحاظ سے:

عوام اپنا پیٹ کاٹ کر ممبران پارلیمنٹ کو بھاری تنخواہ اور مراعات دیتے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے قانون سازی کا کام کریں (جو گویا ان کی مزدوری ہوئی) عمران خان نے نہ صرف خود بلکہ اپنے 35 ارکان کو 6 ماہ تک پارلیمنٹ کی مزدوری سے روکے رکھا۔مزید برآں باقی پارلیمنٹ کو بھی دیگر ایشوز سے ہٹا کر دھرنے کے فضول ٹاپک پہ مصروف کردیا-اس کے باوجود اپنی غیر حاضری کے دنوں کی پوری تنخواہ و مراعات، غریب عوام کے ٹیکسوں سے وصولتے ہوئے ماتھے پہ پسینہ تک نہیں آیا-یہ بہرحال مالی کرپشن ہے عمران خان قانونی اور اخلاقی کا فرق بیان کرتا رہتا ہے تو یہ قانونی نہ سہی، مگر اخلاقی کرپشن ضرور ہے اور اس اعزاز میں یہ یکتا لیڈر ہے۔

Fb.com/Official.Jamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

دوسری طرف، مولانا 1988ء سے پارلیمنٹ کا ممبر ہے، قانون سازی کے نکات پر سب سے زیادہ تفصیلی تقاریر و تجاویز مولانا ہی کی طرف سے آئی ہیں اور پارلیمنٹ کا ریکارڈ گواہ ہے کہ مولانا نے سرکاری امور سے کبھی بلاوجہ غیر حاضری نہیں کی۔ پس اس نے کم از کم اپنی تنخواہ ضرور حلال کی ہے۔

منطقی پہلو کے لحاظ سے:

نمایاں لوگوں پہ لوگ بولتے ہی رہتے ہیں۔ ہر کس و ناکس سے بحث اچھی نہیں، لیکن کوئی آپ کو بلاوجہ رشوت خور کہے جا رہا ہو تو اسے عدالت کھینچ لے جائیں۔اب یا تو وہ معافی مانگے گا یا پھر آپ پر جو الزام لگایا، اس کا ثبوت دیگا- فرض کریں، آپ نے کسی کو عدالت میں ثبوت پیش کرنے کی تڑی لگائی، اس نے بخوشی یہ چیلنج قبول کرلیا مگر آپ خود ہی پیچھے ہٹ گئے تو منطقی لحاظ سے آپ نے خود چور ہونا تسلیم کرلیا۔

بعینہ یہی صورتحال ہوئی جب عمران خان کے خلاف خواجہ آصف اور چوہدری نثار نے بھری پریس کانفرنس میں فراڈ کے الزامات لگائے، جس پر عمران خان نے بھی بھری پریس کانفرنس میں ان کو عدالت میں گھسیٹنے کا اعلان کیا اور انہوں نے قبول کرلیا۔ یہ عمران خان کو اپنی دیانت ثابت کرنے کا سنہری موقع تھا

مگر وہ خود ہی عدالت سے چھپ گیا۔ یوں منطقی طور پر عمران خان نے خود کو ہی کرپٹ ثابت کر دیا۔ یہ بالکل ایسا ہی سین ہے جیسے اسمبلی میں چوہدری اعتزاز اور چوہدری نثار نے ایک دوسرے کی کرپشن کے ثبوت پیش کرنے کی تڑی لگائی اور دوسرے دن ایک دوسرے کو معاف کر دیا۔

دوسری طرف مولانا فضل الرحمٰن جو گذشتہ 35 سال سے سیاسی میدان میں ہے، اس پر پاکستان کی کسی چھوٹی بڑی عدالت میں کوئی مالی کرپشن کا کیس تک درج نہیں ہوا۔ نہ ریاست کی طرف سے، نہ کسی نجی ادارے یا فرد کی طرف سے۔ ویسے ایک وکیل صاحب نے لاہور ہائیکورٹ میں مولانا پر ایک کیس کر رکھا ہے جس کو مولانا نے کبھی لفٹ ہی نہیں کرائی۔ وہ کیس کیا ہے؟ مولانا نے کبھی کہا تھا کہ امریکہ اگر ایک کتے کو بھی مار دے تو اسے شہید کہوں گا۔ کیس یہ کیا گیا ہے کہ مولانا نے شہید کے رتبے کی توہین کی ہے۔

قانونی پہلو کے لحاظ سے:

دنیا بھر میں وعدہ معاف گواہی کو قانونی حیثیت حاصل ہے۔ کسی مجرم کا کولیگ یا پارٹنر اس کے خلاف گواہی دیدے تو اسے قانونی ثبوت کا درجہ حاصل ہے۔ بھٹو کا عدالتی قتل، اس کے با اعتماد ساتھی کی گواہی کی بناء کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر عاصم پر سارا پریشر اس لئے ہے کہ وہ زرداری کا کولیگ ہونے کے ناطے، قانونی ثبوت بن سکتا ہے۔ الیکشن کمیشن کے ایک ممبر پیارے افضل خان کو عمران خان اپنے کنٹینر پر دھاندلی کے ضمن میں ایک ثبوت بنا کر پیش کرتے تھے۔ اب یوں ہے کہ عمران خان کے ایک سابق کولیگ، تحریک انصاف فرانس کے سابق صدر اکبر ایس احمد نے عمران خان پر چندے میں گڑبڑ کا مقدمہ دائر کر رکھا ہے اور عمران خان تاریخ پہ تاریخ لیتے ہوئے اس کا سامنا کرنے سے کترا رہا ہے۔ کسی اور پاکستانی لیڈر کو یہ اعزاز حاصل نہیں کہ اس کے کسی قریبی ساتھی نے یوں برضا و رغبت اپنے لیڈر کی کرپشن کا بھانڈا پھوڑا ہو۔ میرے خیال میں تو عمران خان کی مالی کرپشن پر یہی قانونی ثبوت ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

دوسری طرف مولانا فضل الرحمٰن کا سابقہ دست راست اعظم سواتی، جو مولانا کو چھوڑ کر عمران خان سے جا ملا اور "میرٹ" پر صوبائی صدر بھی بن گیا، اس نے مولانا کو ایک ذاتی خط میں لکھنے کے علاوہ، ٹی وی پر آ کر بھی (جرگہ پروگرام میں) گواہی دی ہے کہ مولانا مالی معاملات میں بالکل صاف ہے۔

شرعی پہلو کے لحاظ سے:

جوا، سٹہ، قمار بازی کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے مگر شریعت کو اس ملک میں کون پوچھتا ہے؟ میڈیا نے بتایا کہ وزیر اعظم گیلانی کی بیوی لندن میں جوا کھیلتی رہی مگر جناب شاہدین نہ ہوں اور ملزم خود اقراری نہ ہو

تو شریعت کسی کو کیوں مجرم قرار دے؟

سٹہ کیا ہے؟ فلاں کرکٹ ٹیم جیت گئی، تو آپ اتنے پیسے دو گے ورنہ میں دوں گا۔

اس جرم کا اقرار بزبانِ خود، عمران خان نے میڈیا پہ یہ کہہ کر کیا کہ یہ تو میرے تجربہ کی رقم کمائی ہے۔ یوں شرعی قانون کے لحاظ سے پورے ملکی سیاسی لیڈروں میں سے ''اقراری مالی کرپٹ شخصیت'' کا اعزاز بھی عمران خان کو حاصل ہے۔ دوسری طرف مولانا فضل الرحمٰن کے متعلق ایسی بات تو عوامی سرگوشیوں میں بھی نہیں چہ جائیکہ میڈیا میں یا عدالت میں ہو۔

عمران خان اور مولانا فضل الرحمٰن کا ایک اور موازنہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں، مگر ہمارے دانشور اینکر "بوجوہ" اس طرف نظر کرم نہیں کرتے۔

واقعہ یوں ہے کہ مولانا نے عمران خان کو اپنا لیڈر تو کیا کبھی برابر کا آدمی بھی نہیں مانا۔ جبکہ عمران خان نے سیاسی اتحاد تو کئی لیڈروں سے کیے، لیکن اپنا لیڈر صرف مولانا کو مانا ہے کہ جب 2002ء میں اس نے اپنا وزیر اعظم مولانا فضل الرحمٰن کو قرار دیا تھا۔

اب مولانا، عمران خان پہ الزام لگاتا ہے کہ اسے یہودی لابی فنانس کرتی ہے، جبکہ عمران خان مولانا پر ڈیزل سمگلنگ کا الزام لگاتا ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ عمران خان نے مولانا کو وزیر اعظم کے لئے اپنا ووٹ تب دیا تھا جب مولانا پر ڈیزل سمگلنگ کے الزامات کو 6 سال گذر چکے تھے لہٰذا عمران خان، اس الزام سے خود ہی مولانا کو بری کر چکا ہے۔

دوسری طرف، یہودی ایجنٹ کہنے پر عمران خان نے اگست 2013ء میں مولانا کو قانونی نوٹس بجھوایا کہ معافی مانگو، ورنہ عدالت میں سامنا کرو۔ مولانا نے بخوشی یہ چیلنج قبول کر لیا، مگر عمران خان ہی میدان سے بھاگ گیا، گویا مولانا کی صداقت خود ہی ثابت کر دی۔

گذارش یہ ہے کہ نہ عمران خان سے کوئی ذاتی معاملہ ہے نہ ہی مولانا میرا رشتہ دار ہے۔

قوم کا کوئی لیڈر بھی اگر بددیانت ثابت ہو تو کسی پاکستانی کے لئے اس میں خوشی کی کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ مذکورہ بحث صرف یہ بتانے کیلئے کی گئی کہ میڈیا اپنی ذمہ داری میں ڈنڈی مارتا ہے، حقائق کو بدلنے والا یہ تعصب اور جانبداری آنے والی نسلوں کا نظام سے اعتبار اٹھا دے گی اور پھر وہ کسی بھی طالع آزما کا شکار ہو جائیں گے۔ چاہے وہ کسی جرنیل کی شکل میں ہو یا بیت اللہ محسود کی شکل میں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ آدھا سچ، پورے جھوٹ سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

مضمون ختم ہوا

نوٹ: یہ مضمون اس دور کا ہے جب عمران خان کی آف شور کمپنی کا بھانڈا نہیں پھوٹا تھا۔

تحریک انصاف کا دوسرا الزام:

''مولانا فضل الرحمٰن عمران خان کو یہودی ایجنٹ کہتا ہے''

اس الزام پر میں تحریک انصاف کے ساتھ ہوں مگر اس کا تفصیلی تجزیہ، اسی باب کے آخر میں بعنوان ''مولانا سے میری پہلی اعلانیہ مخالفت'' درج ہے، وہاں پڑھ لیا جائے۔

تحریک انصاف کا تیسرا الزام: مولانا فضل الرحمٰن ہر کرپٹ لیڈر کا ساتھی ہے۔

تحریک انصاف کی طرف سے یوں تو اس الزام کی ہوا حقائق کی دنیا میں اسی وقت نکل گئی جب صوبہ خیبر پختونخوا میں سینیٹ کیلئے تحریک انصاف نے نون لیگ سے پس پردہ اتحاد کیا اور پانامہ لیکس پر پیپلز پارٹی سے اتحاد کیا۔ تحریک انصاف کی منافقت کے پیش نظر اس الزام پر تبصرہ زیب ہی نہیں دیتا۔ مگر منہ کا ذائقہ بدلنے، ذیل کے مکالمے کا لطف لیجئے:

ایمان والو، ایک ترازو رکھا کرو!

نئے پاکستان کے ایک بزرجمہر کی بات سنیں۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

کہنے لگا: ''تمہارا مولانا، زرداری، نواز شریف سمیت ہر کرپٹ حکمران کا ساتھ دیتا ہے، کیونکہ اس کو پیٹ کا مسئلہ ہے''

عرض کیا: ''ایسے لوگوں کا ساتھ اس لئے دینا پڑتا ہے تا کہ ایک بڑے مقصد کو حاصل کیا جاسکے''

"ہاہاہا! بڑا مقصد! ہاہاہا۔ اور وہ بڑا مقصد کیا ہے جناب؟"

"پاکستان میں امن، معاشی استحکام اور اسلامی قوانین کا اجراء"

"ہاہاہا۔ تو کیا یہ بڑا مقصد حاصل ہو گیا ہے؟"

"پورا تو نہیں حاصل ہوسکا کہ ابتک حکومتی استحکام ہی حاصل نہیں ہوسکا تو مزید پیش رفت کیا ہوگی؟ لیکن یہ ہے کچھ قوانین جو اہل اسلام کے خلاف تھے ان کا راستہ روکا جاچکا۔ اسلامی نظریاتی کونسل کو فعال بنا کر وہاں بالغ النظر علما پہنچا دیئے گئے، اور سفر جاری ہے"

"ہاہاہا۔ تم کتنا بھی باتیں بنالو، مگر ہمیں پتہ ہے مولانا کو صرف اپنے پیٹ کا مسئلہ ہے"

عرض کیا "آپ نے تین سوال کئے اور میں نے جواب دے دیئے۔ اب میں یہی تین سوال آپ سے کرتا ہوں اور یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ قہقہہ نہیں لگاؤں گا: یہ بتا کہ تمہارا لیڈر علیم خان، پرویز خٹک، بیرسٹر سلطان جیسے لوگوں کو ساتھ ملا کر کونسا انقلاب لانا چاہتا ہے؟ اس کو اپنی عیاشیوں کیلئے ڈونرز درکار ہیں اور بس''

"ارے نہیں، سلیم بھائی! ایک بڑے مقصد تک پہنچنے کیلئے ایسے الیکٹیبلز کا ساتھ ہونا ضروری ہے"

"اور وہ بڑا مقصد کیا ہے؟"

"ایک کرپشن فری نیا پاکستان بنانا جو یورپ اور امریکہ کا مقابل ہو سکے"

"یورپ، امریکہ کی گپ چھوڑو۔ پشاور، لاہور سے پانچ گنا چھوٹا ہے، کیا وہ تین سال میں لاہور کا مقابل ہوسکا ہے؟"

"کوشش تو جاری ہے نا۔ دیکھئے! گنجے ملک کو کھا گئے......"

"چھوڑو یار یہ بے سری راگنی۔ دراصل، اسکے یہ سارے ڈرامے، ڈھلتی عمر میں سلیبرٹی بننے اور عیاشی کرنے کیلئے ہیں"

"استغفر اللہ، سلیم بھائی! آپ خود کو دینی آدمی بھی کہتے ہو۔ یوں کسی کی نیت پہ حملہ نہیں کرنا چاہئے"

لبرلز کا مولانا پر اعتراض:

"مولانا طالبان کی مذمت نہیں کرتا"

جمعیت علما اسلام کی جمہوریت اور دلیل کے ساتھ ازلی کمٹمنٹ کی بناء پر لبرل حلقے مولانا فضل الرحمٰن کو کوئی بڑا طعنہ دینے کی پوزیشن میں نہیں، تاہم ان کے اندر کی "مُلا دشمنی" آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ پاکستان میں ابھی خودکش دھماکوں کے ابتدائی دن تھے کہ جامعہ اشرفیہ میں سرکردہ علمائے دیوبند نے دہشتگردی اور خودکش حملوں کو حرام قرار دیتے ہوئے متفقہ فتوی ایشو کیا تھا۔ ہمارا میڈیا اگر پاکستان سے مخلص ہوتا تو اس اجلاس کی خبر اخبار کی ہیڈلائن بننا چاہئے تھی مگر آپ جانتے ہی ہیں کہ میڈیا، علما کو پذیرائی دینے کو متحمل نہیں ہوسکتا۔ بہرحال، باچہ خان یونیورسٹی پر دہشت گردی ہوئی تو ایک بار پھر لبرل حلقوں نے علماء کو آڑے ہاتھوں لیا۔ اس پر راقم نے درج ذیل مضمون لکھا تھا، جو آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

چھٹتا نہیں ہے منہ پہ یہ "ملا" لگا ہوا:

بعض احباب اسلامک سیکولرزم کی اصطلاح استعمال فرماتے ہیں۔ خاکسار حیران ہے کہ کیا سیکولرزم اور اسلام الگ الگ چیزیں ہیں؟ سیکولرزم، سوشلزم اور جمہوریت پسندی، بنیادی انسانی صفات ہیں، جن کا درجہ کمال دین اسلام ہے۔

مگر دلیل کی بجائے، دھونس کا استعمال کرنے والے مذہبی طبقہ میں ہی نہیں، سیکولر احباب میں بھی موجود ہیں۔ میں ان کو لبرل فاشسٹ کا نام دیتا ہوں۔ سچا سیکولر کسی کی مدح و ذم میں عدل کا دامن ہاتھ سے

نہیں چھوڑتا۔ اگر آپ دہشت گرد مذہبی جنونیوں کی مذمت کرتے وقت معتدل علماء کا فرق روا نہیں رکھتے تو آپ میں فاشزم کے جراثیم موجود ہیں۔

ایک طرف لبرل فاشسٹوں کا دعویٰ ہے کہ فی زمانہ ملاً کے پاؤں تلے سے زمین نکل چکی ہے۔ دوسری طرف ہر انفرادی یا اجتماعی جرم کے بعد یہ دہائی دیتے ہیں کہ اس کا ذمہ دار مولوی ہے۔ بازار میں مہنگائی بڑھ جائے، کسی لڑکی کا ریپ ہو جائے، کوئی زمیندار مزارع پر کتے چھوڑ دے، غرض کچھ ہو جائے تو لبرل فاشسٹوں کا ٹیپ کا مصرعہ یہی ہوتا ہے کہ مُلا اس کی مذمت کیوں نہیں کرتے؟ یعنی ایک طرف تو ملا کی کوئی حیثیت نہیں مانتے اور دوسری طرف بزبان حال یہ اقرار کہ اس ملک کی 26 خفیہ ایجنسیاں، لاکھوں سیکورٹی اہلکار اور جدید ایٹمی اسلحہ بشمول لبرل دانشوروں کے زیر کنٹرول نیشنل اور سوشل میڈیا، ملا کی مدد کے بغیر کسی کام کے نہیں ہیں۔

خیر! چارسدہ میں حالیہ دہشت گردی کو مثال بناتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ ایسے واقعات کے تناظر میں قوم اپنے سیاسی مذہبی رہنماؤں سے مندرجہ ذیل تین باتوں کی توقع رکھتی ہے (اگر کوئی چوتھی بات ہو تو خاکسار کے علم میں بھی اضافہ کیا جائے)

ایک یہ ہے کہ اس درندگی کی پرزور اور واضح الفاظ میں مذمت کی جائے۔

Fb.com/OfficialJamiat

دوسرے، لگی لپٹی رکھے بغیر اس واقعہ کے ذمہ داران کا نام لیکر ان کی مذمت کی جائے۔

Fb.com/JUIAnswersBack

اور تیسرے، اس دہشت گردی کی وجوہات پر قوم کو گائیڈ کیا جائے۔

یہی تین مطالبے، علمائے کرام سے بھی ہیں (جن کا سیاسی چہرہ، مولانا فضل الرحمٰن ہے۔)

اب جہاں تک پہلی وجہ، یعنی اس وحشت کی ''پرزور مذمت'' کا تعلق ہے تو وہ، علماء نے بھی اسی طرح کی ہے، جس طرح سوسائٹی کے ہر طبقہ فکر نے کی۔ البتہ "پرزور" چونکہ صرف میڈیا کے زور پہ نظر آتا ہے تو لبرلز کا "پرزور" تو دکھائی دیتا ہے مگر علما کا "پرزور" نہیں دکھائی دیتا۔ ورنہ چارسدہ حادثے پر پہلے پہنچنے والوں میں نواز شریف، عمران یا اسفند یار نہیں، بلکہ مولانا فضل الرحمٰن اور خورشید شاہ تھے، اور ہاں ایم کیو ایم کا وفد بھی تھا۔

لیڈروں اور علما سے، عوام کی دوسری توقع ہے کہ قاتلوں کا نام لیکر مذمت کریں۔ لیڈر تو مذمت ہی کر سکتے ہیں، قاتلوں کو پکڑنا اور سزا دینا دوسروں کا کام ہے۔

اب صورتحال یہ ہے کہ اس حادثے (بلکہ کسی بھی ایسے حادثے کے) دو فریق ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ایک حملہ آور دہشتگرد، اور دوسرے وہ ادارے، جن کو عوامی بجٹ سے عوام کی سیکورٹی کیلئے تنخواہ ملا کرتی ہے۔

انصاف کا تقاضہ ہے کہ فریق اول کی نام لیکر مذمت اور فریق دوم کی گوشمالی کرنا چاہئے۔

لبرل حضرات سے یہ توقع نہیں کہ فریق دوم کی شان میں بے ادبی کریں (یہ کام صرف فضل الرحمٰن کی جماعت کو کرنا پڑتا ہے)، البتہ لبرل حضرات، فریق اول یعنی پاکستانی طالبان، ملا فضل اللہ وغیرہ کو باقاعدہ نام لیکر گالی دیتے ہیں، چونکہ اس گالی دینے میں علماء ان کے ساتھ تان نہیں ملاتے، پس یہ ان کو بزدلی، یا ''اگر، مگر'' پالیسی کا طعنہ دیتے ہیں۔

حضور! ہم ضرور نام لیکر گالی دیتے، اگر ہمیں معلوم ہو کہ فریق اول ہے کون؟ کیونکہ جو لوگ اس قتل و غارت کی ذمہ داری قبول لیتے ہیں، وہ صرف جنرل صاحب کو فون کرتے ہیں (ویسے سنا ہے کہ جس موبائل سے فون کیا جائے، اس کی لوکیشن معلوم ہو جایا کرتی ہے) وہ اپنی ویڈیو وغیرہ بھی ان کو ہی بھیجتے ہیں۔

بہر حال، لبرل حضرات! جناب باجوہ پہ اعتبار کر کے ان کے بتائے ناموں کو گالیاں دیتے ہیں -اب چونکہ طالبان کے فون کو کسی غیر جانبدار گواہ نے سنا نہیں اور جناب باجوہ کی گواہی کو ہم قابل اعتبار نہیں مانتے (کیونکہ یہی لوگ پہلے مسٹر بش کے خیالی ٹیلیفون پر پورا ملک امریکہ کے حوالے کر بیٹھے تھے) تو پھر ہم ان لوگوں کے پڑھائے نام نہیں لے سکتے، چاہے آپ اسے ''اگر، مگر کی پالیسی'' کہو یا '' لگی لپٹی کہنا ''بولو۔

عوام بجا طور پر اپنے رہنماؤں سے یہ توقع بھی رکھتے ہیں کہ آئے روز کی خونریزی کی وجوہات ان کو بتائی جائیں۔ منطقی بات ہے کہ اس موضوع پر ایک کھلا قومی مکالمہ ہونا چاہئے۔

یہ ہے وہ موقف جو لبرلز کو بہت تکلیف دیتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے خود ہی جج بن کر، دینی مدارس کو دہشت گردی کی وجہ قرار دے رکھا ہے۔ علماء جواب میں یہ نہیں کہتے کہ آپ غلط ہو یا صحیح -وہ کہتے ہیں، آنا کہیں مل بیٹھ کر، اس پہ ایک سیمینار رکھ لیں، تا کہ دلیل پہ بات ہو جائے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

مئی 2011 میں پارلیمنٹ کا ایک ''ان کیمرہ سیشن ''یاد کیجئے-ایبٹ آباد میں امریکی آ کر ہماری منجی ٹھلے ڈانگ پھیر چکے تھے (اسلئے کہ دنیا کی نمبر ایک ایجنسی کو جنرل پاشا نے اپنے کام سے ہٹا کر، سیاسی جماعت بنانے پہ لگا رکھا تھا) بہر حال اس سیشن میں جنرل پاشا اور ممبر قومی اسمبلی مولانا عطاء الرحمٰن الجھ پڑے تھے، جب دورانِ میٹنگ مولانا عطاء الرحمٰن نے مطالبہ کر دیا کہ لگے ہاتھوں آج اس بات کی وضاحت بھی کر دیں کہ طالبان کس نے تیار کئے تھے؟

بس جناب! یہ مکالمہ لبرلز کرنے کو تیار نہیں، کیونکہ اس میں پردہ نشینوں کے نام آتے ہیں۔

خیر، چارسدہ جیسے واقعات تو کسی تکفیری گروہ کی بھی کارستانی نہیں لگتے، بلکہ اس ''پراکسی وار'' میں کچھ ''بڑے کھلاڑیوں'' کا ہاتھ ہو سکتا ہے لیکن میں اس سے اتفاق کرتا ہوں کہ معلوم مذہبی شدت پسند اور اسلحہ

بردار گروہوں کو بہر حال، مدارس سے افرادی قوت میسر آئی مگر اس فرق کے ساتھ کہ مدارس، دہشت گردی کی نرسری نہیں ہیں، البتہ مارکیٹ ضرور ہیں۔ اس لئے کہ اس ملک میں عام آدمی کو اسلام کے نام پہ ورغلایا جاسکتا ہے۔ جس طرح "پاکستان کا مطلب کیا؟ "لا الہ الا اللہ" والا نعرہ لگا کر، 6 لاکھ ہندوستانی مہاجرین مروا دیئے گئے (تو دینی مدارس، بہر حال زیادہ اسلام پسند ہوتے ہیں)

دہشتگردی کی نرسری کرنے والے ایسے ادارے ہوتے ہیں کہ پاکستانی میڈیا ان کی جیب میں ہوتا ہے۔ علمائے حق کی بات، نہ ماضی میں کوئی سنتا تھا، نہ اب سنتا ہے، نہ آئندہ کبھی سنے گا (اور اس لئے ہم آخرت کا یقین رکھتے ہیں کہ وہاں کھرا کھوٹا الگ ہو جائے گا اور مومن، اپنی مساعی کا بدلہ پائے گا، ان شاء اللہ)

برسبیل تذکرہ عرض ہے کہ علمائے دیوبند کے اسلاف نے مدارس کو اسلحہ تو کجا، سیاست کا گڑھ بھی کبھی نہیں بنایا تھا۔ بعض بزرگوں کے ذاتی اختلافات سے قطع نظر، عرض کرتا ہوں کہ خود مدنی احباب کے مدارس کے طلباء بھی سیاسی تحریکوں کے دوران صرف پڑھائی پہ یکسو رہتے تھے (تھانوی تو گوشہ نشین تھے ہی) مرور زمانہ سے آج جبکہ سیاست ہر چھابڑی فروش کے خون میں بھی گھس گئی، تو طلبا بھی متاثر ہوئے اور ان کے سیاسی مہتمم صاحبان، بجائے ان کی حوصلہ شکنی کرنے کے، حوصلہ افزائی کرنے لگے۔

آپ مولانا فضل الرحمٰن کی کاوشوں اور بصیرت کی داد دیں گے کہ وہ مدارس جو مورچہ بن چکے تھے، ان کو مولانا واپس اعتدال، دلیل اور کشادہ دلی کی طرف لا رہے ہیں، مگر اس ٹھنڈے موقف میں ان کو خود مدارس کے نوجوان طلباء کی پوری تائید نہیں مل رہی۔ جب لبرل صاحبان ہر وقت "ملا" کو خواہ مخواہ نوکِ دشنام پہ رکھیں گے تو اعتدال پسند علماء کا کام مشکل تر ہوتا جائے گا۔ نوجوان خون ہر وقت کے بلاقصور طعنے تو باپ کے بھی برداشت نہیں کرتا۔ شاید لبرل صاحبان اپنے رویے سے ملک میں قصداً ایسی آگ لگانا چاہتے ہیں جس کی بناء پر وہ یورپ میں سیاسی پناہ کے ویزے لے سکیں۔

دیکھئے! صرف پنجاب میں رجسٹرڈ دیوبندی مدارس 13600 ہیں جن میں نوجوان طلباء کی کم از کم تعداد 3 لاکھ بنتی ہے۔ نوجوانوں کے اتنے بڑے طبقے کا خون کھولاتے رہنا شاید بہتر نتیجہ نہ دے سکے۔ آپ یہ نہ سمجھئے کہ مدارس بند کرنے سے یہ طبقہ ختم ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں شاید یہ نوجوان، الطاف بھیا کے ہاتھ چڑھ کر بوریاں بنانے لگیں۔ بس! کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔

مضمون ختم ہوا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

سیاسی حلقوں کے الزامات:

پہلا الزام: ''مولانا فضل الرحمٰن نے 17ویں ترمیم منظور کرائی''

اسمبلی برخاست کرنے کی آئینی ترمیم صدر ضیا الحق نے آئین میں گھسیڑی تھی جس کی رو سے، صدر مملکت کو اسمبلی توڑنے کا اختیار حاصل تھا۔ صاف ظاہر کہ اگر عوام کے منتخب نمائندوں کی اسمبلی کو ایک فرد واحد اپنی مرضی سے گھر واپس بھیج سکتا ہے تو اس میں اور مارشل لا میں کیا فرق ہے؟ یہ ترمیم جمہوریت کی روح کیخلاف تھی۔ 1997ء میں جب نواز شریف دو تہائی اکثریت سے وزیر اعظم بنے تو آناً فاناً صدر لغاری کو سوچنے سمجھنے کا موقع دیئے بغیر اسے آئین سے ختم کر دیا، گویا آئین کی اصل روح بحال کر دی۔

پھر یوں ہوا کہ 2002ء کے الیکشن میں ایم ایم اے نامی 6 دینی جماعتوں کے اتحاد کو فیصلہ کن اکثریت مل گئی اور انہوں نے پرویز مشرف سے وردی اتارنے کا مطالبہ شروع کر دیا۔ ان کا خیال تھا اور درست خیال تھا کہ سویلین پرویز مشرف تر نوالہ ثابت ہوگا (جیسا کہ بعد میں ہوا) اس بات کا ادراک پرویز مشرف کو بھی تھا۔ پس قاف لیگ کے ذریعے پنجاب اسمبلی سے قرارداد منظور کروالی کہ یونیفارم میں صدر قبول ہے۔ جب اپوزیشن کا پریشر بڑھ گیا تو اس نے وردی اتارنے کو سترہویں ترمیم کی منظوری سے مشروط کر دیا۔ ایم ایم اے نے اس شرط پہ یہ ڈیل منظور کر لی کہ صدر ٹی وی پر آکر قوم کے سامنے یہ وعدہ کریں، جو اس نے قبول کر لی۔ مگر جنرل پرویز مشرف یہ اختیار حاصل ہونے کے بعد قوم سے کیے گئے اپنے وعدے سے پھر گیا۔

اس پر پیپلز پارٹی اور نون لیگ نے ایم ایم اے کو غیر جمہوری شق منظور کرانے پر مطعون کرنا شروع کیا۔ صاف ظاہر ہے کہ اس فیصلے کی ذمہ داری پوری ایم ایم اے پر آتی ہے، نہ کہ صرف مولانا فضل الرحمٰن پر۔ مگر قاضی حسین احمد نے اپنی غلطی کی معافی مانگ کر گویا سارا ملبہ مولانا پہ ہی ڈال دیا۔ اس معافی کے موضوع پر خاکسار نے ایک مضمون لکھا تھا۔ پہلے آپ وہ پڑھ لیں پھر اگلی بات عرض کروں گا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUI.AnswersBack

کی میرے قتل کے بعد، اس نے جفا سے "سوری۔"

انگریزوں کی دیگر دلچسپ ایجادات و اختراعات کی طرح یہ لفظ "سوری" بھی ہے۔ گاڑی کی ٹکر مار کر کسی کا کباڑہ کر دیا، پھر ذرا سا شیشہ نیچے کر کے ہلکی سی ''سوری'' اچھال دی۔ اور اگر مضروب غریب ابھی ابھی تک ٹکر ٹکر دیکھ رہا ہے تو تیوری چڑھا کر بولے "سوری تو کہہ دیا ہے، اور کیا چاہتے ہو؟

فی الوقت خاکسار نے پاکستان کی کچھ مشہور سیاسی ''سوریوں'' کی خانہ بندی کی ہے، جو پیش خدمت ہیں

"تباہی "سوری......!!!

تحریک استقلال کے سربراہ ائیر مارشل اصغر خان اپنے زمانے میں بھٹو کے مقابل سب سے مقبول پڑھے لکھے لیڈر تھے۔(ہائے، یہ پڑھا لکھا ہونا) موصوف نے باقاعدہ اخبارات میں اشتہار دے کر فوج کو مارشل لاء لگانے کی دعوت دی اور پھر اس ملک کو''جنرل ضیاء'' لاحق ہوگیا۔گیارہ سال بعد جب پاکستان کی ایک پوری نسل ''زومبی'' بن چکی تھی تو جناب اصغر خان نے قوم سے مارشل لاء لگوانے پر "سوری " کیا۔

جنرل پرویز مشرف کے دس سالہ اقتدار میں پاکستانی یا تو مولی گاجر کی طرح کاٹے گئے یا کباڑ کی مانند بیچے گئے۔جنرل صاحب کے ریفرنڈم میں شانہ بشانہ شریک ان کی اسمبلی میں 5 سال کچھ کام کیے بغیر تنخواہ پانے والے تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے بھی ڈکٹیٹر کا ساتھ دینے پر قوم کو "سوری " کیا۔

آج کل اصغر خان صاحب نے اپنی ''تحریک استقلال'' کو ''تحریک انصاف'' میں مدغم کردیا ہوا ہے۔

''نشہ بڑھتا ہے، شرابیں جو شرابوں میں ملیں''۔یادش بخیر! طاہر القادری کی پاکستان عوامی تحریک اور متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) بھی جنرل صاحب کی خوشہ چین رہی تھیں۔

برسبیل تذکرہ، پاکستان میں درجنوں سیاسی اور مذہبی جماعتیں ہیں مگر ایک نشانی یاد رکھئے! ہر وہ سیاسی پارٹی جس کے نام میں " تحریک " کا لفظ ہو، وہ کسی "اور " کی تحریک پہ بنی ہوگی۔اسی طرح، ہر وہ مذہبی جماعت جس کے نام میں لشکر وغیرہ ہو، وہ ضرور کوئی "لشکر زادی " ہی ہوگی۔چاہے وہ لشکر طیبہ ہو یا لشکر جھنگوی، جیش محمد ہو یا سنی فورس وغیرہ

"ایڈوانس "سوری

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

سوری کی یہ عجیب قسم، محترم الطاف بھائی کی ایجاد کردہ ہے۔ویسے تو وہ اپنی "رات گئے " کی ہر تقریر کے بعد، اگلے دن معافی مانگا کرتے تھے۔لیکن یہ ایڈوانس سوری والا بیان کچھ یوں تھا، فرمایا"میرے پاس ثبوت نہیں ہیں، لیکن پکی خبر ہے کہ اسفندیار ولی نے انڈیا سے 23 لاکھ ڈالر لئے ہیں۔اگر اسفندیار ولی یہ مان لیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں معذرت کرلوں گا۔"

" گومگو"سوری

یہ معافی ایم ایم اے دور کی ہے، جس میں متحدہ مجلس عمل نے جنرل پرویز مشرف کو 17ویں ترمیم کا اختیار دیا۔ 17ویں ترمیم کے تحت، صدر کو اسمبلی برطرف کرنے کا اختیار تھا۔اس زمانے میں اپوزیشن

پارٹیوں کا ایک ہی نعرہ تھا کہ صدر "وردی "اتارے (کیونکہ ان کے خیال میں سویلین صدر کو قابو کرنا آسان تھا) پرویز مشرف بھی بچہ نہیں تھا، اس لئے وردی کو اپنی کھال قرار دیتا تھا۔ مولویوں نے اپنے تئیں چال چلی کہ وردی اتاردو، بھلے اسمبلی توڑنے کا اختیار لے لو۔ اسی ڈیل کے تحت اس نے پہلے ٹی وی پر آ کر بیان دیا کہ 31 دسمبر کو وردی اتار دوں گا۔ ایم ایم نے جونہی 17ویں ترمیم منظور کرلی، کمانڈو اپنے وعدے سے پھر گیا۔ خیر! اس پر ایم ایم اے نے " گومگو" والی سوری کی ۔ یعنی ایک لیڈر قاضی حسین احمد نے 17ویں ترمیم منظور کرانے پر، قوم سے معافی مانگ لی جبکہ دوسرے لیڈر مولانا فضل الرحمن نے صاف انکار کردیا"۔ کس چیز کی معافی......؟ دھوکہ دینا جرم ہے، دھوکہ کھانا تو جرم نہیں۔ ایک آدمی 20 کروڑ عوام کے سامنے وعدہ کر کے پھر گیا تو وہ معافی مانگے، ہم کیوں معافی مانگیں؟

"ڈھیٹ "سوری

یہ کریڈٹ عمران خان کو جاتا ہے کہ اس نے اپنی پارٹی میں الیکشن کرائے، جس میں دھاندلی ہوئی۔ خان نے اس پر جسٹس وجیہہ الدین کی سربراہی میں کمیشن بنایا جس نے چندلوگوں کو نام لے کر ووٹ خریدنے اور دھاندلی کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ ان میں علیم خان، جہانگیر ترین وغیرہ کے نام تھے ۔ اس پر خان نے کارکنوں سے معافی مانگی اور وعدہ کیا آیندہ ایسے نہیں ہوگا۔ ساری منتخب کمیٹیاں ختم کر دیں اور پھر--- ایک کور کمیٹی بنا کر--- اس میں انہی نامزد مجرموں کو پارٹی کا کرتا دھرتا بنا کر، خود جسٹس وجیہہ صاحب کی ہی رکنیت معطل فرمادی۔ یہ شاید، "سوری " کرنے کی سب سے ڈھیٹ قسم ہے۔

"قومی "سوری

ہمارے "پروفوجی دانشور" دوردور کی کوڑیاں لاکر ہمیں سمجھا رہے تھے کہ بنگلہ دیش تحریک کے دوران، پاک فوج سے منسوب مظالم "را" کی پھیلائی جھوٹی داستانیں ہیں۔ مگر ہوا یہ کہ صدر پرویز مشرف نے ڈھاکہ جاکر ان مظالم پر "قومی" معافی مانگ لی اور "جنگ آزادی کے شہداء " کی یادگار پر پھول بھی چڑھا آئے۔ بنگالیوں نے ہماری اس "قومی سوری " کو اقرار جرم کی دستاویز بنا کر جماعت اسلامی کے کئی لیڈروں کو پھانسی چڑھا دیا۔ اس طرح پرویز مشرف فخر سے یہ کریڈٹ لے سکتا ہے، وہ صرف نئے پاکستانیوں کے ہی نہیں، پرانے پاکستانیوں کے خون میں بھی شریک ہے۔

"سوری "تیرے کتنے روپ:

عمران خان صاحب نے "سوری " کو کئی روپ عطا فرمائے، مثلاً عدالت نے لفظ "شرمناک" پر

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

معافی مانگنے کو کہا تو فرمایا "شرمناک کا معنی شرمندہ تھا"۔ نجم سیٹھی کو سال بھر چور کہا، پھر سوری کرنے کی بجائے اسے "سیاسی بیان " قرار دیا۔ صحافی کو جھڑکنے پر معذرت کرنا پڑی تو اسے ''مینٹش'' قرار دیا۔ میانوالی کے لوگوں کو زمین دینے کی دھمکی پر پچھتانا پڑا تو فرمایا "یہ تو مذاق تھا " یہ لسٹ بڑی لمبی ہے لیکن جو شخص، انگلی اٹھنے کے بیان کی وضاحت میں، "اللہ " کو "ایمپائر " قرار دے سکتا ہو، اس کی سوری فوراقبول کرنا چاہئے۔

"فوجی" سوری

امریکیوں نے سلالہ چیک پوسٹ پر ڈرون حملہ کر کے، ہمارے درجنوں فوجی جوان مار دیے۔اس پر آرمی چیف نے فورا "نیٹو سپلائی بند کر دی اور امریکہ سے معافی مانگنے کا مطالبہ کیا(فوج کے ساتھ کوئی بھی ایسا حادثہ، جس کو "لائٹ " لینے پر، عام فوج میں تشویش پھیلے، اس پر جرنیل صاحبان فورا ایکشن لیتے ہیں کیونکہ عام فوجی کو مطمئن رکھنا بہت ضروری ہے، باقی آپ سمجھدار ہیں۔

امریکیوں نے معافی تو نہ مانگی البتہ کچھ مہینے ڈرامے کرنے کے اجازت دینے کے بعد، سختی سے سپلائی بحال کرنے کو کہا۔ اب جرنیل صاحبان نے پارلیمنٹ سے کہا کہ آپ سپلائی کھولنے کی اجازت دیں (تا کہ بے غیرتی کی یہ کالک سیاسی لیڈروں کے سر منڈھی جاسکے) مگر مولانا فضل الرحمٰن نے یہ کہہ کر رنگ میں بھنگ ڈال دیا کہ ''جب پارلیمنٹ سے سپلائی روکتے وقت نہیں پوچھا گیا تو کھولتے وقت کیوں پوچھا جائے؟'' یوں تو ان دنوں بھی مولانا پر خودکش حملہ ہوا لیکن پھر بھی یہ قرارداد ایجنڈے پر نہ آسکی۔

خیر! ایک دن میڈیا نے یہ خوشخبری سنائی کہ امریکہ نے "سوری " کہہ دیا ہے اور اسکے ساتھ ہی نیٹو سپلائی بحال ہوگئی۔ طرفہ تماشا یہ ہوا کہ ہفتے بعد، ہیلری کلنٹن کا بیان آیا کہ ہم نے کوئی معافی نہیں مانگی، ہم نے صرف پاکستانی فوجیوں کی اموات پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ ہور چوپو

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

قارئین! ''سوریاں'' تو بہت ساری ہیں لیکن ایک صفحہ پر ساریاں سوریاں نہیں سمیٹی جاسکتیں لہٰذا ''سوری''۔ مضمون ختم ہوا۔

اب بات یہ ہے کہ پیپلز پارٹی اور نون لیگ، مشرف سے پہلے دو دو بار اقتدار میں آئے۔ اگر صدر کا اسمبلی توڑنے کا اختیار غیر جمہوری تھا (اور واقعی غیر جمہوری تھا) تو اس شق کو ان دونوں نے اپنے ادوار میں کیوں ختم نہ کرایا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں بڑی جماعتیں اسی ترمیم کی آڑ میں صدر کے ساتھ ساز باز کر کے ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچا کرتی تھیں۔ یعنی ان کا دردِ دل، جمہوریت کیلئے ہرگز نہیں تھا۔

یہ کریڈٹ پیپلز پارٹی کو جاتا ہے کہ پہلی بار جب نواز شریف نے اس شق کو ختم کرنے کی سنجیدہ کوشش کی تو بے نظیر بھٹو نے اپوزیشن لیڈر ہونے کے باوجود اس کا ساتھ دیا اور دوسری بار، صدر زرداری کی عظمت ہے کہ از خود، آپ نے اس اختیار کو ختم کر دیا، ورنہ کسی نے مطالبہ تک نہیں کیا تھا۔ غور کیجئے، آج کے دور میں کون اپنے اختیارات سے دست بردار ہونا پسند کرتا ہے؟

دوسرا الزام: ''مولانا نے امریکی سفیر سے وزیر اعظم بنانے کی درخواست کی''

یہ الزام وکی لیکس میں آیا تھا اور ہم سرے سے "لیکس" کو مانتے ہی نہیں۔ دیکھئے، انگریزی کے دو لفظ ہیں۔ ایک "لیکس" اور دوسرا "پروفس"۔ لیکس کہتے ہیں کہ بے سند خبر کو جو سرگوشیوں میں چلے مثلاً فلاں دفتر سے یہ خبر نکلی ہے۔ نہ تو اس خبر کا کوئی سورس ہوتا ہے، نہ اس کا ثبوت اور نہ بعد میں کوئی ذمہ داری لیتا ہے۔ جیسے عمران خان نے خبر "لیک" کی تھی کہ اس کے پاس نجم سیٹھی کی آڈیو ٹیپ موجود ہے۔ چار ماہ تک نوجوانوں کا خون کھولانے کے بعد جب جوڈیشل کمیشن نے "پروف" مانگا تو فرمایا کہ یہ تو میں نے نعیم الحق سے سنا تھا اور اس نے فلاں فلاں سے اور آخر میں یہ کہ فقط سیاسی بیان تھا۔

بہر حال وکی لیکس کی اس "لیک" کے بارے بھی ایک مضمون آپ کی نذر...... ملاحظہ فرمائیے!

وکی لیکس اور ہاتف غیبی

ہمارے اہل تشیع دوستوں اور تبلیغی بھائیوں میں ایک چیز مشترک ہے، وہ ہے ہاتف غیبی۔

ہمارے دوست جب میدانِ کربلا کا سماں باندھتے ہیں تو ہر مکالمہ "آواز آئی" سے شروع ہوتا ہے۔ کس کی آواز؟ کوئی پتہ نہیں۔ اصحاب تبلیغ کا بیان اکثر اس ترکیب کے گرد گھومتا ہے کہ "فرمایا" کس نے فرمایا؟ یہ سامع کے ذوق پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

امریکی دوستوں نے، مسلم معاشروں کو متزلزل کرنے کیلئے اسی طرح "وکی لیکس" نام کا شوشہ چھوڑا تھا جو طلسمی آوازوں کا جنگل تھا۔ اگرچہ یہ نوٹنکی مارکیٹ نہ ہو سکی، مگر ہمارے "دیسی بھائی" بہر حال مغربی میڈیا کو وحی کا درجہ دیتے ہیں۔

ہوا یوں کہ پچھلے دنوں ہمارے ایک انقلابی دوست تمتماتے چہرے کے ساتھ وارد ہوئے کہ میں آپ کے لیڈر کے خلاف انٹرنیشنل حوالہ لایا ہوں۔ انہوں نے وکی لیکس کے حوالے سے "انکشاف" کیا کہ مولانا فضل الرحمٰن نے امریکی سفیر سے کہا تھا کہ انہیں وزیر اعظم بنا دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی حسب فطرت گالی گلوچ کا تڑکہ بھی لگایا۔ میں نے عرض کیا: بھائی! ان جناتی بے سروپا حوالوں کی بجائے کوئی ایسا

حوالہ دیا کرو جسے کسی معقول محفل میں کم از کم سنجیدہ تو لیا جا سکے۔

میں نے عرض کیا "بھائی! میں دیسی آدمی ہوں، میرے ساتھ دیسی مناظرہ کرو۔ مجھے انٹرنیشنل حوالوں، تمغوں اور مناصب سے مرعوب مت کرو، صدر اوباما کا نوبل انعام اور شرمین عبید آسکر ایوارڈ میری جوتی پر، میں یہاں گھر کی گواہی دوں گا، آپ بھی مجھے گھر کی گواہی لا دو۔ یہیں ظرف پیمائی کا میدان سجا لیتے ہیں۔

میں نے عرض کیا " کوئی تحریری گواہی لاؤ، سوشل میڈیا کی جعلی رپورٹیں نہیں کہ یہ ہر لونڈا لپاڑہ بنا سکتا ہے۔ مجھے عالمی اداروں کی لیکس تو کیا خبروں کا رعب بھی مت دو کہ مجھے پتہ ہے انٹرنیشنل جرنلزم میں کس طرح پیپرز شائع کروا کر، پی ایچ ڈی کی ڈگری لی جاتی ہے۔ مجھے تو پاکستان کے لوکل قلمکاروں کی تحریر دکھا، جن کو میں گردن سے پکڑ سکوں۔ مگر اخباری کالم یا ہفتہ واری جرائد نہیں کہ یہ وقتی چیزیں ہیں۔ مجھے کتاب کا حوالہ دو کہ کتاب کی گواہی زندہ رہتی ہے۔

میں نے کہا " کتاب لا، مگر بے نام ونسب مصنف کی نہ ہو یا کسی بوٹ پالشی افسانہ نگار کی فاتح جیسی نہ ہو۔ ایسی کتاب لاؤ جس کا مصنف خاندانی ہو، قلم کو " پیشہ " نہ بنایا ہو۔ جمہوری تحریکوں کا گواہ ہی نہیں بلکہ خود اس میں حصہ لے چکا ہو۔ حکومتی اعلی مناصب پہ فائز رہ چکا ہو اور مولانا فضل الرحمٰن کی پارٹی سے کوئی تعلق نہ ہو کہ اسے غیر جانبدار گواہی کہیں گے"

میں نے مزید کہا " کتاب میں جس واقعہ کا حوالہ ہو، اس کے سارے کردار زندہ ہوں، جن سے توثیق کرائی جا سکتی ہو۔ میں آپ کو وکی لیکس کا نہیں بلکہ ایک ایسی ہی کتاب کا حوالہ دیتا ہوں۔ ایسی کتاب جو پاکستان میں چھپی ہے، عام دستیاب ہے۔"

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

پھڑک گئے "۔ کونسی کتاب ہے؟ مصنف کون ہے؟

میں نے ان کو کتاب پیش کی "تحریک بحالی جمہوریت" جس کے مصنف جسٹس سید افضل حیدر ہیں، جو وفاقی وزیر قانون رہے ہیں اور جمہوریت کی خاطر ان کی 50 سالہ جدوجہد ریکارڈ پر ہے۔ ان کے بیان کردہ واقعہ کا دوسرا کردار، پاکستان کی خفیہ ایجنسی کے مالی امور کا نگران جرنیل ہے اور کتاب پہ دیباچہ لکھ کر تصدیق کرنے والی محترمہ عاصمہ جہانگیر جیسی سیکولر مگر عالمی شہرت یافتہ ہیومنسٹ ہیں۔ مزے کی بات یہ کہ کتاب بھی موجود اور تینوں کردار بھی زندہ ہیں۔

اس کو کہتے ہیں "ریفرنس" دینا

جسٹس سید افضل حیدر، کتاب کے صفحہ 77 پر لکھتے ہیں کہ: آئی ایس آئی کے مالی امور کے نگران، جنرل نصرت سے ایک بار میں نے پوچھا کہ پاکستان میں کوئی ایسا سیاستدان بھی ہے جس نے ایجنسیوں

سے رقم نہ لی ہو۔ جنرل صاحب نے کہا کہ صرف ایک، وہ ہے مولانا فضل الرحمٰن۔

میں نے کہا: میرے عزیز! اس کو کہتے ہیں ریفرنس دینا۔ حوالے وکی لیکس کے نہیں چلتے۔ زندہ، سنجیدہ اور ذمہ دار گواہوں کے چلتے ہیں۔ اور یہ کتاب 2007ء میں لکھی گئی۔ اب اس وقت موجود سیاسی پارٹیوں کے رہنماؤں کو جنرل صاحب سے پوچھنا چاہئے کہ صرف ایک کا نام کیوں لیا؟ کیا باقی بکاؤ مال تھے؟

موصوف ٹک ٹک دیکھنے لگے: ''کیا آپ کے خیال میں امریکی سفیر نے جھوٹ بولا ہے؟''

عرض کیا: ''میرے عزیز! پہلے تو یہ پتہ نہیں کہ اس نے بولا بھی ہے یا نہیں؟ کیوں کہ وہ ابھی زندہ ہے، اس سے تو کسی نے جا کر تصدیق کی نہیں۔ لیکن بھائی! امریکی انکشافات تو حکومتی سطح پہ ہوں، ہم تب بھی نہیں مانتے۔ چلو وکی لیکس میں تو جھوٹی سچی کسی دستاویز کا عکس پیش ہوا ہوگا۔

مگر طرفہ تماشا یہ ہے کہ اسامہ بن لادن کو پولیو کے قطروں سے ٹریس کرنے کا دعوے دار امریکہ، ہمیں بتاتا ہے کہ طالبان کے "ترجمان" نے، کسی ''گمنام مقام'' سے فون پر، خودکش دھماکہ کی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔

کون طالبان؟ کون ترجمان؟ کہاں گئی موبائل سم کی لوکیشن ٹریسنگ؟

بس وہی ''آواز آئی'' اور ''فرمایا'' والا ناٹک اور اس کے ساتھ ہی ہماری نام نہاد تعلیم یافتہ اشرافیہ کی لغویات شروع۔

میں نے مزید کہا: ''مولانا کی وزیراعظم والی بات کو آپ نے دل پہ لے لیا ورنہ یہ بات تو مولانا ڈیرہ کے بھرے جلسے میں کہہ چکا ہے کہ مغرب علماء سے خواہ مخواہ خوفزدہ ہو کر، اپنے گماشتوں کے ذریعے ہمارا راستہ روکتا ہے۔ ہم امریکہ سے کہتے ہیں کہ ہمارا راستہ مت روکو، ایک بار ہم کو بھی آزما کر دیکھو، ہم دنیا کو زیادہ پرامن بنا ئیں کر دکھائیں گے''

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

اپنے شہر کے لوگوں کے اعتراضات:

پہلا الزام...... کہ مولانا نے شہر کیلئے کچھ نہیں کیا:

ڈیرہ اسماعیل خان کے لوگوں کو اس پہ اعتراض ہے کہ مولانا نے ڈیرہ شہر کے لئے کچھ کام نہیں کیا۔ ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ آج کل کی پڑھی لکھی نسل کو پتہ ہی نہیں کہ ممبر قومی اسمبلی، قانون سازی یا میگا پرجیکٹس کے لئے صوبائی اسمبلی کا رکن صوبائی بجٹ میں اپنے حلقے کی ترقی (کالج، سکول، گراونڈ، واٹر سکیم) کے لئے اور بلدیاتی نمائندہ، شہر کی گلیوں، سڑکوں کے لئے منتخب کیا جاتا ہے۔

کم از کم ڈیرہ کے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سرکلر روڈ پہ گرد وغبار کا ذمہ دار بھی مولانا فضل الرحمٰن ہے۔
پرانے زمانے کے لوگ یہ خوب سمجھتے تھے کہ جہاں اپنے علاقے کے ترقی چاہئی ہے، وہاں قومی سطح پر نظریاتی جدوجہد میں بھی حصہ ڈالنا ہے۔ پس مفتی محمود صاحبؒ کے دور میں یہ عام نعرہ تھا کہ'' بڑا ووٹ جمعیت دا، چھوٹا ووٹ طبیعت دا''، یعنی قومی اسمبلی کا ووٹ علماء کیلئے اور صوبائی کا ووٹ اپنی مرضی سے دینا ہے۔ میں اس معاملے میں بنوں کے لوگوں کو داد دوں گا کہ ہر دور اور ہر زمانے میں انہوں نے جمعیت علماء کو ہی ووٹ دیا۔ اس نظریاتی مستقل مزاجی میں اپنے شہر کی ترقی کو آڑے نہیں آنے دیا۔ چنانچہ جب جمعیت علماء کو حکومت کرنے کا موقع ملا تو انہوں نے اہلیان بنوں کے سارے پرانے قرض اتار دیئے۔

واپس ڈیرہ کی طرف آتے ہیں۔ جب آپ رکن قومی اسمبلی کے دائرہ کار کو سمجھ لیں تو پھر جاننا چاہئے کہ مولانا فضل الرحمٰن کی سیاسی زندگی کا پہلا الیکشن 1985 میں ہوا تھا جس کا ایم آر ڈی کے فیصلے کے تحت بائیکاٹ کیا گیا تھا۔ اس زمانے میں ڈیرہ اسماعیل خان سے پیر صابر شاہ ممبر قومی اسمبلی منتخب ہوا تھا جو تین سال رہا۔ 1988ء میں صرف 20 ماہ کیلئے مولانا ممبر رہا اور 1990 تا 1993 لٹی خان (فضل کریم کنڈی) جو کہ فیصل کریم کنڈی کا والد ہے، ایم این اے رہا۔ 1993-تا 1996ء پھر مولانا رکن اسمبلی رہا تو 1997 تا 1999 عمر خان میانخیل منتخب ہوا۔ 2002-تا 2007ء پھر مولانا رکن قومی سمبلی رہا تو 2008 تا 2013، ڈیرہ سے ممبر قومی اسمبلی فیصل کریم کنڈی تھا جو ڈپٹی سپیکر بھی تھا۔ 2013ء سے تا حال مولانا فضل الرحمٰن ایم این اے ہیں۔ پس 1985 تا 2016ء 31 سالہ دورانیہ میں مولانا فضل الرحمٰن کل 11 سال ایم این اے رہے، جبکہ دیگر حضرات باقی 20 سال رکن قومی اسمبلی رہے۔ سوال اور موازنہ تو سب سے ہونا چاہئے تھا کہ انہوں نے ڈیرہ شہر کو کیا ترقی دی؟

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

البتہ میں اس سے اتفاق کرتا ہوں کہ مولانا کی سیاسی حیثیت کا باقی صاحبان سے کوئی تقابل ہی نہیں اور مولانا سے اہل ڈیرہ کو بجا طور پر زیادہ توقع رکھنی چاہیے، اس کے باوجود اگر ڈیرہ شہر پسماندہ ہے تو کیوں؟ اس پہ میری ذیل کی تحریر ملاحظہ فرمائیے:

بڑے لیڈروں کے چھوٹے شہر

ایک بڑی حیران کن سی بات ہے کہ پاکستان میں قومی سطح کے لیڈروں کے اپنے حلقہ انتخاب عموماً پسماندہ ہوتے ہیں۔ بھٹو کا لاڑکانہ ہو یا ولی خان کا چارسدہ، صدر لغاری کا ڈیرہ غازی خان ہو یا نوابزادہ نصر اللہ کا مظفر گڑھ، مولانا فضل الرحمٰن کا ڈیرہ اسماعیل خان ہو یا عمران خان کا میانوالی وغیرہ۔

اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں، اگرچہ ان لیڈران کو عام ایم این اے سے بھی کچھ زیادہ ہی فنڈ ملا کرتے ہیں لیکن میرا خیال ہے ایک تو قومی لیڈرز، پورے ملک پہ پھیلی مصروفیات کی وجہ سے ایک شہر پہ کماحقہ توجہ نہیں دے سکتے۔ دوسرے، ان کے عوام کو بھی کچھ زیادہ ہی توقعات ہوتی ہیں۔

آج سے 7 سال قبل میری میانوالی اندرون شہر تشکیل ہوئی، تو شہر کی حالت ڈیرہ اسماعیل خان سے بھی بدتر تھی۔ حالانکہ پنجاب کے اکثر شہر موزوں حالت میں ہوتے ہیں اور پھر یہ بھی کہ فضائیہ کا ایک بیس بھی وہاں ہے۔لوگوں سے پتہ کیا کہ پانچ سال عمران خان یہاں کا ایم این اے رہا تو کیا کام کیا؟ معلوم ہوا کہ اس عرصہ میں صرف 70 کلومیٹر وہ روڈ بنائی جو اس کے نمل کالج تک جاتی ہے۔میانوالی کے کوئی دوست اگر بتا سکیں کہ عمران خان نے پانچ سال میں میانوالی کے لئے کیا کارنامہ انجام دیا تو ممنون ہوں گا۔اس لئے 2011ء میں جب اکثر دوست کہتے تھے کہ آزمائے ہوؤں کی بجائے عمران خان کو ایک چانس دینا چاہئے تو میں عرض کرتا تھا کہ وہ بھی تو آزمایا ہوا ہی ہے۔

خیر، ہمارا شہر ڈیرہ اسماعیل خان بھی پسماندہ ہے جس پر انصافی دوست مولانا فضل الرحمٰن کو کوسنے دیا کرتے ہیں۔جب عرض کریں کہ اسی شہر سے 1985 سے لیکر اب تک، بطور ایم این اے مولانا کے کل 11 سال اور دوسروں کے 20 سال بنتے ہیں اور مولانا کے علاوہ بھی تو چار ایم این اے رہے ہیں جن میں ایک ڈپٹی سپیکر بھی تھا۔تو جواب ہوتا ہے کہ مولانا تو قومی لیڈر ہے، آپ صرف اس کی بات کریں۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

عرض کیا: آپ تو فرماتے ہیں، لیڈر کا کام سڑکیں نالیاں بنانا نہیں، بلکہ صحت و تعلیم پہ توجہ دینا ہے۔

کہنے لگا: تو صحت و تعلیم میں مولانا نے ڈیرہ کے لئے کیا کر دیا؟

عرض کیا: لسٹ طویل ہو جائے گی، تعلیم کی بات ہو تو آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ آپ کو گومل یونیورسٹی اس لئے ملی کہ جمعیت علماء کے سپیکر سرحد اسمبلی نواب اللہ نواز سدوزئی نے ذاتی زمین کا عطیہ تھا۔اور یہ بھی مولانا فضل الرحمٰن کا دم ہے کہ یہ یونیورسٹی مالی بحران کا شکار ہونے سے بچی رہی ہے۔آپ کو مزید ایک بوائز اور گرلز ڈگری کالج عطا کیا۔مزدور طبقات کیلئے خصوصی ورکنگ فوکس سکول دیا۔معیاری تعلیم کیلئے صوبائی حکومت نے مفتی محمود پبلک سکول بنایا۔صحت کی بات کریں تو آپ کو 300 بستروں کا مفتی محمود ٹیچنگ ہسپتال دیا۔مفتی محمود ٹرسٹ آء ہسپتال کیلئے زمین دلوائی وغیرہ۔

کہنے لگے، نام تو مفتی محمود کا ہے نا؟

عرض کیا کہ: یوں کہیں نا کہ آپ کا اصل درد، ڈیرہ یا اس کی ترقی نہیں، بلکہ کچھ اور ہے۔

دوسرا الزام: ''مولانا، صرف اپنے خاندان کو آگے لا رہا ہے:''

مولانا عبدالغفور حیدری جیسے چٹائی نشین ڈپٹی چیئرمین سینیٹ بنائے گئے یا اکرم درانی جیسے خوانین، وزیر اعلیٰ بنائے گئے، یہ اور اس جیسے دیگر کئی لوگوں کا مولانا کے خاندان سے کوئی رشتہ ہی نہیں، تاہم ڈیرہ اسماعیل خان کی حد تک مولانا کے خاندان کی پروجیکشن پہ مجھے بھی کچھ تشویش ہے اور اس کا تفصیلی اظہار، میں نے کتاب کے آخر میں ''مولانا فضل الرحمٰن سے دوسری اعلانیہ مخالفت'' کے تحت کیا ہے۔

دینی حلقوں کا مولانا پر اعتراض:

''مولانا فضل الرحمٰن نے اسلام کیلئے کیا کیا؟''

"پاکستانی عوام کی اکثریت اسلامی نظام چاہتی ہے، آپ کہتے ہیں مولانا فضل الرحمٰن سب سے دانا لیڈر ہے، 60 سال ہوگئے ہیں، وہ ہر حکومت کا حصہ رہا ہے۔ آخر وہ اسلامی نظام کیوں نہیں لا سکا؟''

یہ ہے وہ سوال جو بعض سنجیدہ دینی دوست اٹھاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمارا جواب سنجیدگی سے نہیں سنا جاتا کیونکہ ہر ایک اپنی مرضی کا جواب سننا چاہتا ہے۔ بہر حال، اس پر میرا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

مذکورہ بالا سوال میں تین غلط بیانیاں ہیں، پہلی یہ کہ عوام کی اکثریت نہیں بلکہ وہ چھوٹی اقلیت اسلامی نظام کا نفاذ چاہتی ہے جو دینی جماعتوں کی جدوجہد میں شریک ہے اور ان میں بھی ان کا اپنا اپنا ورژن اور طریق کار ہے۔ پس مولانا کی جماعت شاید کل عوام کا 2 فیصد بھی نہیں، لیکن ایک جمہوری معاشرے میں کسی بھی اقلیت کو اپنے حقوق کی جمہوری جدوجہد سے منع نہیں کیا جا سکتا اور یوں مولانا اپنے دو فیصد حمایتیوں کے ساتھ 98 فیصد مخالفین کا مقابلہ کر رہا ہے۔ یہ بھی غلط بیانی ہے کہ وہ 60 سال سے میدان میں ہے اور یہ کہ ہر حکومت کا حصہ رہا ہے۔

اب آپ کے سوال کے جواب کی طرف آتے ہیں، اس سوال کے جواب میں پہلے کچھ الزامی سوالات سن لیں کہ یہ طریقہ، اصل ایشو کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

دیکھئے! جمعیت علما اسلام ایک دینی جماعت ہے، جو غلبہ اسلام چاہتی ہے۔ پھر یہ ایک دینی سیاسی جماعت ہے، پھر یہ پارلیمانی سیاست کی جماعت ہے اور پھر یہ اسلامی قانون سازی کے لئے فورم ہے اور پھر یہ حکومتی انتظام چلانے کا متبادل ادارہ ہے۔

ان پانچوں حیثیتوں میں، اس کا تقابل پاکستان کے معروضی حالات کی روشنی میں، اس کے ہم پیشہ اداروں سے کرنا ہوگا۔

1: پاکستان میں خالص دین کیلئے کئی جماعتیں کام کر رہی ہیں، عوام کا مزاج بدلنے کئی ادارے ہیں، دینی مدارس ابھی تک معاشرہ نہیں بدل سکتے تو کیا ان کو بند کر دیں؟ تبلیغی جماعت زیادہ معروف ہے، 60 سال میں انہوں نے کیا کر لیا؟ وہ اگر ابھی تک معاشرہ تبدیل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تو کیا اس جماعت کو بند کر دیا جائے؟ وہ اپنی کامیابی میں کہتے ہیں کہ تبلیغی جماعت، ایلیٹ کلاس کے لوگوں تک پہنچ گئی۔ اسی طرح جمعیت بھی تو ڈپٹی چیئرمین سینیٹ تک پہنچ گئی۔ صوبائی حکومتیں چلانے تک پہنچ گئی، اشارہ کافی است۔

2: جمعیت ایک دینی سیاسی جماعت ہے، بھلا اور کونسی دینی جماعت ہے جو اپنے اہداف میں کامیاب ہوگئی ہے؟ دوسروں سے تو جمعیت بہرحال زیادہ کامیاب ہے۔ 1970ء میں یہ حال تھا کہ جمعیت اور نورانی میاں کی سات، سات جبکہ جماعت اسلامی کی چار سیٹیں تھیں۔ آج نورانی گروپ کا نام نہیں اور جماعت اسلامی اپنی بقاء کی آخری جنگ لڑ رہی ہے جبکہ مولانا کی جماعت ہر حکومت کیلئے ناگزیر ہو چکی ہے۔ کتنے غیر اسلامی قوانین، تن تنہا مولانا کی جماعت نے واپس کروائے ہیں کہ مولانا کو ناراض کرنے کا کسی کو یارا نہیں، ورنہ عددی طور پر جمعیت کے ممبران کم ہوتے ہیں، عقلمند را اشارہ کافی است۔

3: جمعیت کھلی پارلیمانی سیاست کی جماعت ہے، نہ کبھی چور دروازے سے اقتدار میں آ کر اہل اسلام کو بدنام کیا، نہ ہی آبپارہ کے اشارے سے دفاع پاکستان کونسل تشکیل دی۔ نہ انگلی اور ایمپائر کے سہارے انقلاب کی تمنا کی، نہ بندوق اور دھمکی سے بات منوانے کی کوشش کی۔ تاریخ بتائے گی کہ ایسا رویہ بذات خود اہل اسلام اور اسلام کی عزت کا سبب ہے، اشارہ کافی است۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

4: جمعیت قانون سازی کا فورم بھی ہے۔ دیکھئے! ایک تو 1973 کا متفقہ آئین ہے، جس کے بنانے میں جمعیت علماء شریک رہی ہے، مگر یہ قرآن نہیں ہے، اس میں کمی بیشی کی خاطر سیاسی جماعتوں کے قانون ساز دماغوں کا کام کرنا چاہئے۔ لوگ کہتے ہیں، نظام میں سقم ہے۔ ٹھیک ہے مگر کس سیاسی جماعت نے اس سقم کو دور کرنے متبادل قانون سازی تیار کر کے اسمبلی میں پیش کی ہے؟ صرف جمعیت علماء ہے۔ جس نے حسبہ بل بطور متبادل قانون تیار کیا اور پھر پختونخواہ اسمبلی سے منظور کرایا اور صدر کی ٹیبل پر آن ہولڈ رکھا ہے، کسی اور جماعت نے کچھ تحریری ہوم ورک کیا ہے یا صرف نعرے ہیں؟

5: جمعیت کسی بھی دیگر سیاسی جماعت کی طرح حکومت چلانے کا متبادل ادارہ ہے، اس کو اس چیز کا تجربہ ہونا چاہئے۔ اس نے دوبار صوبائی حکومت چلائی ہے۔ عوام کی امنگوں کے بالکل مطابق نہیں چلا سکی مگر اس پہ کرپشن کا الزام نہیں لگا۔ جیسے یہ سیاسی جماعت ایک ادارے کے طور پر پوری طرح کامیاب نہ

ہوسکی ویسے ہی کئی دیگر ادارے بھی کامیاب نہیں ہیں۔ فوج بھی ایک ادارہ ہے۔ بقول اصغر خان، چاروں جنگیں ہاری ہیں، ملک دو ٹکڑے کیا اور 90 ہزار گرفتار ہوئے، تو اس ادارے کو بند کریں کیا؟ آپ کی یونیورسٹیوں سے آج تک نکلے کا سائنسدان پیدا نہیں ہوا تو ان کو بند کردیں کیا؟ بلکہ سارے ملکی ادارے ابھی تک ناکام ہیں، ان کو بند کردیں کیا؟ جمعیت نے آپ کو ایک قومی ادارہ دیا ہے، جس کا نام ہے اسلامی نظریاتی کونسل۔ وہ تو بہر حال اپنا کام بھرپور کررہا ہے، عقلمند را اشارہ کافی است۔

بات یہ ہے کہ ہمارے اکثر دیندار احباب کو جمعیت علماء اسلام بنانے کی غرض وغایت اور اس کے کام کی نوعیت کو پتہ نہیں ہے ورنہ ان کو خود ہی پتہ چل جاتا کہ مولانا نے اب تک دین کیلئے کیا کیا ہے؟ جمعیت علماء اسلام کی حیثیت باقی دینی تحریکوں میں ایسے ہے، جیسے فٹ بال کی ٹیم میں گول کیپر ہوتا ہے۔

ٹیم کے ہر کھلاڑی کا خاص رول ہوتا ہے، سنٹر فارورڈ پہ کھیلنے والے سے سوال پوچھا جاتا ہے کہ آپ نے کتنے گول کیے ہیں؟ جبکہ گول کیپر سے سوال کیا جاتا ہے کہ آپ نے کتنے گول بچائے ہیں؟ اگر آپ کو اس نقطے کی سمجھ آگئی ہے تو جمعیت علماء کی خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں جن پہ آگے بات ہوگی۔

اکثر دینی لوگوں پر ابھی تک انفرادی اور اجتماعی محنت کا دائرہ کار واضح نہیں۔ دیکھئے! دو باتیں ہیں: پہلی بات یہ کہ اعمالکم عمالکم "یعنی جیسے تمہارے اعمال ہوں گے، ویسے حکمران ہوں گے" اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے لوگوں کی تربیت ضروری ہے۔ دوسری بات یہ کہ الناس علی دین ملوکھم "یعنی لوگ اپنے حکمرانوں کو فالو کیا کرتے ہیں" اس سے معلوم ہوا کہ حکومت میں دیندار لوگ ہونا ضروری ہیں۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

اب یوں ہے کہ فرد کی اصلاح نہایت اہم امر ہے۔ یہ جو کہا جاتا کہ ہمارا سسٹم ٹھیک نہیں، اس میں جھول ہے۔ "سسٹم" نہیں بلکہ "لوگ" ٹھیک نہیں ہوا کرتے۔ سسٹم یا قوانین جتنے بھی اعلیٰ ہوں مگر لوگ بدنیت ہوں تو کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ یہی بات قرآن کریم نے سمجھائی کی موسیٰ کے ہوتے ہوئے خدا کے قانون (بابت شکار ماہی بروز سنیچر) کا یہود نے کیا حال کردیا تھا؟

سسٹم افراد ہی بناتے اور چلاتے ہیں، پس فرد کی تربیت بنیادی کام ہے۔ مگر ہم کو "بنیادی کام"، "بڑا کام" اور "افضل کام" کا فرق جاننا ضروری ہے۔

ایک بنیادی کام ہوا کرتا ہے۔ ایک پرائمری اسکول کا ٹیچر، ساری عمر "اے بی سی" پڑھاتا رہتا ہے (اس سے نت نئے مضامین کی توقع کرنا، حماقت ہے)

ایک بڑا کام ہوا کرتا ہے کہ اس کے ہزاروں شاگردوں میں سے کوئی ایک، ڈاکٹر عبدالقدیر بن کر ملک و قوم کے لئے ایک بڑا کام کرجاتا ہے۔ یہ دونوں کام، لازم وملزوم ہیں۔ اگر بنیادی کام نہ ہو تو بڑے کام

والے پیدا نہیں ہو سکتے۔ بڑے کام والے پیدا نہ ہوں تو بنیادی کام کی ضرورت ہی کیا ہے؟

"بنیادی کام" اور "بڑا کام"۔ ان دونوں میں سے افضل کام کونسا ہے؟

یہ شخصی رائے پر منحصر ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تبلیغ کا کام، بنیادی کام ہے۔ آج کے مادیت زدہ معاشرے میں ایمان بالغیب کی بنیاد کمزور پڑ گئی ہے، اس لئے ہر مسلمان کو شروع میں اپنی بنیاد بنانے کیلئے اور بعد ازاں دوسروں کی بنیاد بنانے کے لئے اس بنیادی فلاحی کام کے لئے وقت نکالنا چاہیے، لیکن مسلمان ملت کو "ٹریک" پر لانے کے لئے جو بھی زعماء اور علماء اپنا کردار ادا کر رہے ہیں، وہ بڑا کام کر رہے ہیں جیسے "اسلامی نظریاتی کونسل" وغیرہ۔

اب تبلیغی محنت (بنیادی کام) اور علمی و عملی راہبری (بڑا کام) میں سے افضل کام کونسا ہے؟

یہ کوئی جھگڑے کی بات نہیں، اپنا اپنا فہم اور ذوق ہے۔ خاکسار کی رائے میں، علمی و عملی راہبری ہی افضل کام ہے۔ تبلیغ والوں میں معدودے چند لوگ ایسے بھی ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ کام ہے تو صرف تبلیغی جماعت کا، باقی تو دنیا میں کوئی کام ہی نہیں ہے۔ سو ان سادہ دل احباب کو فقط "اگنور" کیا جائے۔

مولانا کے ناقدین کا اصل مسئلہ:

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/UlamaAreBack

مولانا کے اجلے اور ظاہر و باہر کردار کے باوجود اگر ان کو قوم میں کماحقہ پذیرائی نہیں ملی تو اس کی وجوہات پہ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس قوم میں مدرسے کے مولوی کا امیج ایک مسکین، سادہ لوح اور وظیفہ خور کا بنا ہوا ہے یا پھر دہشت گرد اور منہ سے جھاگ اڑاتے، شمشیر بکف مجاہد کا۔ جو مولوی اس امیج پر پورا نہ اترتا ہو، وہ ان کو ہضم نہیں ہوتا۔ پس جب عوام ایک مولوی کو بڑی گاڑی یا کروفر میں دیکھتے ہیں تو ان کے پہلے سے بنے امیج میں یہ فٹ نہیں بیٹھتا۔ اس کی وجہ خود علماء ہیں کہ کافی عرصہ وہ عوام سے الگ اپنی دنیا بسائے رہے۔ تبلیغی جماعت چونکہ عوام میں گھل مل گئی ہے تو تبلیغی علماء اور خواص کی جاگیریں عوام کو اجنبی نہیں لگتی۔

مولانا کے پاس تو بلحاظ عہدہ سرکاری لینڈ کروزر ہوا کرتی ہے لیکن مولوی کے پاس مہران گاڑی بھی ہو تو عوام کو تکلیف ہوتی ہے۔

معذرت سے عرض ہے کہ ہمارے صوبے خیبر پختونخوا کا کلچر باقی پاکستان سے بہت مختلف ہے۔ پنجاب میں تو ذات پات کا ہندوانہ نظام اس قدر پختہ ہے کہ مولوی کو ایک کمی کمین سمجھا جاتا ہے۔ قبیلوں، قوموں کا فرق پختونوں میں بھی ہے مگر یوں تعصب نہیں ہوتا اور علماء کو قدر سے دیکھا جاتا ہے۔

میں تو یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ پاکستان کی چاہے دنیاوی پارٹیاں ہوں جیسے پیپلز پارٹی وغیرہ یا خالص دینی جماعتیں ہوں جیسے تبلیغی جماعت، ان کے پختونخوا سیٹ اپ کا باقی پاکستان کے سیٹ اپ سے بالکل جداگانہ مزاج ہوتا ہے۔

پس ایک طرف مولانا کی دنیاوی حشمت کے حسد میں مبتلا ہو کر ان پر لبرل طبقہ یوں حملہ آور ہوتا ہے کہ مفتی محمود کا کچا گھر تھا تو مولانا کے بنگلے کیسے بن گئے؟ حالانکہ جتنا بڑا گھر مولانا کا ہے وہ کسی بھی اوسط آمدنی والے کا ہو سکتا ہے۔ دوسرا حملہ، ان مولویوں کی طرف سے ہوتا ہے جو مولانا کے حاسدین ہیں مگر خود کو اصولی گردانتے ہیں مثلاً امام ابو حنیفہؒ سے منسوب ایک قول جو کہ امام صاحب کا ہے نہیں، سوشل میڈیا پہ گردش میں ہے۔ قول یہ ہے کہ "کسی عالم کو بادشاہوں کے دربار میں دیکھو تو وہ خائن ہوگا" اصل قول یوں ہے کہ بئس الفقیر علی باب الامیر یعنی برا فقیر وہ ہے جو امیر کے در پہ ہو۔ یہ ایک عربی کہاوت ہے، اچھی ہے اور اس کے کئی معنی لئے جا سکتے ہیں، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ خود امام ابو حنیفہؒ کے پہلے شاگرد امام ابو یوسف نے تو عباسیہ کے ہاں چیف جسٹس کی ملازمت کی تھی، جبکہ مولانا تو کسی حکومت کا نوکر نہیں رہا، فقط جمہوری پارلیمنٹ میں آئینی کردار حاصل کیا۔ اور کسی حکومت کے ساتھ اس کا اتحاد یا اختلاف، اپنے نظریہ کے مفاد میں ہوتا ہے۔ حکمران کے دربار میں رہنا بذاتہ اگر برائی ہوتی تو مجدد الف ثانیؒ جہانگیر کے لشکر میں کیوں رہتے؟

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

نوجوان چاہے مذہبی ہوں یا لبرل، ان کی مولانا کے ساتھ کیمسٹری نہیں بنتی۔ ہمارے سماج میں جس انداز کی لیڈرشپ کو پسند کیا جاتا ہے، اس فریم میں مولانا کی سنجیدہ اور ٹھہراؤ والی سیاست فٹ نہیں بیٹھتی۔ دراصل پاکستانی جذباتی قوم کی تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی۔

پاکستانی قوم کے سماجی رویے ماپنے کے لئے "پلڈاٹ" سروے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا یہی ایک ثبوت کافی نہیں کہ پاکستان کی پہلی اور آخری سپر ہٹ فلم "مولا جٹ" رہی ہے۔

ویسے تو یہ کسی ماہر نفسیات کا موضوع ہے، مگر نظر بظاہر یوں لگتا ہے کہ اس قوم کی صورت گری میں احساس کمتری، جنسی بھوک اور انتقام کا مادہ بکثرت استعمال ہوا ہے۔

معاف کیجئے! بھٹو کی عوامی مقبولیت، روٹی، کپڑا اور مکان کے نعرے سے نہیں ہوئی بلکہ وہ اسی دن اس قوم کا دلدار بن گیا تھا جب اس نے ایوب خان کے حق میں تقریر کرتے ہوئے قاسم باغ ملتان میں مادر ملت فاطمہ جناح کو "فاحشہ" کہا تھا اور ہمارے کانوں کی تشنگی کو سیراب کر دیا تھا (میں نے اصل گالی کی حدت کم کر دی ہے)

پیپلز پارٹی، انقلابی اور پڑھے لکھے جوانوں کی طاقت تھی جس سے "آئی جے آئی" نے نہیں، اکیلے شیخ رشید نے نوجوانوں کا کراؤڈ چھین لیا تھا۔ کب؟ جب لیاقت باغ کے جلسے میں شیخ صاحب اسٹیج پر سائیکل پہ چڑھ کر آیا اور اس کے بعد کہا "میں اپنے انتخابی نشان پہ چڑھ آیا ہوں، بے نظیر سے کہو، وہ اپنے انتخابی نشان پہ چڑھ کر دکھائے" بے نظیر کا نشان "تیر" تھا۔ (اس اسلامی قوم کو مدت سے ایسے ہی لیڈر کی تلاش تھی، پس وہ فرزندِ راولپنڈی ٹھہرا)

ایسی جذباتی مارکیٹ میں مولانا کے جیسی ٹھہراؤ، سنجیدگی اور ٹھنڈی تقریر کا سودا قوم کو نہیں بھاتا۔ انہیں کشتوں کے پشتے لگانے والے ذوالفقار مرزے چاہیے ہوتے ہیں۔

مولانا بارے، مخلصین کے اشکالات:

یوں تو مختلف مذہبی مکتبہ فکر کے احباب کو مولانا کے کردار پر گونا گوں اشکالات رہتے ہیں، رہنے چاہئیں مولانا معصوم عن الخطاء نہیں ہے۔ لیکن جب تبلیغی جماعت کا کوئی چار ماہ لگایا ہوا پرانا ساتھی تحریک انصاف کی وکالت کرتا ہے تو حیرت ہوتی ہے، کیونکہ ہم کو تو تبلیغ میں جمعیت علماء اسلام کی وکالت سے بھی روکا جاتا تھا کہ تبلیغ والوں کا دنیاوی سیاست سے بھلا کیا تعلق؟

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

ہمیں کہا جاتا تھا کہ مادے کی ترقی کے نعرے لگانے سے ایمان میں کمزوری آتی ہے۔

پھر ہمارے ہاسٹل میں، ہمارے ایک امیر صاحب تھے جو آج کل عمران خان کی محبت میں مولانا فضل الرحمٰن کو گالیاں دیا کرتے ہیں (ان گالیوں کا اپنا ایک انداز ہوتا ہے جو کہ "اللہ معاف کرے" سے شروع ہوتا ہے) میرے پاس جدہ تشریف لائے تو میں نے بات چھیڑی کہ فلاں شخص کو رائے ونڈ والوں نے جماعت کا امیر بنا دیا حالانکہ وہ اس قابل نہیں۔ بڑے درویشانہ انداز میں بولے "بھائی! رائے ونڈ والوں کا تو صرف قلم چلتا ہے، فیصلے تو اوپر سے ہوتے ہیں"

میں نے بھی لگی لپٹی رکھے بغیر عرض کیا "حضرت! دس آدمیوں کی جماعت کے امیر کا فیصلہ عرش سے ہوتا ہے اور لاکھوں علمائے دیوبند کے امیر کا فیصلہ، کیا عرش والے کی مرضی بغیر ہو جاتا ہے؟"

خیر، اس جملہ معترضہ کے بعد چند اشکالات بارے بات ہو جائے۔

ایک دوست نے کچھ سوالات رکھے جس کو عنوان دیا: "فضل الرحمٰن کی علمیت سوالات کے آئینے میں"

فضل الرحمٰن کے مدرسوں کے فارغ التحصیل طلبہ کن قومی اداروں میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں؟

اگر ڈاکٹر، انجینئر نا سہی، کون سی یونیورسٹی میں اسلامیات یا اسلامک ہسٹری کی تعلیم دے رہے ہیں؟

ان مدرسوں سے فارغ ہونے کے بعد ان کا مستقبل کیا ہوتا ہے؟ کیا یہ معاشرے کے لیے ایک مفید فرد کی حیثیت حاصل کر پاتے ہیں؟

کیا فضل الرحمٰن کے مدرسوں سے فارغ التحصیل طلبہ اسلام کی اشاعت کے لیے دنیا بھر میں نہ سہی پاکستان ہی میں کوئی قابل قدر خدمت انجام دے پائے؟

فضل الرحمٰن کے شاگرد تو دور کی بات، خود فضل الرحمٰن کسی تحقیقی کتاب کے مصنف ہیں؟

کیا فضل الرحمٰن نے اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنے کیلئے کوئی تحقیقی مقالہ جات یا مضامین لکھے؟ کیا دنیا کے تمام معاشی نظاموں کے مقابلے میں فضل الرحمٰن نے اسلام کو متبادل کے طور پر پیش کیا؟

لامحدود سوالات ذہن میں مسلسل آرہے ہیں لیکن کیا ان مختصر سے سوالات کا کوئی جواب دے سکتا ہے؟

الجواب بعون اللہ۔

عرض کیا کہ میرے فیس بک پیج پر اس بارے سنجیدہ سوالات کے جوابات پہلے سے موجود ہیں اور ایسے بچگانہ سوالات کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھتا۔ لیکن محض آپ کی خاطر آپ کے سوالات کا مختصر جواب عرض کر رہا ہوں:

مدارس، فضل الرحمٰن کے نہیں ہیں بلکہ وفاق المدارس کے ہوا کرتے ہیں۔ فضل الرحمٰن خود ان مدارس سے سند یافتہ ہے، جیسے عمران خان، یونیورسٹی سے آکنامکس میں سند یافتہ ہے۔ مگر یونیورسٹیاں اس کی نہیں ہوتیں کہ میں کہوں عمران خان کی یونیورسٹیوں نے ابتک کیا کیا؟ البتہ، اسی "چین آف مدارس" میں سے مولانا کے زیر اہتمام ایک مدرسہ بھی ہے، جیسے عمران خان کے زیر اہتمام نمل کالج ہے، اور نمل کالج کا تعلیمی نصاب، کارکردگی، اور سٹوڈنٹس کے مستقبل کو عمران خان کا سٹاف ہینڈل کرتا ہے، وہ خود نہیں کرتا۔ بعینہ مولانا کے زیر اہتمام مدرسے کا حال ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن کی علمیت یہ ہے کہ وہ سند یافتہ عالم دین ہے۔ اب کیا ہر ڈگری یافتہ کو لیکچر دینے لازمی ہوا کرتے ہیں؟ اور اگر کوئی ڈگری یافتہ آدمی پروفیسری نہ کر رہا ہو تو کیا اس کو جاہل کہیں گے؟

مولانا فضل الرحمٰن لیڈر اور عملی آدمی ہے۔ لیڈر کتابیں نہیں لکھتے بلکہ ان پہ کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ مسٹر جناح نے کتاب نہیں لکھی، نہ لیاقت علی خان وغیرہ نے۔ اور جنہوں نے جناح پہ کتابیں لکھیں وہ پاکستان کی عملی جدوجہد میں شریک نہیں تھے۔

اسلام کی حقانیت ثابت کرنا مدارس میں بیٹھے مفتی محمد تقی عثمانی جیسے علماء کا کام ہے اور مولانا فضل الرحمٰن فقط ان کیلئے چھتری کا کام دیتا ہے۔ آج اہل مدارس اس لئے اطمینان سے تحقیق و جستجو کر رہے ہیں کہ مولانا

نے مدارس کوڈسٹرب کرنے والے سارے وار روک رکھے ہیں (جس کے لئے اہل مدارس ممنون ہیں)

مولانا کا کام سیاسی طور پر اسلامی موقف منوانا ہے، جیسے دوسری جماعتیں، میرٹ اور ترقی کا نعرہ لگاتی ہیں۔ مولانا نے تو اپنے سلوگن یعنی اسلامی نظام کی خاطر خیبر پختو خواہ اسمبلی سے حسبہ بل منظور کروالیا۔ آپ بتائیے پاکستان سے غربت اور ناانصافی ختم کرنے کے لئے کوئی متبادل آئین بنا کر، کسی اور نے کسی اسمبلی میں پیش کیا ہے؟

باقی آپ اس بات کی فکر نہ کریں کہ اسلامی مدراس کے فضلاء کا مستقبل کیا ہے؟ انہوں نے کبھی جابز کیلئے جلوس نہیں نکالے، اپنی یونیورسٹیوں کی فکر کریں جہاں سے ایک ٹکے کا سائنسدان برآمد نہیں ہوسکا۔ باقی چھوڑیں، نمل کالج سے کونسی نئی ایجاد سامنے آئی ہے؟، یہ ہی بتادیں۔

اسلامی مدراس کا کیا کردار ہے، یہ سوال مولانا فضل الرحمٰن سے متعلق نہیں ہے اور نہ ہی وہ مدارس کے فضلاء کے کردار کے ذمہ دار ہیں۔

اسلامی مدارس کا فیلڈ اسلامی تعلیم دینا ہے۔ دنیا بھر سے یہاں بچے پڑھنے آتے ہیں، جبکہ آپ کی یونیورسٹیوں والوں کو باہر والے برابر کا پڑھا لکھا ماننے کو تیار نہیں ہوتے بلکہ دوبارہ ٹسٹ لیتے ہیں۔ یہاں کے مدارس کے علماء رابطہ عالم اسلامی میں رئیس کی کرسی پاتے ہیں اور آپ کے پروفیسر وہاں اسسٹنٹ بھی نہیں لگائے جاتے۔ تھوڑے لکھے کو بہت جانیں۔

مولانا فضل الرحمٰن شرابیوں کا حامی ہے:

مخلص آدمی بھی پروپیگنڈے کا شکار ہوسکتا ہے مگر اس کے اخلاص کی نشانی یہ ہے کہ حق واضح ہوتے ہی، وہ رجوع کرنے میں دیر نہیں کرتا۔ ضد اور عناد کا شکار نہیں ہوتا۔ اللہ والے لوگ، اپنے سے چھوٹوں کی حق بات کو بھی بخوشی قبول کرتے ہیں۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

پاکستان کے ایک بہت بڑے غیر سیاسی عالم دین، میرے غریب خانے پہ رونق افروز تھے، ان دنوں جمشید دستی نے پارلیمنٹ کے ہاسٹل سے شراب کی خالی بوتلیں برآمد کر کے میڈیا میں ہنگامہ کھڑا کیا ہوا تھا۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میرے گمان میں تو لوگ شراب نہیں پیتے۔ اور پھر معاشرے میں یہ چیز عام ہوگئی ہے تو جمشید دستی کو یہ برائی نہیں اچھالنی چاہیے۔

ہمارے مہمان بزرگ، مولانا کے اس بیان پر ذرا ناراض تھے۔ ان کے خیال میں مولانا کو اس کیس میں جمشید دستی کی مدد کرنا چاہئے تھی۔ مجھے حضرت کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں تھی، لیکن ناشتہ کے بعد میں

نے عرض کیا ''حضرت وہ امام ابو حنیفہؒ کے نوجوان ہمسائے کا کیا قصہ ہے، جو رات بھر شعر پڑھتا تھا؟''
یہ سن کر چند لمحے سوچا اور پھر بڑی فراخدلی سے کہا کہ آپ نے مجھے مولانا فضل الرحمٰن سے بدگمانی سے بچالیا احباب کو اس قصہ کی تفصیل معلوم ہوگی۔ مختصراً بیان کرتا ہوں کہ امام صاحب کے پڑوس میں ایک مست جوان رہتا تھا جو ساری رات شراب پی کر غل غپاڑہ کرتا تھا اور ایک شعر اکثر پڑھتا کہ لوگوں نے مجھ جیسے جوان کو ضائع کردیا۔ کسی بات پر اس کو داروغہ پکڑ کر لے گیا۔ امام صاحبؒ کو اس کا شور سنائی نہ دیا تو ماجرا دریافت کیا۔ پھر خچر پہ سوار ہوکر بذات خود جیل خانہ گئے، داروغہ احترام سے پیش آیا۔ امام صاحب نے اس نوجوان کی سفارش کی اور اس کو ساتھ لاتے ہوئے کہا کہ ہم نے تجھے ضائع تو نہیں کیا نا؟
اس نوجوان نے امام صاحب کے حسن سلوک کی وجہ سے توبہ کرلی، لیکن اگر وہ توبہ نہ کرتا تو؟......ہم یہ تو نہیں کہتے کہ امام صاحب عالم الغیب تھے، مگر یہ ضرور کہتے ہیں کہ صاحب بصیرت تھے۔
دوستوں سے عرض کرتا ہوں کہ علماء سے متعلق کسی بھی واقعہ پر آپ کے پاس چوائس ہے کہ حسن ظن سے کام لیں یا سوء ظن سے۔ حسن ظن غلط بھی ہو تو خدا نہیں پکڑے گا مگر سوء ظن کی جواب دہی کرنا پڑے گی۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

ریڈی میڈ مفتی:

جدہ کونسلیٹ کے ایک متدین دوست، ایک خاص دینی فضاء میں وقت گذار کر آئے، جہاں حدیث سنی کہ ''برا ہے وہ شخص جو امارت کی خواہش رکھتا ہو'' پس ان کے نزدیک مولانا فضل الرحمٰن اس لئے برا آدمی ہے کہ وہ الیکشن میں خود کو امارت کے لئے پیش کرتا ہے۔ ہمارے دوست کو شیخ الہند اور مولانا حسین احمد مدنی وغیرہ کے نام بھی نہیں معلوم، لیکن اپنے فتوے پہ قائم ہیں۔
عرض کیا: ''حضور! یہ حدیث امارت کے لئے ہے یعنی جس کو ''امر'' ہاتھ لینے کا شوق ہو۔ پارلیمانی نظام میں مشورہ ہوتا ہے، امر نہیں ہوتا۔ یہاں امیر نہیں بلکہ چھوٹے یا بڑے وزیر ہوا کرتے ہیں، کسی کو اعظم تو کسی کو اعلی اور کسی کو خالی وزیر کہا جاتا ہے۔ وزیر مددگار ہوتا ہے۔ آپ کو یہ تو پتہ ہے کہ خدمت کے لئے خود کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہاں یہی صورتحال ہے اور کوئی آدمی خود کو اس امانت یا خدمت کا اہل سمجھے تو اسے ضرور خود کو پیش کرنا چاہئے''
کہنے لگے '' کان کو ادھر سے پکڑ و یا ادھر سے، ایک ہی بات ہے۔ حدیث کا صاف مطلب ہے کہ بڑائی والے عہدے کے لئے خود کو پیش کرنے والا برا آدمی ہے ''
عرض کیا '' یوسف علیہ السلام کے متعلق کیا خیال ہے؟ انہوں نے عزیز مصر سے کہا کہ: مجھے وزیر خزانہ

بنادو، کیونکہ میں امین ہوں۔"

"اچھا؟...... ہیں؟۔ یہ قرآن شریف میں لکھا ہے کیا؟"

نہ جانے کیوں لوگ دینی علوم کو بازیچہ اطفال سمجھتے ہیں؟

مولانا کو محل تہمت سے بچنا چاہئے:

میرا ایک دوست جو کہ مولانا فضل الرحمٰن کا پروانہ ہے مگر اس کو بھی ایک دینی اشکال لاحق ہوا ہے، کہنے لگا، محل تہمت سے بچنے کی حدیث ہے کہ: حضور ﷺ اپنی زوجہ کے ساتھ کھڑے تھے اور کسی کو بدگمانی سے بچانے، اس کو بلا کر اپنی پوزیشن واضح کی۔ مولانا پر کب سے الزامات لگ رہے ہیں، آخر وہ اپنی پوزیشن واضح کیوں نہیں کرتے؟

عرض کیا: پیارے! پوزیشن تو واضح کی ہے۔ ہر پروگرام میں تو کہا ہے کہ "یہ الزامات جھوٹ ہیں" اور کیسے واضح کرے؟ کوئی آدمی کھڑے کھڑے کہہ دے کہ آپ نے ایک لاکھ روپے کا غبن کیا ہے تو آپ اس کے سوا کیا صفائی دیں گے کہ یہ جھوٹ ہے۔

کہنے لگا؛ مولانا! الزام لگانے والوں کو عدالت میں گھسیٹے تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔

عرض کیا: سعودی عرب میں رہ کر بھی میرا اپنی چاہت سے کوئی بنک اکاؤنٹ نہیں۔ حکومت نے آن لائن تنخواہ کیلئے اکاونٹ کھولنے پر مجبور کیا ہے، ورنہ میں بنک سے لین دین کو ایمانی لحاظ سے اچھا نہیں سمجھتا"

گڑبڑا گیا کہ کہاں کی بات کو کہاں جا پہنچایا؟

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswerSquad

میں نے عرض کیا" ہم بنک کے سودی نظام کو دینی طور پر غلط سمجھتے ہیں، اسے پرامن طریقے سے بدلنے کے خواہاں ہیں۔ البتہ جب مجبور ہوں تو کراہتاً اس میں اکانٹ کھولتے ہیں۔ پاکستانی عدالتوں میں رائج فرنگی نظام انصاف، دینی عدالتی نظام کا برعکس نظام ہے۔ ہم اس نظام کو پرامن طریقے سے بدلنا چاہتے ہیں، جب تک یہ ہو نہیں جاتا، حتی الوسع ہم خود اس نظام کے بھکاری نہیں بنیں گے، ہاں کوئی اور مجبور کر دے تو الگ بات ہے۔ پس راسخ العقیدہ علمائے دیوبند ذاتی نقصان اٹھانے کو تیار ہیں لیکن از خود قرآن وحدیث کی عدالت کے سوا فرنگی نظام عدالت کو اپنے مقدمات میں فیصل بنانے کو تیار نہیں۔ ہاں کوئی دوسرا آدمی ہمیں عدالت میں گھسیٹ لے جائے تو ہم سینہ ٹھونک کر میدان میں موجود ہیں۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ مولانا، عمران خان کو ملک کے لئے نقصان دہ سمجھتا ہے، پر اس کے خلاف خود عدالت نہیں گیا۔ لیکن جب عمران خان نے مولانا کو عدالت کے ذریعے سمن بھجوایا تو مولانا نے خم ٹھونک کر

جمعیۃ علماء اسلام کی سیاست



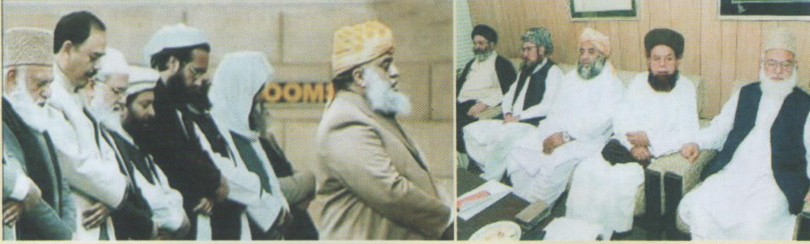
پاکستان تا حرمین شریفین پھیلی تکریمات

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

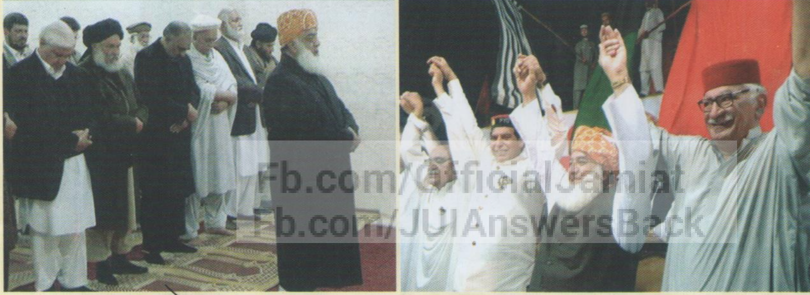


جمعیۃ علماء اسلام، بالغ النظر سیاست کرتی ہے یعنی حکومت اور ریاست میں فرق جانتی ہے۔ حکومت سے اختلاف کے باوجود، جہاں ریاست کا مفاد مقدم ہو، وہاں حکومت کا ساتھ دینا ضروری ہوتا ہے۔ افسوس، بعض سیاستدان جمہوری حکومت کے ساتھ کھڑا ہونا اس وقت تک پسند نہیں کرتے جب تک چھڑی سے ہانکا نہ جائے۔

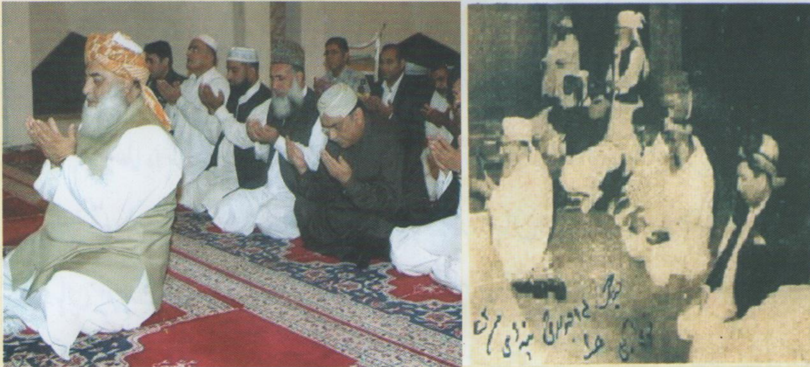
نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز   یہی ہے رخت سفر میر کارواں کیلئے



جمعیۃ علماء اسلام کی سیاست کا نچوڑ سب کو اپنے قریب لانا ہے، پھر سب کو خدا کے قریب لے جانا ہے



شاندار ماضی.........تابناک حال، روشن مستقبل



عدالت میں پیشی کی حامی بھری۔ وہ تو عمران خان خود ہی پیچھے ہٹ گیا کہ مولانا وہاں، اپنی بات کے ناقابل تردید ثبوت پیش کرنے والا تھا۔

پس یہی بات ہے کہ میڈیا اور ان کو دانہ دُنکا ڈالنے والے، آبپاروی فرشتے، مولانا کی عوامی کردار کشی کرتے رہتے ہیں لیکن کسی کو 30 سال میں یہ توفیق نہیں ہوئی کہ مولانا پر عدالت میں رٹ دائر کردے۔

میرے پیارے! مولانا کی طرف سے اپنی صفائی کیلئے اس کی اپنی بات ہی کافی ہے۔ باقی عدالتوں کا دروازہ ہر محب وطن کیلئے کھلا ہے اور مولانا، ان لیڈروں میں نہیں جو یا تو عدالت میں پیشی کی تاریخ بدلواتے رہتے ہیں یا عدالت پیش ہوکر، اپنے کہے کی معذرت کیا کرتے ہیں اور پھر کارکنوں کو معذرت اور شرمندگی کی لغو تاویلوں سے بہلایا کرتے ہیں۔

مولانا فضل الرحمٰن کا کمشنر بھائی اور کارکنان جمعیت:

حال ہی میں کسی نے بتایا کہ پانامہ لیکس پر خاموش رہنے کی قیمت مولانا فضل الرحمٰن نے وصول کرلی ہے اور وہ یہ کہ اس کے بھائی کو گریڈ 18 سے ڈائریکٹ گریڈ 20 میں پروموٹ کردیا گیا۔

پہلے تو مجھے اس خبر پر حیرت انگیز خوشی ہوئی۔ یعنی مولانا کا بھائی پہلے 18 گریڈ کا افسر تھا۔ خوب بھائی میں تو سمجھتا تھا کہ مولوی بیچارے پڑھائی لکھائی میں صفر ہوتے ہیں۔ بلکہ اب تو یہ بھی پتہ چلا کہ مولانا کا وہ بھائی ایک پروفیشنل انجینئر بھی ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

اس کا مطلب ہے کہ مولانا کے گھر میں ماڈرن ایجوکیشن کوئی نئی بات نہیں۔ اس سے میرے دل میں مولانا فضل الرحمٰن کی عظمت بڑھ گئی کہ اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو مدرسہ میں قرآن کا عالم بنایا حالانکہ وہ چاہتا تو ان کو ایچی سن کالج میں بھی داخل کراسکتا تھا۔

لوگ کہتے ہیں کہ وہ اس لئے مدرسوں میں پڑھتے ہیں کہ یہ ان کا فیملی بزنس ہے۔ اگر یوں ہے تو یہ افسر بھائی کیوں مدرسہ میں نہیں پڑھے؟ فیملی بزنس میں تو گھر کا دودھ پیتا بچہ تک گھسایا جاتا ہے، اپنے " شریفین عظیمین " کی مثال سامنے ہے۔

یہ بات البتہ مجھے ہضم نہیں ہوتی کہ مولانا کی قیمت اس کے بھائی کے دو گریڈ کی ترقی ہے۔ لوگ کہتے ہیں مولانا کرپٹ حکومتوں کو سہارا دیتا ہے۔ اب اگر ہر سہارے کے وقت اس کے بھائی کو دو گریڈ میں ترقی دی جائے تو آج اس کا گریڈ 96 ہونا چاہیے تھا مگر افسوس کہ پاکستان میں کل گریڈ ہی 22 ہیں۔

حیرت تو مجھے یہ بھی ہوئی کہ مولانا کے بھائی ابھی تک نوکری کیوں کر رہے ہیں؟

اس ملک کی روایت تو کچھ اور رہی ہے۔ نواز شریف کے اے ڈی سی کپٹن صفدر سے ملکی مفاد میں نوکری چھڑوادی گئی تھی۔ اپنے جنرل کیانی صاحب، نے سپہ سالار بنتے ہی اپنے دونوں بھائیوں کو میجر اور بریگیڈئر کی عہدے سے میڈیکل بنیاد پر فارغ کروا کر ملکی خدمت پہ لگا دیا تھا۔ اپنے عادل ترین چیف جسٹس نے اپنے بیٹے ارسلان کو پولیس کی نوکری سے نکال کر ملک ریاض کا پارٹنر بنا دیا تھا۔ لیکن مولانا نے ابھی تک اپنے بھائیوں کو نوکری پر ہی رکھا ہوا ہے، چھی چھی چھی۔

خیر، میں یہ نہیں کہتا کہ ان کے بھائی کی ترقی میں مولانا کا ہاتھ نہیں ہوگا بلکہ مجھے تو یہ بھی شک ہے کہ اس کی تقرری میں بھی مولانا کا ہاتھ ہوگا۔ میرے بھائی! سیاسی لیڈر اسی لئے ہی ہوتے ہیں کہ لوگ ان کے پاس اپنی ملازمت، ترقی اور دیگر مسائل کیلئے آیا کرتے ہیں اور وہ ہر آنے والے کی سفارش کیا ہی کرتا ہے۔ قاعدے قانون دیکھنا حکومت کا کام ہوتا ہے، مولانا کے ہاتھوں ابتک ہزاروں لوگوں کی ملازمت اور ترقی ہوئی ہوگی، اگر اس کے اپنے بھائی کی بھی ہوگئی تو اس میں مسئلہ کیا ہے؟ آخر کسی قاعدے قانون پر ہی ہوئی ہوگی نا۔ اور پھر اس کا بھائی، جس بھی گریڈ پر ملازمت کرتا ہو، وہ آخر کوئی کام کر کے ہی اپنی تنخواہ لیتا ہوگا نا۔

یہاں تو ہم نے ایسے مناظر دیکھے ہیں کہ نواز شریف صاحب، اپنی صاحبزادی کو سات ارب کے فنڈ کا ڈائریکٹر لگا دیتا ہے، کس اہلیت پہ، یہ کون پوچھے؟ اور تو چھوڑیں، اس ملک میں چشم فلک نے وہ نظارے بھی دیکھے ہیں کہ ایک لیڈر کو ایک رات، ایک چھچھوری قسم کی لڑکی پسند آتی ہے، دوسری رات اسے اپنی ملکہ بنا لیتا ہے اور اگلے ہفتے وہ ایک صوبے کی مالکن بن جاتی ہے، جس کو ساری بیوروکریسی جوابدہ ہوتی ہے۔ اور مشہور دانشور دلیل دیتے ہیں کہ وہ صوبے کی خاتون اول ہوگئی ہے۔ ایسے میں تو اپنے سگے بھائیوں کو سرکاری ملازمت پہ رکھنا، بڑے دل گردے کی بات ہے بھائی۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

بات یہ ہے کہ اپنوں کا خیال رکھنا فطری سی بات ہے کہ جو اپنے کا نہیں وہ پرائے کا کیا ہوگا؟ مگر میں سمجھتا ہوں کہ مولانا نے اب بھی کمی ہی کی ہے۔ مولانا، اپنے بھائیوں کو انتخابات میں، عوام کے سامنے پیش کر دیا کرتا ہے۔ حالانکہ دستور یہ ہے کہ آدمی، اپنوں کو ایسے امتحانوں میں نہیں ڈالا کرتا بلکہ ڈایریکٹ مخصوص نشستوں پہ منتخب کرالیا کرتا ہے۔ جیسے قاضی حسین احمد مرحوم نے اپنی بیٹی کو قومی اسمبلی کا ممبر بنا دیا تھا یا اپنے پرویز خٹک وغیرہ وغیرہ۔

ادھر جمعیت کے سادہ لوح دوستوں کو دیکھئے کہ وہ مولانا کے بھائی کی ترقی کی دلیلیں، اس کا پچھلا شاندار سروس ریکارڈ، اسی قسم کی دوسری مثالیں پیش کرتے پھرتے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ مولانا کا بھائی بطور

سرکاری ملازم جمعیت کا ممبر نہیں اور نہ ہی ہم اس کے کسی قول و فعل یا ترقی وتنزلی کے ذمہ دار ہیں۔ مولانا کا بھرا پرا خاندان ہے، آج اس کے بھائی کیلئے تو کل اسکے چچیروں مسیروں کیلئے دلائل ڈھونڈتے پھروگے؟

صاف بات اتنی ہے کہ اس کی ترقی میں اگر مولانا کا ہاتھ ہے بھی تو اس میں کیا قیامت پڑ گئی ہے؟ سمجھنے والوں کے لئے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ پرویز خٹک اور پیسکو کے چیئرمین طارق سدوزئی کا ٹاکرا ہوا تو پرویز خٹک نے پریس کانفرنس میں کہا کہ اس چیئرمین کو مولانا نے ہم پہ مسلط کر رکھا ہے۔

تو بھائی! عرض یہ ہے کہ مولانا گریڈ 20، 22 سے بہت اونچی چیز ہے۔ آپ لوگ، اصولی اور نظریاتی دلائل پہ وقت لگایا کرو، ہر آواز پہ پتھر اٹھاتے پھروگے تو پہنچ چکے منزل پہ۔ والسلام

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

باب سوم: عمران خان کی شخصیت

عمران خان کا کردار:

لازم ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن کی ذات پر سرعام رکیک حملے کرنے والے عمران خان کی شخصیت پر بھی ایک واقعاتی نگاہ ڈال لی جائے۔ میں عمران خان کے ماضی کو نہیں کھنگالوں گا اور نہ ہی مجھے اس کی خلوت کے کرتوتوں سے کوئی غرض ہے۔ لوگ سیتا وائٹ کیس کے حوالے سے بہت کچھ کہتے ہیں، مگر اس کی تفصیل یوسف صلاح الدین ہی بتا سکتے ہیں، جن کی حویلی میں وہ چار ماہ تک مہمان رہی اور جن کی گاڑی جوڑے کے استعمال میں رہی۔

انسان کمزور ہے، کسی سے بھی کوئی خطا سرزد ہو سکتی ہے۔ مجھے بہر حال، عمران خان کی جنسی ہوس سے زیادہ اس کی ذہنیت پر افسوس ہوا جب میں نے سیتا وائٹ کا وہ بیان پڑھا، جس میں اس نے کہا کہ: جب میں حاملہ ہوگئی تو عمران خان روز فون کر کے بچے کا پوچھا کرتا۔ جب میں نے عمران خان کو بتایا کہ الٹرا ساؤنڈ میں لڑکی معلوم پڑتی ہے۔ تو اس نے اصرار کیا کہ میں حمل گرا دوں۔ یہ کتنی گندی ذہنیت ہے کہ لڑکی کا باپ کہلانا کسی کو پسند نہ ہو۔ آدمی کو مرد بننا چاہئے، لڑکی ذات ضعیف ہے، مشرق کی ہو یا مغرب کی۔ آخر اسے باپ کے نام کی پہچان سے کیوں محروم رکھا جائے؟

مگر خیر، میری عمران خان سے کراہت کی وجہ اس کا دیگر کردار ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

کہا جاتا ہے کہ کسی سے بھی نفرت نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بات فی الحقیقت درست نہیں۔ محبت اور نفرت، آپ کے ہاتھ میں نہیں، البتہ، اس کا جائزہ ضروری ہے کہ کس وجہ سے آپ کسی سے محبت یا نفرت کرتے ہیں؟ اگر وجہ جینوئین ہے تو محبت پہ بھی اجر ہے اور بغض پر بھی۔ ورنہ، کم از کم بغض پہ جوابدہی ضرور کرنا ہوگی۔

بعض اوقات کسی سے بلا وجہ بھی محبت یا نفرت ہو جاتی ہے۔ اگر چہ فی نفسہ یہ غلط ہے، پر یہ بھی اختیار سے باہر چیز ہے۔ تاہم اس صورت میں بھی قرآنی حکم یہ ہے کہ کسی قوم کی دشمنی آپ کو عدل سے نہ ہٹا دے۔

عمران خان سے میری نفرت، نہ تو ذاتی بنیاد پہ ہے اور نہ ہی شروع سے ہے۔ بلکہ شروع میں تو عمران خان مجھے خاصا پسند تھا۔ آپ کے محبوب سے محبت کرنے والا، آپ کو خود بخود اچھا لگتا ہے۔ عمران خان نے مولوی نہ ہونے کے باوجود، وزارت عظمٰی کیلئے مولانا فضل الرحمٰن کو ووٹ دیا تھا۔ بلکہ اس سے بھی پہلے، جب وہ قومی اسمبلی کی آٹھ سیٹوں سے بیک وقت کھڑا ہوا تھا اور سب سے ہار گیا تھا، تب بھی میں اسے سپورٹ کرتا تھا اور دوستوں کے سامنے اس کی تعریف کرتا تھا۔

تحریک انصاف کے قومی اسمبلی کے پشاور سے ممبر حامد الحق میرے اچھے دوستوں میں تھے۔ 1996ء میں جب حامد نے تحریک انصاف جوائن کرنے کا فیصلہ کیا تو دیگر دوستوں کے علاوہ میرا بھی یہی مشورہ تھا۔ مگر رفتہ رفتہ عمران خان میرے دل سے اتر گیا۔ پہلے اسے سادہ لوح اور لائی لگ آدمی سمجھتا تھا جو خلوص کے ساتھ بڑھکیں مارتا ہے، مگر مارچ 2013ء کے بعد سے اس سے بدگمانی شروع ہوئی، جواب کراہت میں بدل چکی ہے۔ اس کی وجہ اس کی دورنگی اور منافقت ہے۔ اب میں سمجھتا ہوں کی عمران خان کی جدوجہد کا اس کے سوا کوئی مقصد، کوئی ہدف یا کوئی آدرش نہیں کہ ان کو وزیراعظم بنا دیا جائے۔

بات کو دیکھو، بات کرنے والے کو نہ دیکھو:

شروع میں عمران خان کی انقلابی باتیں سب کو اچھی لگتی تھیں، لوگ عمران خان کی بابت یہ محاورہ دہراتے تھے کہ بات کو دیکھو، بات کرنے والے کو نہ دیکھو۔ یہ بات درست ہے کہ اگر کوئی آدمی خود ''دونمبرا'' ہے لیکن آپ کو اچھی نصیحت کر رہا ہے، تو کہنے والے کو نہ دیکھو بلکہ اس کی بات کو دیکھو۔ مگر یہ ضرب المثل ادھوری ہے۔ مکمل بات یوں ہے کہ ''کسی کی نصیحت سننے کی حد تک اچھی بات پہ دھیان دینا ٹھیک ہے لیکن اسی اچھی بات کو رائج کرنے کیلیے اگر یہ ''دونمبرا'' آدمی، آپ کو اپنی پیروی کی دعوت دیتا ہے تو پھر بچ کر رہو۔ کیونکہ اس اچھی بات کی آڑ میں اس نے اپنا ''دونمبر'' ایجنڈا ہی چلانا ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

دونمبرا آدمی کون ہوتا ہے؟

گلوبل دانش کہتی ہے: A man is known by the company he keeps

یعنی آدمی اپنے مصاحبین سے پہچانا جاتا ہے۔ مکرر عرض ہے کہ مصاحبین، رشتہ داروں کو نہیں، ہم نفسوں کو کہتے ہیں۔ کسی اچھے آدمی کے رشتہ دار اگر دونمبرے ہوں تو اس کا دوش نہیں کہ رشتے خدا نے بنائے ہیں لیکن دوست وہ آدمی خود چنتا ہے۔ اگر کسی کے دوست فراڈی ہیں تو یہ شخص خود بھی فراڈی ہے یا پھر انتہا درجہ کا سادہ لوح اور بے وقوف۔

مگر پاکستانی دانش چونکہ گلوبل دانش سے مختلف ہے۔ لہٰذا یہاں جس آدمی کے سارے ہمزاد فراڈی اور چور ہوں تو پھر بھی اس کو ''ایک نمبر'' کہا جاتا ہے (جیسے عمران خان کی اے ٹی ایم مشینیں) اور جس آدمی کے سب سپورٹر، دین دار اور امین ہوں، اسے ''دونمبر'' کہا جاتا ہے، جیسے مولانا کے بہی خواہ علماء۔

عمران خان اور مولانا کو نہ سہی، ان کے مصاحبین کو جانچ لیں تو آدمی کی اصلیت سامنے آجاتی ہے۔

عمران خان، ایک کٹھور دل اور بے اصول آدمی ہے:

میری عمران خان سے نفرت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میں نے اسے انتہائی بے حس، کٹھور دل اور بے اصول آدمی پایا ہے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ اسلام آباد دھرنے کے دوران، کھلے میدان میں اور طوفانی بارش میں چند مخلص کارکن نئے پاکستان کی خاطر سختیاں جھیل رہے ہیں اور موصوف، کنٹینر کے اندر ایک خاتون صحافی سے پیار کی پینگیں بڑھا رہے ہیں۔ پھر کنٹینر میں نکاح بھی ہوگیا جس کی خبر بھی لیک ہوگئی۔ لیکن سچ بولنے والے موصوف ماننے کو تیار نہیں، جب بالکل کوئی چارہ نہ رہا تو ایک رنگ بازی یہ فرمائی کہ بیوی کو لے کر اپنے پارٹی کے ایک مولوی کے مدرسے کے بچوں کے ساتھ ولیمہ منایا جانے کے فوٹو شوٹ کروائے جا رہے ہے۔ ولیمہ تو نکاح کے بعد ہوتا ہے، نکاح کہاں ہوا تھا؟ بس سارا کام ہی ڈرامہ بازیوں پہ چل رہا ہے۔

آپ دیکھئے! عمران خان کا نہ تو ریحام خان سے نکاح نامہ موجود ہے، نہ طلاق نامہ۔ ہوا میں نکاح ہوا، ایس ایم ایس پہ طلاق۔ نکاح وطلاق کی بات میں ایمان وعقیدہ کی بنیاد پہ نہیں بلکہ قانون کے احترام کی بنیاد پہ کر رہا ہوں کہ عمران خان، قانون اور سسٹم کی باتیں کرتا ہے، لیکن اپنا یہ حال ہے۔

خالی بے حس یا بے اصول ہی نہیں، بلکہ عمران خان درندگی کی حد تک کٹھور دل آدمی ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat

میں جاوید ہاشمی یا کسی اور کی اس خبر کو بنیاد نہیں بناؤں گا جس میں انکشاف کیا گیا تھا کہ 2014ء کے دھرنے میں عمران خان اور طاہر القادری کا کم از کم 200 لاشیں گرانے کا پروگرام تھا۔

میں تو اپنی آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہا ہوں۔

ملتان میں عمران کا جلسہ شروع ہے، گرمی سے لوگ مر رہے ہیں۔ تین نوجوانوں کی لاشیں، سٹیج پر کھینچ کر چڑھائی جا رہی ہیں۔ ڈی جے بٹ، سپیکر میں ایمبولینس کے لئے چیختا ہے تو شاہ محمود قریشی، اسے چپ کرا کر اپنا خطاب جاری رکھتا ہے۔ عمران سٹیج پر پوز بنائے وقفے وقفے سے میوزک پر تھرک رہا ہے اور لاشیں، آنکھوں کے سامنے لٹکائی جا رہی ہیں، کسی کو توفیق نہیں کہ پروگرام روک کر، ان بدنصیب لاشوں کو عزت سے ایک طرف رکھ دے۔

بتائیے، کیا یہ درندگی نہیں ہے؟

دیکھئے! میں نے عمران خان کی کردار کشی نہیں کی۔ کردار کشی یہ ہوتی ہے کہ اپنی طرف سے ایک واقعہ بنا کر کسی کے کردار کو خراب کرنا۔ میں نے جس واقعہ پر عمران خان کا کردار جانچا ہے، میں اس واقعہ کی خبر ہی

نہیں، ویڈیو ثبوت بھی پیش کرسکتا ہوں۔ رہا میرا تجزیہ، تو مذکورہ واقعہ ہر خدا خوفی والے آدمی کے سامنے ہے جو دل پہ ہاتھ رکھ کر ہمیں بتائیے کہ لاشیں سٹیج پر لائی جائیں، تقریر اور گانے نہ رکیں، قیادت بھی موجود ہو تو بھلا کونسا کردار ابھرتا ہے؟

عمران خان، دانستہ جھوٹ بولتا ہے:

یہ بات تو عمران خان کے حامی بھی مانتے ہیں کہ وہ حکمت سے خالی ہے۔ مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وہ دانستہ جھوٹ بولنے کا عادی ہے۔ حکمت اور منافقت میں اتنا ہی فرق ہے جتنا جھوٹ اور "توریہ" میں ہوتا ہے۔ توریہ ذومعنی جملہ ضرور ہوتا ہے مگر اسے جھوٹ نہیں کہا جاسکتا ہے۔ سنا ہے مرزا غالب روزے نہیں رکھتے تھے، کسی نے پوچھا کہ: مرزا! کتنے روزے رکھے؟ اب اگر جواباً کہتے کہ اتنے رکھے ہیں تو جھوٹ ہوتا۔ مرزا نے کہا کہ: "ایک نہیں رکھا۔" اس کو توریہ کہتے ہیں۔

لاہور میں 23 مارچ 2013ء کو جلسے میں اس نے قوم سے 6 وعدے کئے تھے۔ صرف 2 سال کے اندر، جس طرح اس نے اپنے وعدوں کو جھوٹ ثابت کیا ہے، اس کی مثال نہیں ملتی۔

وعدے ایفاء نہ کرسکنا اور بات ہے اور اپنے وعدوں سے جانتے بوجھتے پھر جانا اور بات ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

ذرا اس کے وعدوں پہ نگاہ ڈالئے۔ صاف محسوس ہوتا ہے کہ وہ قوم کو لولی پاپ دینے کا مائنڈ پہلے سے بنا کر وعدے کررہا تھا۔

اس نے کہا تھا کہ: "قوم سے ہمیشہ سچ بولوں گا۔"

روزانہ کی بنیاد پہ بولے جانے جھوٹ تو چھوڑیں، صرف ایک نجم سیٹھی کا تذکرہ ہی کرلیتے ہیں۔ عمران خان اپنے جوشیلے کارکنوں کو چار ماہ اشتعال دلاتا رہا کہ نجم سیٹھی نے الیکشن میں 35 حلقوں میں دھاندلی کرکے ہمارا الیکشن ہائی جیک کیا ہے اور میرے پاس اس کی گفتگو کا آڈیو ٹیپ موجود ہے۔

جب جوڈیشل کمیشن بنا تو اس نے پہلے نعیم الحق پہ ملبہ ڈال دیا، پھر کہا کہ سیاسی بیان تھا۔

مجھے نجم سیٹھی سے ہمدردی نہیں، لیکن فرض کریں جوشیلے نوجوانوں میں سے کوئی دشمن سمجھ کر، نجم سیٹھی یا اس کے اہل خانہ کو کوئی نقصان پہنچا دیتا تو عمران خان کیا کہتا؟

دوسرا وعدہ کیا کہ "ظلم کے خلاف جہاد کروں گا" اس کی بابت اس کے قابل اعتماد جسٹس وجیہ الدین سے دریافت کرلیں یا اس کے نامزد کردہ احتساب کمیشن کے سربراہ، جنرل حامد سے، کہ آیا وہ ظلم کے خلاف رہا یا ظالموں کا پشت پناہ۔

تیسرا وعدہ کہ "اقتدار سے نہ خود فائدہ اٹھاؤں گا نہ کسی اور کو اٹھانے دوں گا "اس کا حشر بھی سامنے ہے۔اس نے پس پردہ، جہانگیر ترین کو صوبے کے وسائل حوالے کر کے اور پیش پردہ ریحام خان کو سٹریٹ چلڈرن کا ایمبیسیڈر بنا کر پورا کر دیا۔اگر ریحام خان کو میرٹ کی بنیاد پر یہ کردار دیا گیا تھا تو طلاق کے بعد بھی اس سے نہ چھینا جاتا، کہ یہ ظلم تھا۔مگر سب جانتے ہیں کہ صرف عمران خان کی بیوی ہونے ناطے ہی اسے یہ منصب ملا تھا۔

چوتھا وعدہ کہ "عوام کے ٹیکس کی حفاظت کروں گا۔" عوام کے ٹیکس کی حفاظت تو بعد کی بات ہے جب وہ وزیر اعظم بنے گا۔فی الحال تو تین سال سے عدالت اسے بلا رہی ہے کہ چندے میں گڑبڑ کا حساب دے،اور وہ تاریخ پہ تاریخ لے رہا ہے۔

پانچواں وعدہ کہ "ایسا وعدہ نہیں کروں گا جو پورا نہ کر سکوں "اس پہ ہنسنے کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے؟"اپنے لیڈر، آپ چنو والی قوالی" کی گونج ابھی باقی ہے۔

چھٹا وعدہ کہ "گورنر ہاؤس کو لائبریری بناؤں گا" یہ وعدہ بھی پورا نہ ہوا۔چلیں اگر یہ مشکل تھا تو وزیر اعلی ہاؤس کو لائبریری بنا دیتے۔اس میں کونسے پیسے خرچ ہوتے ہیں؟ وہ بھی نہیں ہو سکتا تھا تو 300 کنال کے بنی گالہ میں سے ہی ایک کونے کو لائبریری بنا دیتے۔اس میں تو نواز شریف آڑے نہیں آ سکتا تھا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

مگر یہ سب صرف رنگ بازی ہی تھی۔بہر حال ایک طرف معصوم کارکنان ہیں، جن کو سمجھ نہیں آتی کہ عمران خان کو کیسے ایک دیوتا ثابت کر دیں؟ کبھی قائد اعظم تو کبھی چی گویرا ثابت کریں گے۔ادھر لیڈر صاحب ہیں کہ کبھی تو خلافت راشدہ کا نظام لانے کا نعرہ لگاتے ہیں، کبھی ڈنکے کی چوٹ ایک معروف قادیانی کو فنانس منسٹر بنانے کے دعوے فرماتے ہیں (اور کنٹینر پہ کھڑے ہو کر اس کے نام کے اعلان کا کیا موقع تھا؟ کیا کسی کو پیغام دینا تھا......؟)

شوکت خانم ہسپتال:

عمران خان کے پروانوں کے پاس، ترپ کا پتہ شوکت خانم ہسپتال ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رفاہی ہسپتال، اگرچہ قوم کے چندے سے بنا ہے اور ہسپتال کے لئے زمین، نواز حکومت نے دی تھی تاہم بہر حال، اس کا سہرا عمران خان کے سر ہے۔

مگر سوشل ورکر اور لیڈر میں فرق ہوتا ہے اور رفاہی کام کرنے والے کو فقط اسی بنیاد پر حکومت کا حق نہیں دیا جا سکتا کہ اس نے خیراتی پرجیکٹ چلایا ہے۔حقیقی رفاہی کارکن اقتدار چاہتے ہی نہیں ہیں۔

بہر حال جس طرح عمران خان نے قوم کے چندے سے تعمیر کردہ اس ہسپتال کو اپنی ذاتی پروجیکشن کیلئے استعمال کیا ہے، اس سے وہ ایک لیڈر کی بجائے ایک سطحی آدمی کے طور پر اجاگر ہوا ہے۔ اپنے اقتدار کے آخری دنوں میں سخت سیاسی رقابت کے باوجود اے این پی کی حکومت نے پشاور شوکت خانم ہسپتال کیلئے زمین عطیہ کر کے اخلاقی برتری کا ثبوت دیا ہے۔ اس موقع پر میں نے عمران خان کی ہسپتال پالیکیس کو مندرجہ ذیل پیرائے میں بیان کیا:

جامع مسجد شوکت خان مرحوم:

ہمارے یار فرقان خان کی جوانی کیا گئی، نوکری بھی ساتھ ہی گئی اور شبانہ روز کے اللے تللوں نے زندگی مشکل کر دی۔ مگر بھائی فرقان بڑا تیز بندہ ہے، بہت سوچ بچار کے بعد اس نے ایک ایسا منصوبہ بنایا کہ "رند کے رند رہے، ہاتھ سے جنت نہ گئی" والا محاورہ اس پہ فٹ آتا ہے۔

دراصل ہمارے گاؤں میں جامع مسجد کی بہر حال ضرورت تھی۔ فرقان کی کمشنر صاحب سے سلام دعاء تھی۔ ان سے کہا کہ ہمارے گاؤں میں ایک جامع مسجد کی ضرورت ہے، اگر زمین مل جائے تو میں اپنی کچھ رقم سے یہ نیک کام کرنا چاہتا ہوں۔

کمشنر نے حکومتی زمینیں آپس میں بندر بانٹ کے لئے رکھی تھیں، مگر اس نیک کام میں ان کو بھی اپنی مغفرت نظر آئی اور اس ـــ نے زمین کے علاوہ کچھ رقم بھی فراہم کر دی۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersDaily

یوں تو فرقان اپنے والد شوکت خان کا ہمیشہ نافرمان رہا تھا (شادی بھی اسکی مرضی کے خلاف کی تھی) لیکن پلاٹ ملتے ہی اس نے والد کے نام سے "جامع مسجد شوکت خان مرحوم" کا بورڈ لگا کر چندہ مانگنا شروع کر دیا (والد کے نام کا استعمال، ایک جذباتی داؤ ہے)

مگر گاؤں کے لوگ سادہ طبیعت ہیں، وہ مسجد کا چندہ نام دیکھ کر نہیں دے رہے تھے، لیکن جب مسجد مکمل ہو گئی اور فرقان نے اس پر سپاہ صحابہ کا جھنڈا بھی لگا دیا تو کچھ لوگوں نے دبے لفظوں شکایت کی کہ مسجد سب گاؤں کے چندے سے بنی ہے، اس کو فرقہ واریت کی بھینٹ نہ چڑھایا جائے۔ لیکن وضع دار لوگ ہیں، پس بات زیادہ اچھالی نہیں۔

یوں تو فرقان اس مسجد کا مہتمم ہونے کے باوجود خود کوئی تنخواہ نہیں لیتا، تاہم اس کو دوسرے منافع بہت مل جاتے ہیں۔ سیاسی و مذہبی لیڈر اب اس مسجد کی وجہ سے اس کے دربار پہ حاضر ہوتے ہیں، اس کو اپنے ساتھ ملانے کو بہت نذرانے بھی پیش کرتے ہیں۔ نوجوان خاص طور پر فرقان پہ فدا ہیں، کیونکہ اس کے پاس

نوجوانوں کو کور جھانے کے کئی گر ہیں۔ مثلاً اٹھتے بیٹھتے دہراتا رہتا ہے کہ کوئی اور مائی کا لال ایسا نیک کام نہیں کر سکا، وغیرہ وغیرہ۔

مسجد کے چندے کا حساب وہ کبھی نہیں دیتا، البتہ اگر کچھ لوگ مسجد کے چندے میں گڑبڑ کی بابت سوال اٹھاتے ہیں تو وہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ بھائی میں تو کوئی تنخواہ ہی نہیں لیتا۔ غرض وہ مسجد اب اس کا سیاسی ڈیرہ اور مالی آمدن کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اور اس کی پانچوں گھی میں ہیں۔

اب فرقان اگرچہ خود ایک بڑے شہر میں کئی کنال کے گھر میں رہتا ہے مگر پچھلے دنوں پھر کمشنر صاحب سے ملا اور ان سے دوسرے گاؤں میں بھی باپ کے نام پر جامع مسجد بنانے کی زمین الاٹ کروالی ہے۔

فرقان کی اس روز افزوں کامیابی کے پیچھے اس کی یہ ذہانت ہے کہ اس نے گاؤں کے تھانیدار کو ساتھ ملایا ہوا ہے جو زیادہ مین میخ نکالنے والوں کے کما حقہ علاج کا بندوبست کرتا رہتا ہے۔

دعا کریں کہ خدا باقی پتھر دل لوگوں کو فرقان خان کی طرح نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ:

ع ایں سعادت بزور بازو نیست

مضمون ختم ہوا۔

Fb.com/OfficialUmmat
Fb.com/JUIAnswersBack

ایک عجیب بات آپ نے نوٹ کی ہوگی کہ ماں کے نام پہ ناز کے برعکس، عمران خان اور الطاف حسین صاحب دونوں حضرات اپنے والد صاحبان کا تذکرہ نہیں کیا کرتے۔ الطاف صاحب کے والد پنجابی تھے اور خان صاحب کے والد، محکمہ زراعت کے سرکاری ملازم۔ کیا اس بارے مزید باز پرس، دونوں حضرات کی طبیعت پہ گراں گذرتی ہے؟

عمران خان، منفرد سیاستدان:

راقم، عمران خان کو لیڈر تو کیا ایک عام سیاسی کارکن بھی ماننے کو تیار نہیں۔ آپ پوچھیں گے کہ اس پر اتنے صفحے کالے کرنے کی ضرورت کیوں ہوئی؟ تو اس پہ ذرا وضاحت کر دوں۔

عمران خان جیسے خوش فہم آدمی کو پاکستانی سیاست میں کوئی اہمیت تھی ہی نہیں۔ تاہم 2011ء میں اچانک اس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی اور اب یہ ماننا پڑے گا کہ گذشتہ تین برس سے پاکستان بھر کا میڈیا، سیاست، موضوع گفتگو، عمران خان پر مرکوز ہو کر رہ گیا ہے۔ مگر یہ ہرگز اس بات کا ثبوت نہیں کہ عمران خان بہت عظیم لیڈر رہے۔ ضروری نہیں کہ کسی کا موضوع گفتگو ہونا اس کی اچھائی کا ثبوت ہو۔

ایک گاؤں میں نیا سکول ٹیچر آیا۔ ہر ایک سے خلیق، ہر ایک کا مددگار۔ گاؤں کے بچوں کو مفت پڑھانا

شروع کیا۔ گاؤں بھر کا موضوع، اس استاد کی ذات ہے۔ اسی گاؤں میں ایک ننگ دھڑنگ نشئی گھس آیا۔ ہر ایک کو گالی، ہر ایک کے پیچھے پتھر لے کر دوڑ رہا۔ یہ بھی تو گاؤں بھر کا موضوع ہے نا۔ خواہی نہ خواہی ہر بیٹھک پہ اس آدمی کا تذکرہ ہے کیونکہ ہر شریف آدمی، اس سے اپنے کپڑے بچاتا پھر رہا ہے۔

لیڈر بنائے نہیں جاسکتے بلکہ لیڈر پیدائشی ہوا کرتے ہیں۔ میڈیا، ایجنسیاں، پیسہ وغیرہ کی کمک ایک لیڈر کو نمایاں تو کر سکتے ہیں لیکن جو ازلی لیڈر نہ ہو، اسے دنیا بھر کی ایجنسیاں مل کر بھی لیڈر نہیں بنا سکتیں۔

جب میرا بیٹا دو سال کا تھا، اسے چچا نے کندھے پہ اٹھایا تو وہ کہنے لگا میں ابو سے اونچا ہو گیا ہوں۔

جنرل حمید گل اور جنرل پاشا کے مشترکہ کندھوں پر چڑھ کر عمران خان خود کو سب لیڈروں سے بڑا لیڈر سمجھنے لگ گیا ہے۔ جنس بدلنے سے ادائیں نہیں بدلی جاسکتی۔

لیکن خدا کو جان دینی ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ پاکستانی سیاست میں، عمران خان کو بہرحال ایک خاص انفرادیت حاصل ہے۔ عمران خان اس اعزاز میں یکتا ہے کہ وہ خود کو پاکستان کا سب سے مقبول اور سب سے زیادہ نامقبول سیاستدان ثابت کر چکا ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کا وہ واحد سیاستدان تھا جسے بیک وقت قومی اسمبلی کے چار حلقوں سے عوام نے کامیاب کرایا تھا، اس کے بعد دوسرے نمبر پہ ایسے لیڈرز ہیں جو بیک وقت، قومی اسمبلی کے تین حلقوں سے کامیاب ہوئے ہیں۔ پاکستان کی تاریخ میں ایسے تین سیاستدان ہیں یعنی جاوید ہاشمی، مولانا فضل الرحمٰن اور عمران خان۔ ظاہر ہے کہ تین حلقوں سے بیک وقت جیتنا، عوامی مقبولیت کی علامت ہے۔ جس میں عمران خان کے علاوہ دو اور شخصیات بھی شامل ہیں۔

مگر یہ اعزاز صرف اور صرف عمران خان کو حاصل ہے کہ قومی اسمبلی کے بیک وقت آٹھ حلقوں سے بطور امیدوار کھڑا ہوا اور آٹھوں حلقوں سے بیک وقت بری طرح شکست کھائی۔

اس سے ملتی جلتی ایک اور مثال بھی ہے۔ جب طاہر القادری کی عوامی تحریک نے بھی اپنے ظہور کے وقت، اچانک ہی مینار پاکستان پہ تاریخ ساز جلسہ کیا تھا اور اس کے بعد کے الیکشن میں پاکستان کے 125 حلقوں سے امیدوار کھڑے کئے تھے، جو پیپلز پارٹی کے بعد دوسرے نمبر پہ تعداد تھی۔ لیکن کوئی ایک بھی قومی یا صوبائی سیٹ نہ جیت سکے۔

اور ایک منفرد اعزاز امیر جماعت اسلامی، قاضی حسین احمد مرحوم کا ہے، جو "ظالمو! قاضی آرہا ہے" کے نعرے کے ساتھ تین قومی سیٹوں پہ کھڑے ہوئے، تینوں میں ہارے۔ لیکن کراچی والی سیٹ کا نتیجہ ایک منفرد ریکارڈ ہے جہاں ان کے حریف ایم کیو ایم کے کنور نوید کو 1 لاکھ 80 ہزار ووٹ پڑے اور قاضی

صاحب کو 3 ہزار ووٹ۔ایسے اعزازات کے حامل سیاستدانوں کو منفرد نہیں "وکھرا" کہا جاتا ہے، کیونکہ ایسی انفرادیت سے عظمت ثابت نہیں ہوا کرتی۔

عمران خان اور سوشل میڈیا:

عمران خان کو عظیم ثابت کرنے میں فقط سوشل میڈیا کا ہاتھ ہے اور یہ ماننا پڑے گا کہ جن لوگوں نے ان کو سوشل میڈیا کے داؤ پیچ سکھائے، وہ جنگی پلان کی تربیت ضرور حاصل کر چکے ہوں گے (اگر چہ تھیوری اور پریکٹیکل میں فرق ہوتا ہے)

آج کل عمران خان کی کریڈیبلٹی کافی ڈاؤن ہے، پس اس کے حامیوں کی نئی سٹریٹجی یہ ہے کہ سوشل میڈیا پہ روزانہ کم از کم پانچ پوسٹیں شیئر کرتے ہیں، جن میں سے دو قرآن وحدیث پر مبنی ہوتی ہیں (تاکہ سچائی کا تاثر قائم ہو) دو نواز لیگ کے خلاف اور ایک عمران کو مسیحا ثابت کرنے کے لئے۔جس کے لئے خیبر پختونخوا کے فوٹو شاپ پراجیکٹس کی تصاویر شامل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

آپ آج کل ان سے (سوشل میڈیا پہ) گفتگو کریں تو یہ پہلے کہیں گے کہ ہم تو کسی پارٹی سے تعلق نہیں رکھتے اور اس کے بعد عمران کے ہر مخالف پر کیچڑ اچھالنا شروع کر دیں گے۔سوشل میڈیا، عمران خان کے حامیوں کے ہاتھ کیا آیا، گویا بندر کے ہاتھ استرا آ گیا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

ایسے ہی سطحی لوگوں نے مولانا کو بدنام کرنے ایک ویڈیو بنائی، مگر وار الٹا پڑ گیا۔ویڈیو میں یوں ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن کسی ائرپورٹ پر اتر چکے ہیں (ظاہر ہے کسی کے مہمان ہیں) استقبال کرنے والوں کے ساتھ، ایک "پڑھا لکھا" پختون بھی موجود ہے (کیونکہ اس نے پینٹ شرٹ پہن رکھا ہے) یہ صاحب بطور خاص اس موقع کی ویڈیو بنانے کا انتظام کر کے آئے ہوئے ہیں۔

بہر حال، اس پڑھے لکھے شفتالو نے مولانا سے ہاتھ ملاتے ہی سوال داغ دیا کہ آپ ہر حکومت کے ساتھ ہوتے ہیں، آپ نے پختونوں کے لئے کیا کیا؟ پختون کی حالت کب بدلے گی؟"

آنے والے مہمان سے، کسی کے گھر پہنچتے ہی کوئی پختون تو ایسا سلوک بہر حال نہیں کرتے کیونکہ یہ مہمان کی نہیں، میزبان کی بے عزتی ہوتی ہے جو پختون روایات کے خلاف ہے۔

ہوتا یوں ہے کہ مولانا نے ائرپورٹ کے بعد کسی ہوٹل یا حجرہ میں خطاب بھی کرنا ہوتا ہے اور وہاں اطمینان سے سوال و جواب بھی ہوتے ہیں، اس "پڑھے لکھے" نمونے کو چٹائی نشین مولوی کا مسکت جواب سنیں۔کہا "جب پختونوں کو یہ عقل آئے گی کہ کونسی بات، کس موقع پر کرنی ہے؟"

اس ویڈیو کے بنانے والے کا خیال تھا کہ مولانا ان کے لیڈر عمران خان کی طرح کم ظرف ہوگا جو پریس کانفرنس میں صحافی کے منطقی سوال پر بھی اس کو ڈانٹنے لگا (اور بعد میں معذرتیں کرتا پھرے گا) خیر، موصوف کا من پسند ہنگامہ ریکارڈ نہ ہوسکا۔ اگرچہ اس ویڈیو کو پھیلانے میں بھی انصافی دوستوں نے کافی محنت کی۔ الٹا، سنجیدہ لوگوں کو مولانا کا برجستہ جواب پسند آیا۔

کچھ بار لیش انصافی بھی ہوتے ہیں، جن کا نشانہ مولانا فضل الرحمٰن کی ذات ہے، ان میں سے کچھ تو منیٰ اور عرفات میں نعرے لگاتے پھرتے ہیں، مگر ایسے انصافی، مولانا کو ملفوف گالیاں دینے سے پہلے یہ ضرور کہیں گے کہ ہم مفتی محمود صاحبؒ کی عظمت کے قائل ہیں۔ حالانکہ یہ فقط رنگ بازی ہوتی ہے، ان کے ہی آباؤ اجداد، مفتی محمود مرحوم کو گالیاں دیتے ہوئے یہی کہا کرتے تھے کہ: ہم مولانا اشرف علی تھانوی کے عظمت کے قائل ہیں"

بہر حال، عمران خان کے لئے امید کی آخری کرن سوشل میڈیا ہے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ اب سوشل میڈیا کا میدان بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن اور عمران خان:

اگرچہ عمران خان کا فتنہ پلان (جسے وہ سونامی کا نام دیتا ہے) مشرقی اقدار کے لئے زوال اور بالخصوص خیبر پختونخوا کیلئے بدبختی کا موجب ہے، مگر مولانا فضل الرحمٰن کیلئے غیبی امداد بن گیا ہے۔

خود سوچئے کہ بظاہر کرپشن کو ختم کرنے کے نعرے کیساتھ تحریک انصاف کی حکومت بنی، اپنے بے لاگ احتساب کا ادارہ بنایا، اے این پی کے سینیٹر، سابق وزیر اعلیٰ حیدر ہوتی، خود اپنے وزرا اور افسران کو کرپشن کے الزامات کے تحت گرفتار کرنے کے ڈرامے رچانے کے بعد یوٹرن لے لیا مگر مولانا فضل الرحمٰن کی بدترین دشمن حکومت عرصہ تین سال میں مولانا تو کیا، جمعیت کے ضلعی لیول کے کسی راہنما تک کو کرپشن پر گرفتار نہ کرسکی۔ بلکہ گرفتاری تو دور کی بات، کرپشن کا خالی الزام بھی نہ لگاسکی تو کیا یہ خدائی امداد نہیں؟

اگر صوبے میں عمرانی حکومت نہ ہوتی تو میڈیا کے پھیلائے گند کی وجہ سے شاید اپنے کارکنان بھی مولانا بارے متردد ہوجاتے۔ چنانچہ عمران خان مولانا کیلئے رحمت ثابت ہوا ہے۔

خدا کی قدرت دیکھئے کہ ایک طرف دشمن کے ہاتھوں مولانا کی امانت کی گواہی دلا رہا ہے، تو دوسری طرف آئے روز اپنے ہی ہم پیالہ دوستوں کے ہاتھوں عمران خان کے کرتوت فاش ہورہے ہیں۔

ایک بار ایک انصافی دوست نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا" کیا آپ عمران خان کو دیانتدار نہیں سمجھتے؟"

عرض کیا" بھائی! کوئی دوسرا نہ بھی کہے تو میں عمران خان کو ضرور دیانتدار کہوں گا۔ وہ اس لئے کہ پہلی بار 1996 میں ڈیزل سپلائی میں مولانا کا نام آیا، پھر 1998 میں نواز شریف کے ایماء پر اے این پی نے باقاعدہ اسے مہم کی شکل دے کر مولانا ڈیزل نام مشہور کیا۔ پھر اس الزام کے چھ سال بعد، یعنی 2002ء میں مشرف دور میں وزارت عظمی کے لئے تین امیدوار میدان میں تھے۔ ظفر اللہ جمالی، امین فہیم اور مولانا فضل الرحمٰن ۔ اوپن ووٹنگ تھی، عمران خان نے اپنا ووٹ مولانا فضل الرحمٰن کو دے کر مولانا کو ایک دیانت دار اور اہل لیڈر قرار دیا تھا۔"

اگر ایسا ہے تو دوبارہ عمران خان نے اسے مولانا ڈیزل کہنا کیوں شروع کر دیا؟

"اگر وہ ایسا نہ کرے، تو پھر اور کیا ثبوت ہے کہ وہ عمران خان ہے؟

مگر معصوم انصافی کارکن، کہاں کہاں سے دلائل اٹھا کر، عمران خان کی مولانا فضل الرحمٰن پہ برتری ثابت کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً ایک خاصے معقول صاحب نے فرمایا: آپ عمران اور مولانا کا تقابل کرتے ہو حالانکہ عمران وہ واحد لیڈر رہے جسے اعزازی طور پر بریڈفورڈ یونیورسٹی نے وائس چانسلر کا عہدہ دیا ہے۔

عرض کیا: ہمارا تقابل بطور سیاستدان ہو رہا ہے، عمران خان چند دیگر شعبوں میں بھی ممتاز ہے۔ تو کیا ہر بات میں تقابل کریں؟ یعنی مولانا سے پوچھا جائے کہ کتنے رنز بنائے ہیں یا عمران سے پوچھا جائے کہ کتنے جمعے پڑھائے ہیں؟ رہی مغربی دنیا کے اعزازات کی بات، تو وہ چاہے ملالہ کا نوبل پرائز ہو یا عبید شرمین کا آسکر ایوارڈ، ہمارے لئے کچھ وقعت نہیں رکھتے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

کہنے لگے: لیکن تعلیم تو بہر حال ہر سوسائٹی کیلئے قابل احترام شعبہ ہے، کیا آپ نہیں سمجھتے کہ ایک غیر ملکی یونیورسٹی اگر ہمارے ایک سیاستدان کو اس قدر عزت دیتی ہے تو یہ پورے پاکستان کیلئے عزت ہے؟

عرض کیا: تقابل اگر یونیورسٹی کے اعزاز پر ہے تو انڈیا کا دار العلوم دیوبند، بریڈفورڈ یونیورسٹی سے کہیں زیادہ معزز ہے۔ انہوں نے اپنے یکے از صد سالہ تقریبات میں مولانا فضل الرحمٰن کو بطور مہمان خصوصی بلا کر عزت افزائی فرمائی تھی۔ اس بارے آپ کیا کہیں گے؟۔

اب موصوف نے اگلا اعزاز بتایا کہ: میرے لیڈر کی تصویر ٹائم رسالے کے سرورق پہ چھپی ہے۔ دنیا کی 100 پر اثر شخصیات میں اس کا نام آیا ہے۔

عرض کیا: میرے لئے اس میں یہی بات کافی ہے کہ تیرے لیڈر نے، میرے لیڈر کو اپنا لیڈر مانا ہے جب 2002ء میں وزارت عظمی کیلئے اپنا ووٹ مولانا فضل الرحمٰن کو دیا ہے۔

پینترا بدل کر فرمایا: یہ تو اس کا ظرف ہے، مولانا میں اتنا ظرف نہیں کہ اس کو لیڈر مان سکے۔

عرض کیا: محترم! یہ ظرف کی نہیں، دنیا کے دستور کی بات ہے کہ کارکن، لیڈروں کو فالو کیا کرتے ہیں، لیڈر کبھی کارکنوں کو فالو نہیں کیا کرتے۔

بعض انصافی دوست تو مولانا فضل الرحمٰن بارے اس قدر گندی زبان استعمال کرتے ہیں کہ الامان والحفیظ (پی ٹی آئی کے پنجاب کے علماونگ کے صدر مفتی عبدالقوی کی عزت افزا ویڈیوز کے علی الرغم بھی)

ایک انصافی دوست نے فرمایا: جتنی محنت مولانا فضل الرحمٰن نے نواز شریف اور زرداری کو بچانے کیلئے کی ہے، اتنی عوام کی فلاح کیلئے کرتا تو آج اس کی کوئی عزت ہوتی۔

ایک طرف انصافی حضرات، مولانا کی کوئی حیثیت ماننے کو تیار نہیں، دوسری طرف وہ مولانا کی وجہ سے نواز شریف حکومت کی بقاء سمجھتے ہیں۔

عرض کیا "اس اعتراف کا شکریہ کہ مولانا فضل الرحمٰن اس ملک کا وہ طاقتور ترین آدمی ہے جس کی وجہ سے زرداری اور نواز شریف آج تک بچے ہوئے ہیں۔ مجھے کہنے دیجئے کہ "انگلی دہندہ" و "انگلی کنندہ" نے بھی جتنی محنت نواز شریف کو ہٹانے کیلئے کی، اتنی عوام کی فلاح کیلئے کرتے تو آج ان کی کوئی عزت ہوتی۔

اب عزت داری کی طرف آیئے!

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JamiatIsBack

تین قسم کی عزت ہوتی ہے، ایک دنیاوی عزت جو قوموں کے لیڈر دوسرے لیڈروں کو دیا کرتے ہیں۔

ایک دین داروں کی طرف سے عزت ہے، جو اللہ والے کسی کو دیتے ہیں۔

تیسری ان نیچ طبقات کی عزت ہے جو ہماری سوسائٹی میں کنجر برادری کہلاتی ہے۔ جیسے آوارہ لڑکیاں، کسی دادا برابر بندے کو لو میسیج کے پبلک ویڈیو بھیجا کرتی ہیں۔

آپ ان میں سے کس عزت کی بات کر رہے ہیں؟ بفضل خدا پہلی دو عزتیں تو مولانا کو حاصل ہیں۔

کہنے لگے: میں تو اللہ والوں کی عزت کی بات کرتا ہوں، مگر مولویوں کی نہیں بلکہ تبلیغ والے بزرگوں کی بات کرتا ہوں۔

عرض کیا: آپ کو تو پتہ ہے نا کہ تبلیغی جماعت کے امیر حاجی عبدالوہاب صاحب، مولانا کے گھر ڈیرہ اسماعیل خان ملنے گئے تھے؟۔

کہنے لگے: وہ تو مولانا کو ڈانٹنے گئے تھے۔

عرض کیا: چلو یہی سہی۔ کوئی قلبی تعلق تھا تو مرکز کی مصروفیات سے وقت نکال کر مولانا کے گھر گئے تھے۔

اس پہ فرمانے لگے: یوں تو مولانا طارق جمیل بھی گئے تھے عمران خان کے پاس۔

عرض کیا: مولانا طارق جمیل صاحب بہت جگہوں پہ جایا کرتے ہیں۔ خیر عمران خان سے ملاقات

بارے ان کا کہنا ہے کہ حج کی دعوت دینے گئے تھے، جو اس نے قبول بھی کر لی (اور حسب عادت یوٹرن بھی لے لیا) تو کیا حاجی صاحب، مولانا کو حج کی دعوت دینے گئے تھے؟

انصافی کہنے لگا: آپ کسی اور طرف چلے گئے ہیں، پس بحث نہیں کرتے۔

راقم کا دعویٰ ہے کہ انصافی دوست جن خبروں کی بنیاد پر مولانا کو بدنام کیا کرتے ہیں، ان کا ثبوت تو کیا ان کو توڑ مروڑ کر بھی درست ثابت نہیں کر سکتے۔

جب کوئی اور دلیل نہ ملے تو مرغے کی وہی ایک ٹانگ یعنی افغان جہاد اور مولویوں کے ڈالر کا قضیہ چھیڑ بیٹھتے ہیں۔ مگر یہ دلیل بھی مولانا کے خلاف استعمال نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اگر امریکی ڈالرز، جہادی ملا اور جنرل ضیا کو رکھ کر مثلث بنانی ہے، تو یاد رہے کہ مولانا فضل الرحمٰن جنرل ضیاء کے زمانے میں معتوب اور محبوس تھا، مگر اس زمانے میں فوجیوں کے ہمراہ جو مُلا پیش پیش تھے، ان کے مدرسے کو عمران خان نے مزید سرکاری رقم فراہم کر کے گویا اس عمل کی تائید کر دی ہے (اگرچہ یہ بھی ان کو خریدنے کے لئے ناٹک کیا گیا ہے) بہرحال، مولانا فضل الرحمٰن بارے گندی زبان استعمال کرنے والے، چند منٹ بھی منطق و دلیل کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

باب چہارم:

مولانا فضل الرحمٰن سے میرا ذاتی اختلاف

مولانا کی بہت سی پالیسیوں سے میرا اختلاف رہا ہے۔ دینی جماعتوں پر معقول اعتراضات اٹھانا اور ان کو اچھا مشورہ دینا بھی آپ کی دینی ذمہ داری ہے، تاہم اس اختلاف کے بھی اپنے آداب ہیں۔ آپ کو کسی دوست سے اختلاف ہو تو پہلے اسے تنہائی میں متوجہ کرو، اگر آپ کا اعتراض اس کے ذاتی فائدے نقصان سے تعلق رکھتا ہے تو پھر نصیحت کرنے کے بعد آپ کی ذمہ داری ختم۔

اگر آپ کا اعتراض، اجتماعی کام کے سلسلے میں ہے اور خلوت میں آپ کی بات پہ کان نہیں دھرا جا رہا تو اعلانیہ اپنا اختلاف بیان کرو۔ مگر جماعت سے جدا ہونا تو کوئی بات نہ ہوئی۔ اگر آپ اپنے ہم نظریہ ساتھیوں کی جماعت میں رہ کر ان کی اصلاح نہیں کر سکتے تو اپنے نظریہ کے مخالفین کے ساتھ مل کر اور ان کو مضبوط کر کے بھلا کیا دینی خدمت کریں گے؟ البتہ اگر آپ نے نظریہ ہی بدل لیا ہے یا آپ کی پوری جماعت نے اپنا نظریہ بدل لیا ہے تو پھر کھلی مخالفت میں حرج نہیں۔

تبلیغی جماعت اور جمعیت علما اسلام دونوں میرے لئے عزیز ہیں، ان کی بھلائی اور ترقی کیلئے میرے ناقص ذہن میں کئی مشورے آتے رہتے ہیں۔ اسی طرح بعض باتوں پہ اشکال بھی وارد ہوتا ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

فرصت کے زمانے میں راقم رائے ونڈ مرکز اور مولانا فضل الرحمٰن کو خطوط لکھا کرتا تھا: مثلاً میں نے کافی سال پہلے مولانا کو خط لکھا تھا کہ: ”آج کل ملکی سیاست میں ایک نیا طبقہ بھی کافی اثر انداز ہونے لگا ہے اور وہ ہے بیرون ملک کام کرنے والے پاکستانی۔ جن کے خاندان کے ووٹ ان کے ہی مرہون منت ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی دلجوئی آپ کو خاصے ووٹ دلوا دے گی اور یہ آسان بھی ہے۔ پریس میں کبھی کبھار انکے مسائل بارے سیمینار کرنا اور بعض شہروں میں یورپی سہولیات سے آراستہ جمعیت کی طرف سے باپردہ گیسٹ ہاس مہیا کرنا، جس میں دین دار فارن ریٹرن چھٹیوں میں آ کر ٹھہر سکیں۔ یہ گیسٹ ہاؤس بھلے مفت میں نہ ہوں مگر اس سے جمعیت کا جدید امیج ابھرے گا کہ وہ اس کمیونٹی کا بھی احساس رکھتے ہیں۔

اسی طرح مجھے بعض چیزوں پہ اختلاف بھی ہوتا ہے۔ مثلاً ایک متشرع حلیہ کے خوش نوا شاعر ہیں جن کو شاعر جمعیت سمجھا جاتا ہے۔ یہ صاحب ایک طرف مزاحیہ شاعر مشہور ہیں اور یوٹیوب ویڈیوز میں دیکھا جا سکتا ہے کہ یہ لڑکیوں کے مجمع میں انڈین اداکاراؤں کے نام پہ ترنم جگا رہے ہیں اور داد پا رہے ہیں۔ تو

دوسری طرف جمعیت کے جلسوں میں فحاشی کے خلاف نظمیں بھی پڑھا کرتے ہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن کو یہ صاحب پسند ہیں۔ ایک تو شاید اس وجہ سے کہ ان کے والد گرامی کی جمعیت کیلئے بہت خدمات رہی ہیں اور مولانا جمعیت کے کارکنان کے بچوں کو بھولتا نہیں۔ دوسرے، میرا گمان ہے کہ جناب سلمان گیلانی کی شاعری کے دوسرے پہلو کا مولانا کو پتہ ہی نہیں ہوگا۔

ہمارے بچپن میں، پنجابی کا ایک گانا مشہور تھا "نبواں دا جوڑا" جو ہم جیسے تلنگوں کو ازبر تھا۔ حضرت درخواستی مرحوم ڈیرہ تشریف لائے تو ایک نوجوان نعت خوان شاعر نے اسی طرز میں منقبت پیش کی کہ: ''عاشقاں دا جوڑا، نال ستا دلدار دے''۔ طرز اچھی تھی، حضرت درخواستیؒ نے دوسری بار بلا کر سنا، ہم کو ہنسی آرہی تھی مگر حضرت کو کیا معلوم کہ اس ہنسی کی وجہ کیا ہے؟ (ویسے گانوں کی طرز پہ نعتیں پڑھنا بھی کوئی قابل تحسین عمل نہیں ہے)

جمعیت میں آج کل بہت سے موقع پرست لوگ بھی گھس گئے ہیں، جو مولانا سے اپنا کام کرا لیتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے ان لوگوں کے ساتھ تعلق بننے کا سبب، خود جمعیت کے سادہ لوح مولوی ہی ہوا کرتے ہیں۔ موقع پرست مافیا جو خوشامد اور کام نکالنے کے طریقوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتی، پہلے جمعیت کے غریب مگر مخلص مولوی کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر مولانا کی زیارت کیلئے لاتے ہیں، مولوی بیچارہ گاڑی کی سواری کے احسان کا مارا ہوا، مولانا کو خان صاحب کی دین دوستی اور جمعیت دوستی کے قصے سناتا ہے، اگلی بار خان صاحب خود اپنا راستہ بنا چکے ہوتے ہیں اور مولانا نبی تو ہے نہیں کہ دلوں کا حال جھانک سکے۔ سرکار دو عالم کی حدیث کا مفہوم ہے کہ تم میں سے دو آدمی میرے پاس فیصلہ کرانے آتے ہو اور ایک اپنی چرب زبانی سے اپنے حق میں فیصلہ کرالے تو یہ نہ سمجھے کہ جیت گیا ہے، خدا کے ہاں قیامت میں پکڑا جائے گا۔

یہ حدیث بھی ہر کارکن کے پیش نظر رہے جس کا مفہوم ہے کہ: خدا اپنے دین کا کام کبھی بے دینوں سے بھی لے لیا کرتا ہے'' مگر اس حدیث کو سوچتے ہوئے آپ کے ذہن میں بھٹو جیسے داڑھی منڈے ہی نہ آئیں بلکہ اپنی ذات پہ بھی ڈرتے رہا کریں کہ کہیں ہم تو بے دینوں میں شامل نہیں؟

آمدم برسر مطلب!

اب میں مولانا سے اپنے ان اختلافات کا ذکر کرتا ہوں، جن پر آج بھی قائم ہوں۔

مولانا فضل الرحمٰن سے پہلا علانیہ اختلاف:

مولانا سے میرا پہلا علانیہ اختلاف، عمران خان کو یہودی ایجنٹ کہنے پر ہوا تھا۔

Fb.com/OfficialJamaat
Fb.com/JUIAnswersBack

اسلام نے جماعت کے افراد کو امیر سے آداب کے دائرے میں اختلاف کا حق دیا ہے لیکن یہ کہ جب ایک مشورہ طے پا جائے تو اس کو ماننا بھی ضروری ہوتا ہے۔ مولانا سے 35 سالہ سیاسی زندگی میں کئی غلطیاں بھی ہوئی ہوں گی (یا مجھے ایسا لگا ہوگا) لیکن میری کوشش رہی کہ اپنا موقف، جماعت کے ذمہ داروں تک پہنچا دوں اور بس (آدمی گھر کے کپڑے گلی میں نہیں لٹکاتا)

لیکن عمران خان کے بارے مولانا کے بیان پر میں نے سخت ردعمل دیا، اس کا تفصیلی پس منظر آپ کے سامنے رکھتا ہوں تاکہ سارے معاملے کا ہر پہلو واضح ہو جائے، امید ہے آپ اس سے مستفید ہوں گے۔

دیکھیے! پہل مولانا نے کی تھی، عمران خان نے نہیں۔ عمران خان کے ایجنڈے میں مذہبی قوتوں سے بگاڑ نہیں تھا۔ عمران خان نے صرف زرداری اور نواز شریف کو ٹارگٹ کیا ہوا تھا، لیکن مولانا نے اسے یہودی ایجنٹ قرار دے کر جنگ چھیڑ دی۔

مجھے اس پر حیرت ہوئی کیونکہ ایک تو مولانا کے سیکولر اور نرم مزاج کے پیش نظر مجھے اس سخت حملے کی امید نہیں تھی۔ دوسرے، میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا تھا، کیونکہ اس وقت مولانا کے جلسے عمران خان کے جلسوں سے زیادہ بڑے نہیں تو ہم پلہ ضرور تھے۔ اس وقت تک مولانا کا نواز شریف سے اتحاد بھی نہیں بنا تھا، بلکہ نواز شریف نے ڈیرہ میں اس کے بھائی کے مقابل معروف میانخیل خاندان کو ٹکٹ دیا ہوا تھا۔

میری تشویش پر مولانا عبید الرحمٰن کا مسیج کسی واسطے سے ملا کہ خود گھر میں بھی مولانا کو اس ایشو پر روکا جاتا ہے مگر وہ اس پہ سننے کو تیار نہیں۔ مولانا کے مدرسے کے ایک غیر سیاسی مفتی صاحب سے بات کی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ مولانا کی کوئی اپنی کشفی چیز لگتی ہے، جس کی ہمیں سمجھ نہیں آتی۔

Fb.com/Official.Jamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

صاف ظاہر ہے کسی کی کشف یا مزاج پہ فتوے نہیں مانے جاسکتے۔

یہاں میں ایک ضروری بات واضح کردوں کہ" تحریک انصاف کو ووٹ دینا حرام ہے" والا فتوی، مولانا فضل الرحمٰن نے نہیں دیا تھا اور نہ ہی وہ مفتی ہے۔ میری معلومات میں یہ فتویٰ علامہ ڈاکٹر شیر علی شاہ مرحوم نے دیا تھا جو مولانا سمیع الحق کے دار العلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث تھے، جس مدرسے کو عمران خان نے 30 کروڑ کی امداد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ لگے ہاتھوں، میں اس فتوی کی کہانی بھی بیان کردوں کہ حضرت شیخ نے پہلے یہ فتوی دیا، پھر واپس لیا اور پھر دوبارہ دیا تھا۔

ہوا یوں کہ قادیانیوں کے خلیفہ مرزا طاہر کا ایک ویڈیو بیان سامنے آیا جس میں وہ اپنی ایک پیروکار جو لندن پی ٹی آئی کی آفس ہولڈر تھی، کو بتا رہے ہیں کہ عمران خان نے اپنا بندہ میرے پاس سپورٹ حاصل کرنے بھیجا تھا۔ جس کے بدلے آئین سے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے والی آئینی شق ختم کرانے کا

وعدہ کیا تھا۔اس کلپ کی تصدیق ہوگئی تو حضرت شیخ شیر علی شاہ نے مذکورہ فتوی دیا،اس کے بعد عمران خان نے خود جاکر حضرت شیخ سے ملاقات کی تو انہوں نے فتوی واپس لے لیا۔اور کچھ عرصے بعد دوبارہ وہی فتوی دیا اور وجہ بیان کی۔انہوں نے کہا کہ عمران خان میرے پاس آیا تھا اور بتایا کہ وہ قادیانیوں کو کافر سمجھتا ہے۔میں نے کہا کہ آپ مرزا طاہر کے بیان کے جواب میں بیان ریکارڈ کرائیں کہ یہ جھوٹ ہے،اس نے یہ وعدہ کرلیا اور میں نے فتوی واپس لے لیا،لیکن ایک ماہ گذرنے کے باوجود وہ علی الاعلان تردید نہیں کررہا ۔تو دال میں کچھ کالا ہے، پس میرا پہلا فتوی قائم ہے۔

خیر، واپس موضوع کی طرف آتے ہیں کہ مولانا فضل الرحمٰن نے عمران خان کو یہودی ایجنٹ کہا، اگر ایک پارٹی کسی استعمار کے خلاف نعرے پر کام کررہی ہو، چاہے پنجابی استعمار کے خلاف ہو یا صیہونی استعمار کیخلاف، تو اس سامراج کے گماشتوں کو للکارنا اس کی مجبوری ہوا کرتی ہے۔ پہلے تو میں نے سمجھا کہ مولانا کا بیان پاکستانی سیاسی رواج کا حصہ ہے جس میں ایک دوسرے کو امریکی کارندہ، روسی پٹھو، انڈیا کا یار وغیرہ کہا جاتا ہے۔اگرچہ مولانا کی سنجیدہ سیاست سے یہ بھی امید نہیں تھی۔لیکن جب ایک ٹاک شو میں مولانا سے پوچھا گیا کہ آپ کے دعوے کی کیا دلیل ہے؟ تو مولانا نے جواب دیا کہ اس کا ثبوت میں خود ہوں، میں علماء کی ایک بڑی جماعت کا امیر ہوں تو کیا آپ کا خیال ہے کہ میں ایسی غیر ذمہ دارانہ بات بغیر ثبوت کے کرلوں گا؟

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

پہلے تو مجھے مولانا کی اس بات پہ بڑا غصہ آیا کہ کیا آپ نبی ہیں، جو صرف آپ کے کہنے پہ بلا دلیل ایمان لایا جائے۔مگر کچھ عرصہ سوچنے کے بعد مجھے مولانا کی اس بات پر حق نواز جھنگوی شہید یاد آئے جب انہوں نے (غالباً ۱۹۸۸ء میں ڈیرہ اسماعیل خان ڈسٹرکٹ بار میں تقریر کی تھی) وکیلوں سے خطاب کرتے ہوئے مولانا جھنگوی نے فرمایا تھا:"میں شیعہ کو کافر کہتا ہوں جس سے ملک کے حالات خراب ہوتے ہیں، آج کل چوکوں پر مناظروں کا دور نہیں رہا بلکہ سپریم کورٹ کی ٹیبل پر فیصلے ہوتے ہیں۔پاکستان کا کوئی شیعہ مجھ پر عدالت میں رٹ دائر کرے کہ ہم مسلمان ہیں اور یہ آدمی ہم کو کافر کہتا ہے۔اگر کوئی شیعہ نہیں کرتا تو حکومتِ پاکستان مجھ پر مقدمہ کرے کہ یہ آدمی ہمارے ملک کے مسلمان شہریوں کو کافر کہتا ہے، میں وہاں دلیل دوں گا۔اگر حکومت بھی کسی وجہ سے نہیں کرتی تو آپ (یعنی وکلاء) بطور پاکستانی شہری، مجھے عدالت میں بلائیں کہ میں کیوں غلط بیانی کرکے ملک کے حالات خراب کرتا ہوں؟"

پس میں نے سوچا کہ بطور پاکستانی شہری مجھے اپنا پارٹ ادا کرنا چاہیے تاکہ بات واضح ہو۔میں چونکہ سعودی عرب میں ہوتا ہوں تو سوشل میڈیا کے ذریعے تحریک انصاف کے دوستوں کو دعوت دی کہ جو کوئی

بھی مولانا کے خلاف عدالت جائے گا، اس کا ہرجہ خرچہ میرے ذمہ ہوگا۔مگر اس پر بھی کوئی آگے نہ آیا (میری پیشکش اب بھی قائم ہے)

اس دوران، خود عمران خان نے 13 اگست 2013ء کو مولانا کو لیگل نوٹس بھیج دیا جس میں ایک ہفتے میں معذرت کرنے اور 10 کروڑ جرمانہ ادا کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔

یقین جانئے! مجھے یہی خیال آیا کہ چونکہ مولانا منطق کا بادشاہ ہے تو ایران، توران کی کہانی بنا کر، اپنے الفاظ کا دیگر مفہوم بنا کر معذرت کرلے گا یا پیشی سے راہ فرار اختیار کرے گا۔کئی سال اسی میں گذر جاتے ہیں کہ مدعا علیہ کو نوٹس موصول نہیں ہوا یا وہ موجود نہیں ہے۔مگر مولانا نے توفی الفور کہہ دیا کہ اسی دن کا میں انتظار کر رہا تھا اور اب باقی بات عدالت میں ہوگی۔

جناب، اس بات کو دو سال ہوگئے ہیں، پی ٹی آئی نے چپ چاپ اپنا تھوکا چاٹ رکھا ہے۔

برادران! اس واقعہ کے بعد، مولانا اپنے اس دعوی میں کہ "عمران خان یہودی ایجنٹ ہے" قانونی طور پر سرخرو ہو چکا ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

تاہم اس دعوے کے دو پہلو ابھی مزید رہتے ہیں کہ کیا یہ سیاسی اور دینی طور بھی درست قدم تھا یا نہیں؟

سیاست مولانا کے گھر کی لونڈی ہے۔پس اس پہلو پر اس کی ہر چال کو وقت درست ثابت کردے گا۔

میرا خیال یہ ہے کہ مولانا سمجھ گیا تھا کہ پاکستان کی سیاسی قیادت اور تحریک انصاف کے پردے میں ایجنسیوں میں میچ پڑنے والا ہے اور جیت بہر حال سیاسی قوتوں کی ہوگی۔اس سے سیاسی قوتوں کو مولانا جیسے آدمی کی سخت ضرورت ہوگی کہ جس پہ کرپشن کا کوئی کیس بھی نہ ہو اور جس کے پاس لاکھوں متحرک اور فدائی نوجوانوں کا جم غفیر موجود ہو۔پس مولانا نے میدان میں کود کر، اپنی حیثیت جتوائی اور کامیاب رہے۔اس کے ساتھ ساتھ پنجاب کے لوگ، جن کا طبعی طور پر نواز شریف یا جماعت اسلامی سے لگاؤ تھا، پہلی بار جمعیت کے قریب آئے اور مولانا نے وہاں اپنی جماعت کو انٹری دے دی ہے۔

البتہ دینی پہلو کے لحاظ سے، میرا ناقص خیال یہ ہے کہ مولانا کو اس سے احتراز کرنا چاہئے تھا اور میرا یہ اختلاف برقرار ہے۔تاہم، جب کسی بات کا حق ہونا، اصولی طور پر ثابت ہو جائے تو صرف طریق کار کے اختلاف پر، جماعت سے راہ جدا کرنا حماقت کہلاتی ہے، عقلمند را اشارہ کافی است۔

مولانا فضل الرحمٰن سے دوسرا اعلانیہ اختلاف:

مولانا سے میرا دوسرا اعلانیہ اختلاف ان کے بیٹے کو ٹانک سے بطور قومی اسمبلی امیدوار ٹکٹ دینے پر ہوا،

جس پر میں نے مولانا اسعد محمود کو ہرانے کے لئے دامے درمے سخنے مدد کی تھی۔ اور میرا خیال ہے کہ ٹانک سے ایک ضمنی نشست ہار کر، جمعیت علماء اسلام اس لوکل گروہ کے نرغے سے نکل آئی جو خود کو عقلِ کل سمجھ کر، کسی کی سننے کو تیار نہ تھے۔

اس سے پہلے کہ میں اپنا موقف بیان کروں، چند ضروری باتوں کی وضاحت ہو جائے۔

لوگ کہتے ہیں کہ مولانا اپنے خاندان میں اقتدار رکھنا چاہتا ہے، اس کے لئے وہ اسمبلی الیکشن کی مثال دیتے ہیں کہ اس کے بھائیوں اور بیٹے کو ٹکٹ دیا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو سوچنا چاہئے کہ بھائیوں کو اقتدار دلانے کا سب سے محفوظ راستہ سینیٹ کا ٹکٹ ہے جو مولانا کے لئے آسان بھی ہے اور جس پہ وہ 5 سال نہیں بلکہ 6 سال کیلئے سلیکٹ ہو جاتے اور زیادہ مراعات پاتے ہیں۔ جنرل الیکشن میں تو آدمی عوام کے سامنے امتحان میں ہوتا ہے۔ اچکزئی صاحب کی طرح بھائیوں کو گورنر بھی لگوایا جاسکتا ہے۔

میں اصولی طور پر موروثی سیاست کے خلاف نہیں ہوں، لیکن یہ میرٹ پر ہونا چاہئے۔ اگر آپ کا خاندان، آپ کے اصول اور نظریئے کی خاطر آپ کے ساتھ قربانیوں میں شریک ہے تو ان کو کیوں پیچھے رکھا جائے؟ کیا محض اس قصور پر کہ وہ آپ کے رشتہ دار ہیں؟

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا کہ موروثی سیاست سے کسی کو کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہئے۔ اگر قیادت کو کارکنوں کا اعتماد حاصل ہے۔ دیکھئے! ہمارے ہاں پیشے اور ہنر بھی خاندانی بنیادوں پر قائم ہیں، بڑھئی کا بیٹا بچپن سے باپ سے ہنر سیکھتا ہے تو بڑا ہو کر باکمال ہنر مند بنتا ہے۔ ڈاکٹروں کے ہاں تو نسل در نسل پیشہ ورانہ وراثت کا سلسلہ قائم ہے۔ وکلاء، سول سرونٹ، کاروبار، ہر شعبے میں رسمی تعلیم سے زیادہ گھر میں تشکیل پانے والے مزاج کا زیادہ عمل دخل ہے۔ اسی کو سیاست پر منطبق کر لیں، مولانا فضل الرحمٰن، محمود خان اچکزئی، اسفندیار ولی، بلاول بھٹو سب نے سیاسی ماحول میں آنکھ کھولی، سیاسی گفتگوئیں اور تجزیے سنتے بڑے ہوئے، اپنے بڑوں کو جیلیں کاٹتے جدوجہد کرتے اور سیاست گری کرتے دیکھا۔ یہ تجربہ اور بصیرت ایم اے سیاسیات کرنے سے نہیں آتا، البتہ مفادات حاصل کرنا ایک الگ بحث ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

دراصل، ضلع ٹانک، پرویز مشرف دور تک، فقط ایک صوبائی سیٹ ہی رہی تھی۔ ٹانک کی صورتحال ایسے ہے کہ صوبائی سیٹ پر یہاں بھٹنی قبائل کا ووٹ فیصلہ کن ہوتا ہے۔ قبائل میں محسود قبیلہ کی بھٹنی قبیلہ سے رقابت ہے۔ سرائیکی عوام کی کافی بڑی تعداد ہے مگر ان کا کوئی امیدوار لیول کا نمائندہ نہیں ہوتا۔ عرصہ تک یہاں سے مولانا فتح خان جمعیت کی صوبائی سیٹ پر امیدوار ہوا کرتے تھے اور دینی جذبے کے تحت سب قبائل ان کو سپورٹ کرتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ٹانک میں لکی مروت کے سیف اللہ برادران کا کافی

ہولڈ تھا، جو کنڈی خاندان کے ساتھ مل کر یہ صوبائی سیٹ لے اڑتے تھے (اب مولانا نے خود سیف اللہ برادران پر لکی مروت میں چڑھائی کر کے ان کو آؤٹ کر دیا ہے) مولانا فتح خان کے بعد مولانا شریف الدین کو جمعیت نے ٹکٹ دیا۔لیکن وہ بہت ہی کمزور امیدوار ثابت ہوئے۔

مشرف دور میں اچانک قومی اسمبلی کے حلقے بڑھا دیئے گئے، ٹانک میں قومی اسمبلی کے الگ امیدوار کیلئے تیاری ہی نہیں تھی، پس اچانک فیصلہ میں موزوں ترین امیدوار مولانا عطاء الرحمٰن تھے جو بھاری لیڈ سے جیت گئے۔زمینی حالات سے میدان میں کام کرنے والے کارکن زیادہ واقف ہوتے ہیں بہ نسبت ہم جیسے دور بیٹھے تجزیہ نگاروں کے۔مولانا عطاء الرحمٰن یا مولانا لطف الرحمٰن کی نامزدگی میرٹ پر تھی، مگر مولانا اسعد محمود کی نامزدگی پر مجھے اعتراض تھا۔

دوسری وجوہ کے علاوہ، اس کی اصل وجہ ڈیرہ شہر میں لگنے والے جمعیت کے اشتہارات تھے۔ورنہ جہاں تک مجھے معلوم ہے، مولانا اسعد محمود بہت ہی شریف، متحمل اور قابل نوجوان ہے۔

ان دنوں ڈیرہ کے لوکل اخبارات میں اور کھمبوں پر مولانا برادران کی تصویروں سے مزین اشتہارات لگے، جس پہ درج تھا کہ: ''ترقی کے رنگ، مولانا بردارن کے سنگ''

مجھے حیرت ہوئی کہ کیا شیخ الہند اور مولانا لاہوری کی وراثت اب کسی خاندان کی پروموشن کے لئے استعمال ہوگی؟ کیا یہ پارٹی مفتی محمود صاحب کی ذاتی پارٹی ہے؟ ہماری جدوجہد، جمعیت کے نظرئے کے لئے ہے یا مولانا کے خاندان کے لئے؟

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

مولانا اسعد محمود ایک بہترین سلیکشن تھی۔نوجوان نے پہلی بار ہی ٹانک سے 60 ہزار ووٹ لئے۔ حالانکہ اس کا مقابل 5 بار الیکشن لڑ چکا تھا جو صرف 10 ہزار ووٹ زیادہ لے سکا۔لیکن ٹانک اور لکی کی ضمنی سیٹ ہارنے سے ہم کو جمعیت واپس مل گئی۔

مولانا برادران سے میں واقف نہیں، عمومی پراپیگنڈے کے زیر اثر مولانا لطف الرحمٰن بارے میرا تاثر اچھا نہیں تھا لیکن کینال کالونی میانوالی کے قاری انور شاہ صاحب (راہنما اشاعۃ التوحید) نے ایک ایسا واقعہ تفصیل سے سنایا جس کی کچھ مبہم معلومات میرے پاس بھی تھیں، جس سے اب بدگمانی ختم ہوگئی ہے۔

دروغ برگردن راوی، مولانا لطف الرحمٰن کو ڈیرہ کے وڈیروں نے مولانا فضل الرحمٰن تک پہنچنے کی سیڑھی بنایا تو وہ عجب میں مبتلا ہو گیا اور خود کو مولانا فضل الرحمٰن سے بھی زیادہ ذہین سمجھنے لگا۔ہر انسان کمزور ہے۔

میں نے مولانا اسعد محمود کے خلاف ٹانک کے عوام کے نام ایک کھلا خط لکھا تھا۔اس میں لکھا تھا کہ اس نوجوان کا مستقبل تابناک ہے، یہ جمعیت کا نیا چہرہ ثابت ہوگا اور زندگی میں کئی الیکشن جیتے گا مگر فی الحال اس

کا ہرانا ضروری ہے۔ جمعیت کو ایک سیٹ سے فرق نہیں پڑے گا لیکن لائن سیدھی ہو جائے گی۔ میں اپنے اس موقف پہ اب بھی قائم ہوں، مزید یہ مشورہ بھی ہے اب ٹانک کی سیٹ پر مولانا اسعد محمود کو مستقل ٹکٹ دیا جائے کہ بار بار امیدواروں کا بدلنا بھی سیاسی لحاظ سے سود مند نہیں ہوتا۔

باقی، یہ فیصلے جمعیت کے اپنے ورکرز اور اکابرین کو کرنا ہیں۔ ہم تو بحثیت جماعت کے خیر خواہ کے، ساتھ بھی دیں گے اور کڑا احتساب بھی کریں گے۔ تاہم جب بھی جماعت کو ہماری ضرورت ہوئی تو وہ ہمیں اپنے ساتھ پائیں گے۔

میں باردگر عرض کرتا ہوں کہ مولانا کے خاندان کو از خود، اپنے آپ کو نمایاں کرنے سے احتراز کرنا چاہئے۔ زمانہ خود ہی آپ کو عزت دے گا۔ ڈیرہ میں خیبر بنک کے منیجر جو کہ لائنز کلب کے ممبر بھی تھے، مولانا برادران کے مخالف تھے۔ ایک بار مجھے بتایا کہ خدا کو جان دینی ہے، مفتی محمود آئی ہاسپٹل کا نام میرے مشورے سے رکھا گیا۔ کہنے لگے، ہسپتال کیلئے زمین مولانا عطاء الرحمٰن نے دی تھی، جو اگرچہ سرکاری زمین تھی مگر بہر حال اس آدمی کی کنٹری بیوشن تھی۔ مولانا عطاء الرحمٰن نے از خود ہسپتال کے نام بارے کوئی مطالبہ نہیں کیا لیکن میرا دل چاہا کہ مفتی صاحب کے نام سے موسوم کیا جائے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اخلاص والوں کو صلہ دیر سے ملے، مگر ملتا ضرور ہے۔ اخلاص پہ دھیان دیجئے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

دوسرا حصہ:
جمعیۃ علماء اسلام کی سیاست

پہلا باب: پارلیمانی جمہوریت کا دینی زاویئے سے تجزیہ

مذہبی طبقے کا ایک حصہ رومانوی طور پر خلافت کے تصور میں اسیر ہے۔ موجودہ جمہوری نظام کی بوجوہ کمزریوں کو بنیاد بنا کر جمہوری نظام کو کفر تک قرار دیتا ہے۔ پھر ایسے میں علامہ اقبال کے کسی خاص زاویئے کے پیش نظر کہا گیا مصرعہ کہ ''دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب' ان کی دلیل کو کمک پہنچاتا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ اسی نظام کے تحت علامہ خود بھی پنجاب کونسل کے نمائندہ رہے ہیں۔ علامہ کی شاعری کو اپنی سوچ کے فریم میں فٹ کرنے والوں کو علامہ کا یہ مصرعہ نہیں یاد رہتا کہ: ''اٹھا میں مدرسہ وخانقاہ سے نمناک'' جس کی بناء پر ان دینی مراکز کو ختم کیا جائے۔

بہر حال خاکسار نے ایک مضمون بعنوان ''خلافت وجمہوریت'' لکھا تھا، ملاحظہ کیجئے:

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

خلافت وجمہوریت:

کسی مغربی مفکر نے درست کہا کہ ''جس معاشرے میں ظلم وناانصافی عام ہو جائے، وہاں یا تو انقلاب آتا ہے یا سٹریٹ کرائم بڑھ جاتے ہیں'' گذشتہ 60 سال سے جو کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے، ہم میں اہلیت ہوتی تو انقلاب آچکا ہوتا۔ چونکہ انقلاب نہیں آسکا تو معاشرہ میں جرائم بڑھ گئے ہیں۔ اگر آپ ایک لمحہ کے لئے اس بحث کو ایک طرف رکھیں کہ ایم کیو ایم اور لشکر طیبہ کی نرسری کہاں متشکل ہوئی، تو میں عرض کروں کہ اس سوسائٹی پر حافظ سعید جیسے لوگوں کا احسان ہے جس نے بے روزگار نوجوانوں کو جہاد کے شغل میں لگا کر سٹریٹ کرائم کے سامنے بند باندھے رکھا۔ ورنہ یہ ایم کیو ایم جیسی لبرل تنظیموں کے ہاتھ ہی لگتے تو آج گلی گلی، بوری بند لاشیں ملا کرتیں۔

تاہم ہر دواء کا سائیڈ ایفیکٹ بھی ہوتا ہے۔ جہادی تنظیموں کی وجہ سے عوام کی ایک نسل شاید گلی محلے کے جرائم سے بچ گئی، لیکن دوسری طرف ہمارے دین وملت کا انسانیت نواز چہرہ مسخ کرنے، ایسی تنگ ذہنیت تخلیق ہوگئی جس کی بنیاد صرف یہ ہے کہ جو چیز بھی مغرب سے آئی ہے، وہ کفر ہے۔

دنیائے انسانیت نے صدیوں کے تجربات کو سامنے رکھ کر غور وخوض کیا اور جمہوری نظام حکومت کو فی الحال بہترین نظام حکومت قرار دیا ہے، مگر چونکہ موجودہ جمہوری نظام کا سورج مغرب سے طلوع ہوا تو

ہمارے ہاں کا جہادی طبقہ اس کو کفر قرار دیتا ہے۔ دلیل کیا ہے؟ ایک حدیث کہ: ”جس کسی نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی، وہ ان میں سے ہے۔“

ہم اس مضمون میں اختصار کے ساتھ، اسی بنیادی بات پہ بحث کریں گے۔

من تشبّہ بقوم، فھو منھم کا فلسفہ جھاڑنے والوں کی خدمت میں عرض ہے کہ سلمان فارسیؓ کے مشورے سے جنگ خندق (کی کھدائی) کا وار پلان بنایا گیا تھا جو کہ صرف ایرانی تکنیک تھی اور جس پر خود نبی اکرم ﷺ نے اپنے سامنے عمل کروایا تھا۔ عقلمند را اشارہ کافی است۔

میرا عقیدہ ہے کہ انسانیت کی نجات صرف نبی ﷺ کی پیروی میں ہے، مگر سنت کی حدود کیا ہیں؟ اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ نبیؐ نے جو کچھ کیا، اگر اس کی ہو بہو نقل کا نام ہی سنت ہے تو پھر عربی کے سوا دوسری کوئی زبان نہیں بولنا چاہیے۔ کیا کوئی کان دھرے گا کہ زمان ومکان کے لحاظ سے مسائل بدل جایا کرتے ہیں؟ تصویر کشی پہ اختلاف ہوسکتا ہے، پر مجسمہ سازی تو بالاتفاق حرام ہے۔ لیکن قادسیہ کے میدان میں جب جنگی ہاتھیوں سے مقابلہ ہوا جو کہ عربی گھوڑوں کے لئے ایک اجنبی چیز تھے تو ان کے دل سے ہاتھیوں کا خوف نکالنے کے لئے مٹی کے ہاتھی بنا کر ان پر سیاہ رنگ کر کے گھوڑوں کو ان کے سامنے دوڑایا گیا۔ یہ کام جید صحابہؓ کے مشورے سے ہوا اور ان کی نگرانی میں ہوا۔ اس لئے عرض ہے کہ دین میں اگر قرآن وحدیث کے الفاظ کو صحابہؓ کی زندگی سے ملا کر نہیں سمجھا جائے گا تو غیر منطقی نتائج برآمد ہوں گے۔

حیرت ہوتی ہے جب اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ جمہوریت کو کفر کہہ کر نظام خلافت کی پاپولر اصطلاح اختیار کرتے ہیں (کسی زمانے میں ہمارے ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم بھی متاثر ہوئے تھے، پھر رجوع کر لیا تھا)

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

دیکھئے! اللہ اور رسول نے کسی ایسی بات کو مبہم رہنے ہی نہیں دیا جو سوسائٹی کے لئے انتہا ضروری اور اہم ہو۔ ذرا غور فرمائیے، سارے قرآن میں نماز جیسی اہم عبادت کا طریقہ تو کیا رکعتیں بھی درج نہیں۔ لیکن عورت کو میراث میں کیا ملنا چاہئے، اس پہ پورا صفحہ موجود ہے (بات دوسری طرف چل پڑے گی، ورنہ یہ بھی کہ معصوم رسولوں کو آرے سے چیرا گیا، ان کا مرثیہ نہیں ہے لیکن قرآن اس معصوم بچی کا استغاثہ ضرور سناتا ہے جو بے گناہ دفن کی گئی)

ایک مسلمان حکمران کیسا ہونا چاہئے؟ اس کی مفصل ہدایات نبی نے دی ہیں۔ مگر اس حکمران کی سلیکشن کیسے ہو؟ اس کو شریعت نے مبہم چھوڑا ہے۔ اسی خاطر مبہم چھوڑا ہے کہ یہ بات قیامت تک آنے والی ہر دور کی انسانی منطق خود طے کر سکتی ہے، اس میں کوئی جائز، ناجائز کا چکر نہیں ہے۔

خود رسول اللہ ﷺ نے تو کسی کو نامزد کیا ہی نہیں تھا، اسلام کا پہلا حکمران جمہوری طریقے سے مدینہ کے

لوگوں کے ووٹ (بیعت) سے مقرر کیا گیا، اب 20 کروڑ عوام ایک مسجد میں تو بیعت کیلئے جمع نہیں ہو سکتے

حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ گو اگر چہ نامزد کیا گیا تھا لیکن اس کیلئے کبار صحابہ کے تھنک ٹینک کیساتھ بیک ڈور مشورے مکمل ہو چکے تھے۔ یہ گویا حکمران منتخب کرنے کا دوسرا اسلامی طریقہ ہوا، لیکن جو لوگ اسی کو نظام خلافت کی مثال بنا کر پیش کریں تو یہ بھی فرمائیں کہ اب حکمران ساز شوری یعنی سلیکشن کمیٹی کس بنیاد پہ تشکیل پائے گی، کون لوگ اس میں شامل ہونے کے اہل ہوں گے؟ اس اہلیت کا فیصلہ کون کرے گا؟

اسلامی طریقہ چناؤ کا تیسرا روپ (اگر کوئی اسلامی طریقہ ہو تو) حضرت عثمانؓ کے انتخاب میں سامنے آتا ہے جب سابق حکمران اپنی صوابدید پر 6 امیدواروں کو نامزد کرتا ہے۔ جن میں سے انہوں نے خود ہی ایک پہ راضی ہونا ہے۔ حضرت علیؓ کے فوراً بعد ملوکیت کی ابتدا ہو گئی تھی اور کبار فقہا نے اس کے خلاف بغاوت نہیں کی، تو ظاہر ہے کہ یہ بھی کفریہ نظام نہیں ہے۔

قصہ مختصر حکومتی انتظام چلانے کا کوئی طریقہ خلافت ہو، ملوکیت ہو یا جمہوریت، فی نفسہ غیر شرعی نہیں ہے۔ جمہوریت بارے ہمارے ہاں دینی طبقہ واضح طور پر دو انتہاؤں میں منقسم ہے۔ مگر جماعت اسلامی کی ہر موضوع پر گومگو کی پالیسی رہی ہے۔ مولانا مودودی نے جمہوریت کو کفریہ نظام کہا پھر اس میں حصہ بھی لیا۔ ملوکیت کے خلاف شہرہ آفاق کتاب لکھی، مگر اس پہ ایوارڈ بھی سعودی ملوکیت سے ہی وصول کیا۔ طرفہ تماشا یہ بھی ہے کہ جماعت اسلامی کے احباب مولانا مودودی کو دیئے گئے اس سعودی ایوارڈ پہ بہت بغلیں بجایا کرتے تھے تو خیر سے سعودی حکومت نے اس سے بھی بڑا ایوارڈ، انڈیا کے مودی کو دے دیا (شاید ملتے جلتے نام سے غلط فہمی ہوئی ہو) بس فرق یہ ہے کہ مولانا مودودی کو ایوارڈ " کنگ " کے ہاتھوں ملا تھا جبکہ ہندو مودی کو " خادم الحرمین شریفین " کے ہاتھوں۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

واپس اپنے موضوع پہ آتے ہیں۔ جمہوریت ہی اسلام کی اصل ہے کہ ان کا حکمران، ان کا خادم ہوا کرتا ہے۔ پس حکومتی ملکیت عوام کے پاس ہوئی، اگر چہ جمہوری نظامِ انتخاب کا وہ خاص طریقہ جو ہمارے دیار میں رائج ہے، بلاشبہ قرون اولی میں ایسے نہیں تھا۔ تو بھائی مدارس اسلامیہ کی شکل اور ان کی ڈگریاں بھی تو آج کی طرح ماضی میں مروج نہیں ہوا کرتی تھیں۔

جہاں تک خاکسار کی رائے کا تعلق ہے تو نہ صرف جمہوریت کا واضح حامی ہوں بلکہ موجودہ پارلیمانی نظام کو اقرب الی السنہ سمجھتا ہوں۔ تسلیم کہ موجودہ جمہوری نظام میں بہت سی خامیاں ہیں مگر یہ اسی نظام کے تسلسل سے ہی دور ہوں گی کہ چلتا پانی، خود کو خود ہی صاف کر لیا کرتا ہے۔

مضمون ختم ہوا۔

جمیت علماء اسلام آج کے تناظر میں پارلیمانی جمہوری نظام کی حامی ہے اور نظام ایک انتظامی معاملہ ہوا کرتا ہے نہ کہ عقیدے کا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے صحابہ گھوڑے کی سواری فرماتے تھے اور آج کل گاڑی میں سواری کا رواج ہے۔ مسئلہ سواری کا نہیں، سواری کے آداب کا ہے، جس کی محنت میں جمیعت علماء اسلام نے سنگ میل قائم کئے ہیں۔

ہمارے پارلیمانی نظام بارے چار غلط فہمیاں:

ارتقائے زمانہ سے جہاں دیگر شعبہ جات کو نئی شکلیں عطا ہوئیں، وہیں سیاست میں جمہوری طرز حکومت نمودار ہوا۔ جسے اب تک بہترین طریق حکمرانی سمجھا گیا ہے۔ جمہوری نظام کی دو صورتیں ہیں: صدارتی نظام اور پارلیمانی نظام۔ پاکستان میں ماشاء اللہ، انسانیت کی معلوم تاریخ سے لے کر آج تک جتنے انداز حکمرانی رہے ہیں، وہ صرف 60 سال میں آزمائے جاچکے ہیں اور بالآخر قوم کی اکثریت پارلیمانی جمہوری نظام پہ متفق نظر آتی ہے۔

اس مضمون میں ہم پارلیمانی نظام اور اس بارے چند عام غلط فہمیوں پہ بات کریں گے۔ دیکھیے! جہاں بھی کچھ لوگ اکٹھے رہیں گے، کچھ نہ کچھ اختلاف اور تنازعہ تو ضرور رہے گا۔ ایک محلے کی ہی مثال لیجیے، اس محلے میں تین بڑے موضوعات ہوتے ہیں، جن کی بنیاد پہ اہل محلہ کے بیچ جھگڑا کھڑا ہوسکتا ہے۔

ایک تو انفراسٹرکچر سے مسئلہ پیدا ہوتا ہے مثلاً فلاں کی نالی یا دروازے کی وجہ سے ہمسائے کا راستہ تنگ پڑ گیا، وغیرہ۔ دوسرے، ثقافت کا فرق جس سے مسئلہ بنتا ہے۔ فلاں کے گھر طویل اور پرشور فنکشن، فلاں کو ڈسٹرب کرتے ہیں، وغیرہ۔ تیسرا، جو تقریباً لاینحل مسئلہ ہے، وہ مذہبی اختلاف سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً اس محلے سے فلاں فرقہ کے لوگوں کو محلہ بدر کیا جائے، وغیرہ۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

اس محلے میں پہلا کام جو کرنے کا ہے وہ یہ کہ اس محلے کے چنیدہ لوگوں کا جرگہ تشکیل دیا جائے یعنی ایسی محلہ کمیٹی جس کے فیصلوں کو سب اہل محلہ مان کر چل سکیں۔ یہ کمیٹی، ایسے اصلی نسلی لوگوں پر مشتمل ہونا چاہیے جن میں معاملات کو سلیقے سے نبھانے کی صلاحیت ہو۔ جب شروع میں اس محلہ کمیٹی کیلئے اہل محلہ سے کچھ لوگوں بارے مشاورت کی جائے گی تو عین ممکن ہے کہ محلے کے چند نودولتیے کمین یا کم عقل بدمعاش بھی کسی طور اس کے ممبر بن جائیں، بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہی کی اکثریت ہو جائے۔

مگر یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔ اسی کمیٹی کو چلنے دیجیے، جب یہ لوگ چند ہی جھگڑوں کی ثالثی کریں گے تو لوگوں کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ خاندانی کون ہے اور کم اصل کون؟ اہل محلہ کے کرنے کا کام یہ ہے کہ

مقررہ مدت میں کمیٹی کے چناؤ کے عمل کو نہ رکنے دیں۔

پاکستان گوناگوں عقائد، نسلوں، ثقافتوں اور مزاجوں کے لحاظ سے ایک ایسا ہی مخلوط آبادی والا محلہ ہے، یہاں آمریت نہیں چل سکتی اور صدارتی نظام بھی نہیں چل سکتا کہ جس میں صرف ایک آدمی کو مختلف النوع قومیتوں کا متفقہ نمائندہ قرار دیا جائے اور اس کے ہاتھ کامل اختیارات دیئے جائیں۔

یہاں صرف جمہوری پارلیمانی نظام ہی قابل عمل ہے جس میں اگرچہ بہت کمزوریاں ہیں مگر وہ اس کے تسلسل اور استمرار سے ہی دور ہوں گی کہ چلتا پانی خود کو خود ہی صاف کرلیا کرتا ہے۔

بعض دوستوں کے ذہن میں پاکستان کے پارلیمانی جمہوری نظام بارے (جو 1973 کے آئین پر مبنی ہے) بہت سی غلط فہمیاں ہیں، طوالت سے بچتے، فی الحال صرف چار غلط فہمیوں پہ مختصر بات کریں گے۔

پاکستان کے پارلیمانی نظام بارے پہلی غلط فہمی:

ہمارے دانشور دوستوں کا فرمودہ ہے کہ چونکہ عوام بے وقوف ہوا کرتے ہیں پس وہ الیکشن میں اپنے جیسے جہلاء کو ہی اپنا لیڈر منتخب کرتے ہیں۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

اس میں شک نہیں کہ عوام بچوں کی طرح ہوتے ہیں، عربی میں محاورہ ہے: عوام کالانعام، یعنی عوام چوپایوں کی طرح سادہ دماغ ہوتے ہیں جو چارے کے چکر میں قصائی کے چھرے کے نیچے آجایا کرتے ہیں، پس اگر بیوقوف لوگوں کے ٹولے کو کہا جائے کہ اپنے میں سے ایک لیڈر چن لو تو وہ اپنے جیسا ہی چنیں گے۔ مگر پارلیمانی جمہوریت میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ یہاں عوام ''چنتے'' نہیں بلکہ لیڈر خود کو ''چنوایا'' کرتے ہیں (واضح رہے کہ یہ دیوار والا چنوانا نہیں)

ہر حلقے کا منتخب نمائندہ، چاہے وہ انگریزی بول سکتا ہو یا نہیں، وہ یا تو اس علاقے کا ایک ذہین شخص ہوتا ہے یا کسی ذہین گروہ کا مہرہ ہوتا ہے (آپ ذہین کی جگہ چالاک، شاطر یا رنگ باز کہہ لیں مگر مفہوم وہی نکلے گا کہ وہ ایک عام آدمی یعنی بیوقوف یا سادہ لوح آدمی نہیں ہوا کرتا)

ہوتا یوں ہے کہ الیکشن سے کم از کم ایک ماہ پہلے سے، سادہ لوح عوام کے سامنے بہت سے نمائندے ''خدمت'' کیلئے پیش ہوا کرتے ہیں، ان میں اچھے کردار والے بھی ہوتے ہیں اور برعکس بھی۔ یہ لوگ عوام کے سامنے دن رات کمپین چلا کر کوئی سنجیدہ منشور یا سبز باغ پیش کرتے ہیں اور بیچاری عوام کو چکرا کر رکھ دیتے ہیں۔ اب اس مہم میں اگر ایک اچھا آدمی عوام کے ذہنوں کو گرفت میں نہیں لاسکتا تو وہ ہار جاتا ہے، یہ تو اس کی اپنی کمزوری ہوئی۔ اس میں اتنی صلاحیت ہونی چاہئے کہ عوام پر اپنا منشور منوا سکے، ورنہ کیوں

لیڈری کا شوق ہے؟ پھر یوں بھی ہے کہ قوموں کی پالیساں پنج سالہ نہیں ہوا کرتیں۔ایک اچھے لیڈر میں کچھ مستقل مزاجی ہونی چاہئے تا کہ اس بار نہیں تو اگلے الیکشن میں خود کو منوالے۔لیڈر بے صبرا نہیں ہوا کرتا۔

اس میں شک نہیں کہ آج کل الیکشن میں پیسہ اور اس کی بنیاد پہ پراپیگنڈہ، عوام کو گمراہ کرنے کے کام آتا ہے۔مگر فہیم سیاسی لیڈر ایسے حالات میں بھی اپنی چالوں سے زرداروں کو ناکام بنا سکتا ہے اور پاکستان میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں، جہاں غریب مگر ہوشیار سیاسی کارکنوں نے، پرانے جاگیرداروں کو شکست دی ہے۔پس الیکشن میں بے وقوف عوام اپنا نمائندہ نہیں چنتے بلکہ ایک شاطر نمایندہ اپنے آپ کو چنواتا ہے۔

دیکھئے! ملکی پالیسیاں تو فقط ایک ذہین یا شاطر گروہ ہی تشکیل دیا کرتا ہے، چاہے آمریت ہو، بادشاہت ہو یا جمہوریت ہو، امریکہ ہو یا افریقہ ہو۔مگر جمہوری نظام میں (چاہے پارلیمانی ہو یا صدارتی) سادہ لوح عوام کو یہ خوش فہمی رہتی ہے کہ ملکی پالیسیاں ان سے پوچھ کر بنائی جا رہی ہیں۔عوام کے اس اطمینان یا معاشرے کے امن کی خاطر، چند کروڑ لگا دینا مہنگا سودا نہیں۔

یہ بالکل ایسے ہے جیسے آپ اپنے بچوں سے پوچھتے ہیں کہ چھٹی کا دن کیسے گذارنا ہے؟ اور پھر باتوں باتوں میں وہی کچھ، ان معصوموں سے منوا لیتے ہیں جو آپ چاہتے ہیں، مگر بچے خوش ہوتے ہیں کہ ہمارے کہنے پہ ابو نے یہ فیصلہ کیا ہے۔اس طرز عمل سے گھر کا ماحول خوشگوار اور پرامن رہے گا۔اور یہ بھی کہ ہمیشہ ایسا نہیں ہوا کرتا کہ آپ ہی بچوں کو گائیڈ کریں۔بعض بچے، والدین سے زیادہ سمجھدار نکل آتے ہیں تو وہ ایسا مشورہ دیتے ہیں کہ والدین کو ان کی ماننا پڑتی ہے۔ہر دو صورت فیملی کے لئے بہتر ہیں۔تاہم ضروری یہ ہے کہ مشورے کا عمل جاری رہنا چاہئے۔

پاکستان کے پارلیمانی نظام بارے دوسری غلط فہمی:

ایک غلط فہمی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ ایک عالم دین اور ایک جاہل کا ووٹ کیسے برابر ہے؟ یا ایک چھابڑی فروش، ملک کے نیوکلیئر سٹیٹس کے بارے میں کیا رائے دے سکتا ہے؟ وغیرہ

یہ ذہن میں رکھا جائے کہ پاکستان میں اوسطاً 3 لاکھ عوام پہ مشتمل قومی اسمبلی کا حلقہ، اپنا ایک با اعتماد نمایندہ منتخب کرتا ہے۔عوام اس نمایندے کو دین یا فزکس کی بنیاد پہ نہیں، بلکہ صرف اپنے روزگار اور علاقے کی ترقی کی خاطر پر منتخب کرتے ہیں۔یہ نمایندہ جو علاقے کے لوگوں پہ اثر رکھتا ہے، خود بھی سائنس و فقہ یا عالمی امور کا ماہر نہیں ہوتا۔کوئی رکن پارلیمنٹ چاہے کتنا ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ کیوں نہ ہو، مگر ہر فیلڈ کا سپیشلسٹ تو پھر بھی نہیں ہوسکتا۔

جب پارلیمنٹ میں کوئی ٹیکنکل مسئلہ پیش ہوتا ہے تو ماہرین کی آئینی کمیٹیاں، ان نمائندوں کی راہنمائی کرتی ہیں۔ پارلیمنٹ میں دلیل اور جوڑ توڑ کے ذریعے اس مسئلہ پر متفقہ رائے لی جاتی ہے۔ یہ نمائندے راضی ہو جائیں تو اپنے علاقے کی عوام کو مطمئن کر سکتے ہیں اور یوں گویا پاکستان کا ہر شہری، اپنی داخلہ و خارجہ پالیسی میں اپنے باعتماد نمائندے کے ذریعے شریک ہوتا ہے۔

ارکان پارلیمنٹ کی بہت کم تعداد نظریاتی پارٹیوں سے تعلق رکھتی ہے۔ باقی ارکان پارلیمنٹ سے بہت خوش گمانی بھی کی جائے تو بھی ان کی دلچسپی، فقط اپنے حلقہ انتخاب میں میگا پراجیکٹس لینے یا ملکی آئین کے انتظامی حصوں میں ہوا کرتی ہے۔ اسلامی نظام یا مغربی نظام سے نہ ان کو دلچسپی ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا مطالعہ ہوتا ہے (اور نہ ہی اس کی ضرورت ......) اس لئے پارلیمنٹ میں کسی نظریاتی آدمی کو اپنی بات منوانے کے لئے اکثریت کی نہیں بلکہ دلیل اور باہمی تعلق کی ضرورت ہے۔ یہ صفات موجود ہوں تو پارلیمان میں اکیلا نظریاتی ممبر بھی اپنا موقف منوا سکتا ہے۔

اب مسئلہ یوں ہے کہ آج کل جو چند ایک نظریاتی سیاست کے داعی ارکان پارلیمنٹ ہیں، ان میں خوئے دلجوئی باقی نہیں رہی۔ جس کی وجہ سے باقی ارکان پارلیمنٹ ان اصحاب کی دلیل بھی سننا گوارا نہیں کرتے۔ یعنی مسئلہ ان کی اپنی کم حکمتی اور کم اخلاقی کا ہے، مگر گلہ جمہوری نظام سے کیا جاتا ہے۔ دیکھ لیجیے، مفتی محمود صاحبؒ اور ان کے نظریاتی ساتھی تعداد میں کم تھے مگر اپنی منطق اور سب کے ساتھ رکھ رکھاؤ کی وجہ سے اپنا موقف پارلیمنٹ سے منوا لیا تھا۔ اس میں ان کو تعداد آڑے نہیں آئی۔

Fb.com/JUIOfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

پاکستان کے پارلیمانی نظام بارے تیسری غلط فہمی:

ایک غلط فہمی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ جمہوری پارلیمانی نظام میں پنجابی مافیا، اپنی عددی برتری کے لحاظ سے صوبوں کے حقوق غصب کر لیتی ہے۔

یہ درست ہے کہ قومی اسمبلی میں پنجاب سے 60 فیصد ممبران ہوتے ہیں جبکہ باقی سارے پاکستان سے ملا کر بھی صرف 40 فیصد ہوا کرتے ہیں مگر اس سے صوبوں کو کیا فرق پڑتا ہے؟ اول تو صوبوں کے انتظامی معاملات کافی حد تک صوبوں کے پاس ہی ہیں جس پر صدر زرداری کو خراج تحسین پیش کرنا چاہیے۔ لیکن اگر صوبوں کے ساتھ کچھ زیادتی ہونا ہی ہو تو اس کے لئے آئینی ترمیم کرنا پڑے گی، جس کیلئے قومی اسمبلی اور سینیٹ دونوں جگہ سے الگ الگ منظوری لینا ہوگی۔

اب سینیٹ یعنی ایوان بالا میں تو ہر صوبے سے برابر کے ممبر ہیں، جو کہ اپنی صوبائی اسمبلیوں کے ممبران

کے ووٹ سے منتخب ہوا کرتے ہیں۔ پس صوبوں کے سینیٹرز اپنے حقوق کے ضامن بھی ہیں اور محافظ بھی۔

پنجاب کو قومی اسمبلی میں عددی اکثریت سے صرف ایک فائدہ ہوسکتا ہے کہ ملک کا منتظم اعلی، یعنی وزیر اعظم پنجابی آدمی بن سکتا ہے۔ انصاف کی بات ہے کہ اگر ملک پاکستان میں پنجابیوں کی 60 فیصد آبادی ہے تو ملکی تاریخ کے 65 سال میں 35 سال پنجابیوں کو اور 25 سال باقی قومیتوں کو ملکی انتظام چلانے کا حق ملنا چاہئے۔ مگر حقیقت یوں ہے کہ اس ملک کا نظم ونسق 25 سال تو صرف مہاجروں کے ہاتھ رہا (لیاقت علی خان، جنرل ضیاء اور جنرل مشرف) دس سال پختون صدر یعنی جنرل ایوب رہا۔ اور تو اور، حصہ بقدر جثہ، جمہوری طور پر بلوچ وزیر اعظم یعنی ظفر اللہ جمالی 2 سال، سرائیکی وزیر اعظم یعنی یوسف رضا گیلانی 4 سال جبکہ سندھی وزیر اعظم 12 سال (ذوالفقار علی بھٹو اور بے نظیر بھٹو کا کل دورانیہ) اس منصب پہ رہے۔ اب پنجابی وزیر اعظم کے دورانیہ کا حساب آپ خود کر لیں۔

پس یہ نری غلط فہمی ہے کہ پارلیمانی جمہوریت میں پنجاب چھا جائے گا بلکہ جوں جوں جمہوری اخلاقیات آگے بڑھ رہی ہیں، توں توں سب کو ساتھ لیکر چلنے کی اہمیت بھی قومی سطح پر مسلم ہوتی جا رہی ہے۔

پاکستان کے پارلیمانی نظام بارے چوتھی غلط فہمی:

ایک اور غلط فہمی جو کسی حد تک قابل توجہ بھی ہے کہ ایک حلقے میں ایک امیدوار، چند ووٹوں سے جیت جاتا ہے جبکہ اس کے مدمقابل امیدواران کے مجموعی ووٹ اس سے زیادہ ہوتے ہیں تو اس آدمی کو حلقے کے لوگوں کا نمائندہ کیسے مانا جاسکتا ہے؟

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

دیکھئے! کسی حلقے میں رجسٹرڈ ووٹ مثلاً دو لاکھ ہیں، یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ کئی ہزار لوگوں کے ووٹ درج ہی نہ ہوئے ہوں یا زیادہ درج ہوگئے ہوں۔ ووٹر لسٹیں، پہلے سے آشکار کی جاتی ہیں۔ لوگوں کے علاوہ سیاسی جماعتوں کا کام ہے کہ اس کی تصحیح کریں (سو وہ کیا کرتے ہیں)

آگے چلیں۔ ان دو لاکھ ووٹرز میں سے ایک لاکھ ووٹر ہی ووٹ ڈالنے آتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ووٹ نہ ڈالنے والے، اس جیتنے والے کے ضرور مخالف ہیں یا حامی ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا تو منطقی طور پر اس کا ایک ہی مطلب ہوسکتا ہے کہ ان کو اس نظام سے دلچسپی نہیں یا اس پہ اعتماد نہیں۔ تو جناب! اس کی ذمہ داری سب سیاسی پارٹیوں پہ آتی ہے کہ لوگوں کو اعتماد دیں۔ حکومت کسی کو بزور ووٹ ڈالنے پہ مجبور نہیں کرسکتی۔

قصہ کوتاہ، ایک لاکھ ووٹرز نے 5 امیدواران کو ووٹ ڈالے، جیتنے والا مثلاً سو ووٹ کے فرق سے

جیت گیا۔ اگرچہ باقی چار امیدواروں کے مجموعی ووٹ، اس جیتنے والے سے زیادہ ہیں۔ مگر یہ بھی فقط غلط فہمی ہے کہ جیتنے والے کو ووٹ نہ دینے والے لوگ، اس کے مخالف ہی ہوتے ہیں۔ اگرچہ تیسرے نمبر پر آنے والے امیدوار کے حامی، پہلے نمبر والے سے زیادہ اپنے امیدوار کو اچھا سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے والے سے زیادہ، دوسرے نمبر پر آنے والے کو بہتر سمجھتے ہیں۔

آئیڈیل انتخاب تو یوں ہی ممکن ہے کہ سب باشندگان کو ووٹ ڈالنے کا قانوناً پابند کیا جائے۔ اس کے بعد جب کسی حلقے کا رزلٹ نکل آئے تو دو دن بعد صرف پہلے دو امیدواران کے درمیان ایک بار پھر الیکشن ہوتا کہ واقعی متفقہ نمائندگی سامنے آسکے۔ اس منزل تک پہنچنے کے لئے وسائل کی کمی کے علاوہ عوامی تربیت بھی آڑے آتی ہے۔

اب یوں ہے کہ چند ووٹوں کے فرق سے جیتنے والا مثلاً صرف 26 ہزار ووٹ لینے والا آدمی، دو لاکھ ووٹرز کا نمائندہ بن جاتا ہے۔ اس بارے عرض ہے کسی گیم کے اصول پہلے سے طے کرنے کے بعد ہی ٹیمیں اس میں حصہ لیا کرتی ہیں۔ ہارنے کے بعد کوئی ٹیم کہے کہ گیم کے رولز غلط ہیں تو تماشائیوں کو چاہئے کہ ایسی ٹیم کو ٹھڈے مار کر گراؤنڈ سے نکال دیں۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAllover.Bach

جمہوریت چلتی رہی تو طریقہ انتخاب کی کمزوریاں بھی آہستہ آہستہ دور ہوتی جائیں گی۔ ایک زمانہ تھا کہ قومی اسمبلی کے انتخابات کے دو دن بعد صوبائی الیکشن ہوتے تھے، لیکن اس صورت میں چونکہ قومی رزلٹ، صوبائی پہ اثر انداز ہوتا تھا پس ایک ہی دن الیکشن کا فیصلہ کیا گیا۔ ماضی میں ووٹر کیلئے شناختی کارڈ کی شرط نہیں ہوتی تھی، اکیس سال سے کم عمر ووٹ بھی نہیں ڈال سکتا تھا۔ کئی حلقوں میں خواتین کو ووٹ سے محروم رکھا جاتا تھا، جواب قانوناً جرم قرار دیا گیا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اسی زخم خوردہ جمہوریت میں بھی ہم ایک لمبا فاصلہ طے کر آئے ہیں، تسلسل رہے گا تو مزید بہتری آتی رہے گی۔

باب دوم: سیکولرزم کیا ہے؟

چونکہ میری گفتگو جمعیت علما اسلام کے سیکولر جمہوری کردار سے متعلق ہوگی، تو پہلے سیکولرزم کی اصطلاح کو سمجھ لیجئے۔ اس پر مندرجہ ذیل مضمون آپ کے پیش خدمت ہے:

فرہنگ سلیمی: ایک ٹی وی چینل کے مشہور پروگرام کا ایک سگمنٹ "فرہنگ آصفیہ" کے نام سے ہوتا ہے، جس میں میزبان، اردو الفاظ کے اصل اور مستعمل معانی کا فرق بتاتے ہیں۔

بغیر کسی تمہید کے عرض ہے کہ سیکولرازم، سوشلزم، ڈیموکریسی وغیرہ چند ایسے انگریزی الفاظ ہیں جن کی اصطلاحی تعریف، لغوی معانی اور عوامی استعمال، غرض ہر پہلو سے لوگ مخمصہ کا شکار ہیں۔

اس بحث میں پڑے بغیر کہ آکسفورڈ ڈکشنری کیا کہتی ہے، خاکسار اپنے فہم کی بناء پر ان الفاظ کے جو معانی لیتا ہے، اسے آپ کے سامنے رکھ رہا ہے۔ آپ چاہیں تو اسے میری ذاتی فرہنگ کہہ لیں۔

اگر آپ میری طرح سیکولر ہونے کے دعویدار ہیں تو مجھ سے اتفاق کریں گے، اگر نہیں کرتے، تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ مجھے سیکولرز کا "فرقہ سلیمیہ" کہہ لیں۔ (دیگر مذہبی تشریحات پہ فرقے بن سکتے ہیں تو سیکولرازم پہ بھی کسی کا کیا اجارہ ہے؟)

اپنی بات واضح کرنے کے لئے ایک گاؤں کی مثال لیتا ہوں:

Fb.com/OfficialJamiat

ایک ہزار گھرانوں پہ مشتمل ایک گاؤں ہے، جس کے لوگوں نے اپنے مسائل کے حل کے لئے ایک نظام وضع کیا ہے کہ گاؤں میں دس نمائندوں پہ مشتمل ایک پنچایت بنادی جائے، جو گاؤں کی ترقی اور امن کی ذمہ دار ہو۔ گاؤں کے جو لوگ اس ذمہ داری کے لئے فرصت اور توانائی رکھتے ہیں، وہ اپنا نام پیش کریں اور گاؤں والے خفیہ رائے شماری سے ان دس نمائندوں کو پنچائت میں چن لیں۔ جن پر لوگ دوسروں کی نسبت زیادہ اعتماد کا مظاہرہ کریں اور پھر یہ دس نمائندے گاؤں کا ایک مکھیا چن لیں۔ اس کو جمہوری نظام کہتے ہیں۔ کوئی مفتی صاحب، براہ کرم ہمیں بتائیں کہ اس نظام میں غیر اسلامی بات کیا ہے؟ (غیر اسلامی بات وہ ہوتی ہے جس سے قرآن وحدیث صریح طور پر منع کرے۔) اب میں آپ کو گاؤں کے دس کرداروں سے ملواتا ہوں جن میں سے، دو سوشلسٹ ہیں، دو سیکولر ہیں، ایک لبرل ہے، ایک کمیونسٹ ہے، ایک فاشسٹ (انتہا پسند) ہے، ایک ملحد ہے، ایک نظریاتی ہے اور ایک بنیاد پرست ہے۔

سوشلسٹ: گاؤں میں مسٹر طاہر رہتے ہیں، جو گاؤں والوں کی غربت پہ کڑھتے ہیں۔ پس انہوں

نے ایک بینک بنا دیا ہے، جو سود پہ قرض دیتا ہے تا کہ لوگ اپنا روزگار پیدا کر سکیں۔ اسی گاؤں میں حاجی ابرار نامی ایک صاحبِ ثروت تبلیغی آدمی بھی ہیں، جو کہ سود کو برا خیال کرتے ہیں تاہم لوگوں کی بے چارگی بھی کھٹکتی ہے۔ انہوں نے صدقات اکٹھے کر کے بلاسودی قرض دینے شروع کر دئے۔

مسٹر طاہر اور حاجی ابرار، دونوں سوشلسٹ ہیں۔

سوشلزم، دراصل سوسائٹی کی فکر کرنے کا نام ہے۔ پس ہر وہ شخص جو اپنی ذات سے ماوراء دوسرے بندوں کے بارے سوچ رکھتا ہے، وہ سوشلسٹ ہے۔ بالفاظ دیگر سوشلسٹ وہ آدمی ہے جو سوسائٹی کی بہتری کی خاطر جدو جہد کرتا ہو، اپنے معاشرے کے لئے سوچتا ہو، یا حیاتِ اجتماعی کی فکر رکھتا ہو۔ اس جدو جہد، سوچ اور فکر میں وہ غلط یا درست ہوسکتا ہے۔ سوشلزم ایک انسانی صفت ہے، یوں تو کسی بھی انسان کو درد کی یہ دولت میسر آسکتی ہے، پر میرا دعوی ہے کہ مسلمان سے بڑا سوشلسٹ کوئی نہیں ہوسکتا۔

؎ دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

چینی سوشلزم یا کوئی اور سوشلزم ایسے ہی ہیں، جیسے سعودی اسلام یا ایرانی اسلام۔ یعنی اسلام، الگ چیز ہے اور اس کی تفہیم کی بنیاد پر کوئی نظام بنانا الگ چیز ہے۔ ایسے ہی سوشلزم، انسانی کردار کا خاصہ ہے۔ پھر اپنے فہم مطابق اس کا نظام بنانا الگ چیز ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

لبرل اور نظریاتی:

گاؤں میں حکیم طارق ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے بینک سے کاروبار کرنا حرام ہے، یہ خدا سے دشمنی ہے۔ پس وہ بینک سے رابطہ نہیں رکھتے۔ حکیم طارق، نظریاتی آدمی ہیں۔

گاؤں میں نعیم رہتا ہے، آزاد روش آدمی ہے۔ اس کو بینک پہ کوئی اعتراض نہیں۔ یہ خود کو مسلمان کہتا ہے لیکن دین کے کسی حکم سے اس کو کوئی دلچسپی نہیں ہے، نعیم ایک لبرل نوجوان ہے۔

حکیم طارق اور نعیم کو اپنے انداز میں گذارنے کا پورا حق حاصل ہے جب تک یہ فاشزم کی راہ نہیں اپناتے، لبرلزم، صرف آزاد روی کا نام ہے (جس کے حامی اسے "روشن خیالی" اور مخالفین اسے "مادر پدر آزادی" کا نام دیتے ہیں۔ دونوں غلط ہیں (کسی فرد کا لبرل ہونا، اسلامی نقطہ نگاہ سے مستحسن نہیں، لیکن کوئی لبرل کسی دوسرے کیلئے تکلیف کا سبب نہیں تو اسلام کو بھی اس سے تکلیف نہیں۔

ہمارے نظریاتی شخص یعنی حکیم طارق کو پورا حق ہے کہ ہر معقول طریقے سے نعیم کو اپنے نظریے پر لائے

اور چاہے تو حکومت کو بھی نظریاتی بنانے کی کوشش کرے۔ (معقول طریقہ وہ ہے جسے اس کے زمانے اور منطقے کی سوسائٹی، کثرت رائے یعنی جمہوری طور پر قبول کرتی ہو۔)

فاشسٹ (تنگ نظر یا انتہا پسند):

گاؤں کی مسجد میں ملا ممتاز قادری ہیں۔ وہ سود کو خدا کے خلاف جنگ کہتے ہیں اور نوجوانوں کو ابھارتے ہیں کہ بینک کو آگ لگا دو۔ اسی گاؤں میں پرویز بٹ صاحب ہیں، ان کو ممتاز قادری اور مذہب سے بیزاری ہے۔ وہ پرچار کرتے ہیں کہ مسجد کو گرا کر یہاں بچوں کا پارک بنائیں، یہ زیادہ فائدہ مند ہیں۔
قادری اور پرویز، دونوں فاشسٹ، تنگ نظر یا انتہا پسند ہیں۔

سیکولرازم:

گاؤں میں ہیڈ ماسٹر ریاض کا بڑا رسوخ ہے۔ بینک کے بارے وہ کہتے ہیں کہ کسی کو سود سے تکلیف ہے تو بینک نہ جائے۔ ماسٹر صاحب امن کے داعی ہیں، ان کا یہ کہنا ہے کہ بینک آج کل کی ضرورت ہے۔ جن لوگوں کو بینک سے تکلیف ہے، وہ اس کا متبادل مہیا کر کے دکھائیں۔
گاؤں میں بشیر چشتی صاحب ہیں، نوجوانوں کو دین کی تعلیم دیتے ہیں۔ سود کے نقصانات بتاتے ہیں مگر مرنجاں مرنج آدمی ہیں۔ ان کی محفل میں خود بینک والے مسٹر طاہر بھی بے خوف شرکت کرتے ہیں۔
ماسٹر ریاض اور چشتی صاحب دونوں سیکولر ہیں۔

Fb.com/OfficialJamaat
Fb.com/JUIAnswersBack

سیکولرزم، تھیوکریسی کی ضد ہے:

پہلے تھیوکریسی کو سمجھیں۔ فرض کریں، ایک آدمی کے خیال میں پینٹ شرٹ پہننا حرام ہے اور تہہ بند باندھنا ہر مسلمان کی شرعی ضرورت ہے۔ جس میں اس کی دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ یہ آدمی چاہتا ہے کہ پاکستان آرمی میں پتلون کی بجائے، شرعی لباس جو کہ اس کے خیال میں تہہ بند ہے، وہ رائج کیا جائے تو غیبی امداد ہوگی۔ اس آدمی کو بنیاد پرست کہیں گے۔ اس آدمی کی سوچ کے مطابق حکومت چلائی جائے تو اس کا نام تھیوکریسی ہے۔ اس بنیاد پرست آدمی کو اپنی ذاتی زندگی اپنے خیال کے مطابق گزارنے کا پورا حق حاصل ہے، اگر حکومت یا معاشرہ، بلاوجہ اس کی زبان بندی نہیں کر رہا تو اس کا نام سیکولرازم ہے۔
خاکسار کا دعوی ہے کہ اسلام سے زیادہ کوئی دین، سیکولر نہیں۔ یہ دین "لا اکراہ فی الدین" کا اصول دیتا ہے، دلیل کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس کے جنگی رولز میں اسلام کے مقابل اصل نظریاتی کرداروں مثلاً پادری اور چرچ کو امان دی گئی ہے، اس لئے کہ اسلام دلیل کا سامنا کرنے سے نہیں گھبراتا۔

سیکولرازم کیا ہے؟

یہ تصوف کی ہی شکل ہے کہ اپنا عقیدہ چھوڑو نہیں، کسی اور کے عقیدے کو چھیڑو نہیں۔ اس میں یہ اضافہ کر لیجئے کہ اپنے عقیدے یا نظریئے کا، دلیل اور قولِ احسن (منطقی اور میٹھی بات) سے پرچار کر سکتے ہو۔

کمیونزم:

یہ کسی عقیدے کا نام نہیں، ایک اجتماعی معاشی نظام کا نام ہے۔ کمیونسٹ وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ افراد کی آمدنی، ریاست کی اجتماعی ملکیت یا مشترکہ وراثت ہے۔ انفرادی دولت جمع کرنے کی گنجائش نہیں۔ کام سارے لوگ مل کر کریں لیکن آمدن ریاست کے پاس جمع ہو، جو اس کو سب لوگوں کی فلاح میں خرچ کرے۔ کمیونزم، سرمایہ داری نظام (کیپٹلزم) کا رد ہے۔

ایک کمیونسٹ، مسلمان یا عیسائی یا لامذہب وغیرہ ہو سکتا ہے، اس کا عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں۔ بحیثیت مسلمان، ہم کمیونزم کے معاشی نظام کو ناقص سمجھتے ہیں۔ اسی طرح سرمایہ داری نظام پر بھی ہمیں تحفظات ہیں۔ اسلام کے پاس ان دونوں سے بہتر معاشی نظام موجود ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

دہریہ یا ملحد:

گاؤں میں ایک چوہدری یوسف بھی ہے جو مذہب اور خدا کو بالکل نہیں مانتا۔ پس چوہدری ایک دہریہ ہے، سیکولر اور اسلامی حکومت میں دہریے کی سارے انسانی حقوق محفوظ ہیں مگر تھیوکریسی میں وہ قابل موت ہے (امام ابوحنیفہ کا دہریے سے بغداد کی مسجد میں برسرِ عام مناظرہ بتاتا ہے کہ اس زمانے میں بھی ملحدین کو اپنے قتل کو خوف نہ تھا اور دلیل کی بنیاد پر، وقت کے اکابر علما کو چوک میں چیلنج دے سکتے تھے)

ہمارے ہاں کمیونسٹ، سوشلسٹ، لبرل، سیکولر، سب کو دہریہ سمجھا جاتا ہے، سو غلط ہے۔

جمہوریت:

گاؤں کا نظام چلانے، پنچایت کے دس ارکان کا انتخاب ہونا ہے۔ گاؤں میں تیس امیدوار اس کے لئے میدان میں آ گئے ہیں۔ اس الیکشن میں قادری، حکیم طارق اور حاجی ابرار نے حصہ نہیں لیا۔ کیوں؟ قادری اس عمل کو غیر اسلامی سمجھتا ہے۔ حکیم طارق اور حاجی ابرار اسے فضول اور وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں۔ (ان دونوں کی اتباع میں، ان کے چند ہم خیال بھی الیکشن سے دور رہے۔)

پرویز، فاشسٹ ہونے کی بناء پر قادری کی ہی طرح محدود حلقہ اثر رکھتا ہے، پس وہ بری طرح ہار گیا۔

نتائج کچھ یوں آئے:

چشتی، نعیم اور چوہدری ممبر بن گئے۔ مسٹر طاہر گروپ کے دو آدمی جبکہ ماسٹر ریاض کے 5 آدمی ممبر بن گئے۔ یوں گاؤں کی 10 آدمیوں کی پنچایت کا مکھیا، ماسٹر ریاض کو منتخب کر لیا گیا جو سیکولر آدمی ہیں۔

اس وقت گاؤں میں بڑا مسئلہ امن کا ہے جس کی بنیاد بینک ہے۔ بینک، پنچایت کی رکن کی ملکیت ہے۔ ملا قادری، رکن نہ ہونے کے باوجود، گاؤں میں ایک اثر تو بہر حال رکھتا ہے۔ ماسٹر ریاض بینک کو گاؤں کی ترقی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ معزز رکن، چشتی صاحب بھی چاہتے ہیں کہ بینک ختم ہو جائے مگر ان کو بھی احساس ہے کہ بینک، عوام کی سہولت بھی ہے اور طاہر صاحب کا بزنس بھی ہے۔ وہ بھی حکیم طارق اور حاجی ابرار کی طرح نظریاتی اور سوشلسٹ ہیں، مگر جمہوری آدمی بھی ہیں۔ پس، چشتی صاحب نے اہل علم کی مشاورت سے، پنچایت میں ایک تجویز پیش کی، کہ بینک کی بجائے، مضاربہ سکیم کھول دی جائے، جس کا سربراہ طاہر صاحب کو بنا دیا جائے۔

فرمایئے! اس تجویز پہ مکھیا ریاض صاحب، ان کے مد مقابل طاہر صاحب اور انتہا پسند ملا صاحب، ان تینوں کو کیا مسئلہ ہو سکتا ہے؟ ریاض صاحب کو تو چشتی صاحب یا طاہر صاحب کی بجائے گاؤں کا امن عزیز ہے، جس کو ملا قادری خراب کرنے پہ تلا ہے۔ ان کی ترجیح یہ ہے کہ ملا، بدامنی سے باز آ جائے۔ مگر چوہدری یوسف اور نعیم اس کی بھی مخالفت کریں گے کیونکہ ان کو چشتی صاحب سمیت ہر مذہبی آدمی سے بغض ہے۔

مگر اکثریت کی بنیاد پہ فیصلہ چشتی صاحب کے حق میں آیا اگرچہ ان کا اپنا ایک ہی ووٹ تھا۔ یوں پرامن طریقے سے مسئلہ کا حل نکل آیا، اس کو جمہوریت کہتے ہیں۔ اس میں چشتی صاحب کے ارکان کا زیادہ ہونا، اچھی بات سہی مگر ضروری نہیں۔ اہم بات، خود چشتی صاحب کی سوچ، دلیل کی طاقت اور بیشتر ارکان میں ان کی وقعت و محبت کا ہونا ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

مضمون ختم ہوا۔

باب سوم: دینی سیاسی جماعت کا مطلب کیا ہے؟

جمعیت علماء اسلام اگرچہ علمائے دیوبند کے تصور حکومت کی داعی ہے، مگر یہ ایک مذہبی سیاسی جماعت نہیں بلکہ دینی سیاسی جماعت ہے۔ مذہبی جماعت، کبھی جمہوری ہو ہی نہیں سکتی۔

آسانی کے لئے یوں سمجھ لیجئے کہ مذہب اور چیز ہے، دین اور چیز۔

مذہب میں فرد کا اپنے نفس سے تعلق ہوتا ہے، جبکہ دین میں فرد کا اپنے باہر سے۔ مثلاً آپ کار پارک کر کے مسجد گئے۔ آپ وہاں 100 رکعت نماز پڑھیں، یہ آپ کا مذہب ہے۔ لیکن اگر پارکنگ سے کسی کا راستہ بند ہوتا ہے تو یہ دین ہے۔ خدا نے قرآن میں دین پہ زور دیا، مذہب کو زیادہ ٹچ نہیں کیا۔

نماز افضل ترین عبادت ہے لیکن قرآن میں اس کے اوقات تو کیا رکعات کا بھی ذکر نہیں۔ دوسری طرف یتیم کی وراثت بارے 2 صفحے، مسئلہ طلاق بارے 2 رکوع، غرض خدا نے دین کو واضح کیا ہے۔

یاد رکھئے، آج کے مولوی آپ کو مذہب پہ الجھائیں گے، دین کی بات نہیں کریں گے۔ کیوں؟ سنئے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''دین میں پہلی بدعت جو شروع ہوئی وہ پیٹ بھر کر کھانے کی تھی'' اب بھلا کونسا مولوی اس بدعت کا تذکرہ کرے گا؟ پس آپ لوگ کبھی مذہبی بحث میں نہ پڑا کریں۔ دین کی بحث کریں گے تو دین میں کسی فرقے کا اختلاف ہے ہی نہیں۔ ساری دکانداری مذہبی بحث پہ چلتی ہے جس کی خدا کے ہاں وقعت نہیں۔

سارے قرآن کا خلاصہ، ایک جملہ میں ہے کہ: ''انسان بن کر رہو''

جیسے ''پختو'' غیرت کا دوسرا نام ہے اور جس میں غیرت نہیں، وہ پشتو بولتے ہوئے بھی پٹھان تو ہو سکتا ہے (جو قوم کا نام ہے) پختون نہیں ہو سکتا۔ ایسے اسلام، انسانیت کا نام ہے جس میں انسانیت نہیں، وہ مسلمان تو ہو سکتا ہے (جو ایک گروہ کا نام ہے) مسلم نہیں (یہ صرف پختون بھائیوں کو سمجھانے کے لئے مثال عرض کر دی، تعصب کے لئے نہیں)

دینی سیاسی جماعت کی جدوجہد جمہوری طریقے سے اپنے نظریہ کی حکومت قائم کرنے کیلئے ہوتی ہے۔ اس میں اس جماعت کے افراد کا حکومت میں آنا اصل نہیں ہوتا بلکہ جمہوری طریقے سے اپنے نظریے کی حفاظت، حمایت اور اس کی نفاذ کا ہدف ہوتا ہے، پس اس میں تعداد کی اہمیت نہیں ہوا کرتی۔

یہاں ایک دلچسپ بات کا تذکرہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہمارے ہاں مغرب زدہ لبرل فاشسٹوں کا ایک گروہ، مولویوں کو سیاست تو کیا، زندہ رہنے کا حق دینے کا روادار نہیں۔ مگر ان کا آدرش مغرب کا

آئیڈیل جمہوری نظام ہوتا ہے۔

اہل مغرب کے ہاں وہ ذہنی مریض طبقہ جسے ''گیز'' کہا جاتا ہے، شاید چوتھائی فیصد سے بھی کم ہو لیکن ان کو بھی وہاں اپنے حقوق کی بات کرنے پر کوئی طعن و تشنیع کا ہدف نہیں بناتا۔ اس لئے اہل مغرب کو لبرل سوسائٹی کہتے ہیں کہ وہ رنگ، نسل، عقیدے یا جنس کی بنیاد پر انسانوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے، بلکہ وہ تو ان لوگوں کی بات کو بھی احترام سے سنتے ہیں جو ایسی تفریق کے حامی ہیں۔ ہمارے ہاں کے دیسی لبرلز کا فارمیٹ ان کی سوشل میڈیا پوسٹوں سے بخوبی ظاہر ہے۔ اس پہ میرا ایک مختصر مقدمہ سن لیجئے:

پاکستان کے بیس کروڑ عوام میں سے پشتون شاید 4 کروڑ ہوں۔

بتائیے! لبرل ازم کے کس اصول کے تحت، نسل کی بنیاد پر پشتونوں پر پھبتیاں کسی جاتی ہیں؟ کیا پشتونوں کی یہ توہین، اس احساس کمتری کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک اعلی نسل سے تعلق رکھتے ہیں؟

پاکستان کے بیس کروڑ عوام میں سے مدارس سے فارغ مولوی شاید ایک کروڑ ہوں گے۔

بتائیے لبرل ازم کے کس اصول کے تحت، پروفیشن کی بنیاد پر مولویوں پہ پھبتیاں کسی جاتی ہیں؟ کیا مولویوں کی یہ توہین، اس احساس کمتری کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک اعلی پروفیشن سے تعلق رکھتے ہیں؟

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

پشتونوں نے اگر اپنے حقوق کی خاطر، الگ سیاسی جماعت بنائی ہوئی ہے تو کسی لبرل کو کیا حق ہے کہ اس جماعت پر فقرے کسے؟ مولویوں نے اگر اپنے حقوق کی خاطر الگ سیاسی جماعت بنائی ہوئی ہے تو لبرل کو کیا حق ہے کہ اس جماعت پر فقرے کسے؟

اس وقت پشتونوں کی کئی نمائندہ سیاسی جماعتیں ہیں، وہ اکٹھے کیوں نہیں ہو جاتے؟ یہ دردسر پشتونوں کا ہے یا غیر پشتونوں کا؟ کسی لبرل کو اس سے کیا تکلیف؟ اس وقت مولویوں کی کئی نمائندہ سیاسی جماعتیں ہیں وہ اکٹھے کیوں نہیں ہو جاتے؟ یہ دردسر مولویوں کا ہے یا غیر مولویوں کا؟ کسی لبرل کو اس سے کیا تکلیف ہے؟

میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کی انرجی ضروریات کے لئے کالا باغ ڈیم بننا ضروری ہے۔ قوم پرست سیاسی جماعتوں کو اس سے اتفاق نہیں۔ وہ پریشر ڈالتے ہیں، سخت زبان استعمال کرتے ہیں کہ یہ ڈیم نہیں بننا چاہیے تو کیا یہ مطالبہ کرنا اس طبقہ کا حق نہیں؟۔ کیا وہ پاکستان کے شہری نہیں؟

میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کی امن اور معیشت کیلئے سیکولر آئین بننا ضروری ہے۔ مذہبی سیاسی جماعتوں کو اس سے اتفاق نہیں۔ وہ پریشر ڈالتے ہیں، سخت زبان استعمال کرتے ہیں کہ ایسے قوانین نہیں بننے چاہئیں۔ تو کیا یہ مطالبہ اس طبقہ کا حق نہیں؟ کیا وہ پاکستان کے شہری نہیں؟

کالا باغ ڈیم کا مسئلہ اگر باقی پاکستانیوں کے لئے اتنا تشویش کا باعث ہے تو ریاست پاکستان کے

مقتدر ادارے، اس پہ قومی ٹیکنکل مکالمے کا اہتمام کیوں نہیں کراتے؟ تاکہ قوم پرستوں کا موقف بھی قوم کے سامنے آجائے؟ کیا قومی میڈیا میں اس مکالمے کا اہتمام اس نہیں کیا جارہا تاکہ پشتونوں کو ضدی، کم عقل اور ملک دشمن ظاہر کیا جائے؟۔

آزاد آئین کا مسئلہ اگر باقی پاکستانیوں کے لئے اتنا تشویش کا باعث ہے تو ریاست پاکستان کے مقتدر ادارے، اس پہ قومی تھیوریٹکل مکالمے کا اہتمام کیوں نہیں کراتے؟ تاکہ مولویوں کا موقف بھی قوم کے سامنے آجائے؟ کیا قومی میڈیا میں اس مکالمے کا اہتمام اس لئے نہیں کیا جارہا تاکہ مولویوں کو ضدی، کم عقل اور ملک دشمن ظاہر کیا جائے؟۔

معاف کیجئے، اپنی بات سمجھانے مجھے پشتونوں اور مولویوں کی مثال اس لئے بھی ایک ساتھ دینی پڑی کہ پختو، غیرت اور اسلام، ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں۔

بات یہ ہے کہ سیکولر اور لبرل میں ایک فرق ہوتا ہے۔ ایک سچا سیکولر، دلیل کا احترام کرتا ہے۔ دلیل پہ اپنا موقف پیش کرتا ہے اور دلیل کو سنتا ہے۔ جبکہ لبرل شخص، اگرچہ مذہب بیزار ہوتا ہے اور مذہبی لوگوں سے نفرت کرتا ہے لیکن بنیادی انسانی اخلاقیات کے پیش نظر، کسی بھی طبقے کا تمسخر نہیں اڑایا کرتا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

مگر ہمارے دیسی جعلی لبرلز، فقط ایک خالی الذہن متعصب طبقہ ہے، جن کے پاس سوائے جگتوں اور لطیفوں کے کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ اس لئے ان لبرلز کو میں "میڈان چائنا" یعنی دو نمبر لبرلز کہتا ہوں۔ راقم خود کو ایک سچا سیکولر سمجھتا ہے، اس لئے کہ سیکولر منافق نہیں ہوتا۔ مندرجہ ذیل مضمون، کئی جہات واضح کرے گا۔

ایک سیکولر، کم علم ہوسکتا ہے پر منافق نہیں:

لبرل اور سیکولر میں بڑا فرق ہے۔ لبرل کہتا ہے کہ ہم اپنی مرضی کی زندگی گذارنے میں آزاد ہیں۔ مجھے آپ سے اور آپ کو مجھ سے کوئی غرض نہیں ہونا چاہئے۔ کھالے، پی لے، موج اڑالے:

؎ بابر بہ عیش کوش، کہ عالم دوبارہ نیست

سیکولر مگر یہ کہتا ہے کہ: آیئے! ایک مہذب معاشرے کو وجود میں لانے کے لئے ہم مکالمہ کریں۔ اگر ایک دوسرے کی دلیل سے مطمئن نہ ہوسکے، تب بھی ایسا پرامن راستہ نکالیں گے جس میں بقائے باہمی سے زندگی گذار سکیں۔

ایک سیکولر آدمی، امن کا داعی ہوتا ہے۔ پس وہ اپنی سوسائٹی سے بیگانہ نہیں رہ سکتا۔ سیکولرزم، سوشلزم اور جمہوریت آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔

تجزیئے کسی وقوعے سے جنم لیتے ہیں، ایک سیکولر کسی وقوعے پر اپنے تاثرات دینے سے پہلے مقدور بھر ہر زاویئے سے اس کا جائزہ لیتا ہے۔ اس تحقیق میں کم علمی یا بھول چوک تو ہوسکتی ہے مگر منافقت نہیں۔ اس لئے کہ سیکولر آدمی، معاشرے کے کسی طبقے سے تعصب رکھتا ہے، نہ کسی سے ناانصافی برداشت کرتا ہے۔

مگر پختونخوا کے آرمی پبلک اسکول میں بچوں کے قتل عام کے ضمن میں سیکولرزم کے داعی چند لکھاریوں نے خود ہی جج بن کر پہلے قاتل نامزد کیئے، پھر اس بنیاد پر ''ملاں'' کی مذمت میں مرصع بیانیے لکھ کر، ملفوف انداز میں اسلام کو خونخواری کی علت قرار دینے کی کوشش کی۔

مُلا برہمن ہیں یا شودر، تعداد میں کم ہیں یا زیادہ۔ مگر ہمارے معاشرے کا ایک طبقہ ضرور ہے۔ اپنی ذاتی رائے رکھنا اور بات ہے، مگر کسی طبقہ کی تذلیل کرنا، چاہے وہ احمدی ہی کیوں نہ ہوں، کم از کم میرے سیکولرزم سے تو بعید ہے۔ تجزیہ کرنے اور نتیجہ نکالنے سے پہلے دو بنیادی معلومات اکٹھی کریں۔ قاتلوں کی شناخت اور بربریت کی وجوہات۔

ایک سیکولر کو کیسے تجزیہ کرنا چاہیے؟ اس پر اپنا موقف واضح کرنے میں آرمی سکول پشاور کے سانحے کی مثال لیتا ہوں۔ جب قاتل و مقتول دنیا میں نہ رہے، اور فوج نے فوراً چند سہولت کار پکڑ لئے جنہوں نے اعتراف کیا کہ یہ ٹی ٹی پی کی کارروائی ہے، تو کوئی وجہ نہیں بنتی کہ فوج کی اس خبر پہ اعتبار نہ کیا جائے۔

مہذب ملکوں میں سرکاری، بالخصوص فوجی ایجنسیاں ہی تو بتاتی ہیں کہ قاتل کون تھے؟ شومئی قسمت کہ پاکستان کے عوام کی اکثریت اپنی ایجنسی کی اطلاع کو قابل اعتماد نہیں سمجھتی، اسلئے کہ اس محکمہ کا ٹریک ریکارڈ مشکوک ہے۔ ماضی یہ ہے کہ بنگال میں 90 ہزار فوج ہتھیار ڈال رہی تھی اور یہ محکمہ ہماری فتح کی ریلیز جاری کر رہا تھا۔ حال یہ ہے کہ بیان حلفی تھا ''پاکستانی ائرپورٹ، امریکیوں کو نہیں دئے گئے'' اور بعد میں پتہ چلا، بغیر کسی لکھے معاہدے کے زبانی ہی حوالے کردئے گئے تھے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

لوگ اس پہ یقین نہیں کرتے کہ نظریاتی سہولت کار، ڈاکٹر عاصم جیسوں سے بھی کمزور دل ہوں گے۔ ڈاکٹر عاصم کو چھ ماہ تحویل میں رکھ کر ایجنسیاں کچھ نہ اگلوا سکیں، مگر سہولت کار دوسرے روز ہی سب راز اگل دیتے ہیں۔ لہذا، جنرل عاصم باجوہ کے انکشافات کو ایک طرف رکھیں اور ممکنہ قاتلوں کی دلائل کے ساتھ ایک فہرست بنائیں۔

پہلا نام تو دشمن ملک کی ایجنسی کا ہوگا جس کے اسباب ظاہر ہیں۔

دوسرا نام، ٹی ٹی پی کا ہے۔ پاکستانی طالبان کوئی خیالی وجود نہیں ہے، بلکہ ان کی دہشت و بربریت کی تفصیلی داستانیں، ابھی اہل پاکستان کو پوری طرح معلوم نہیں ہیں۔

بحرین پولیس میں محسود قبائل کافی تعداد میں بھرتی ہیں۔ 2007ء میں خاکسار وہاں گیا تو معلوم ہوا کہ یہاں طالبان کا چندہ (یا بھتہ) جمع کیا جاتا ہے اور ایک آدمی نے لیت ولعل سے کام لیا تو اس کے اہل خانہ کو بیت اللہ محسود نے اٹھوا لیا اور پھر اس نے وہاں جا کر معافی تلافی کی۔ مہمند ایجنسی میں ولی خان نامی سفاک طالبان لیڈر کے قصے سنیں تو آپ کو آرمی سکول کا سانحہ بھول جائے۔ مگر ایک بہت افسوسناک پہلو یہ ہے کہ قبائلی، جب طالبان کی درندگی کی باتیں سناتے ہیں، تو دبے لفظوں میں آرمی اور طالبان کے گٹھ جوڑ کے بھی کئی واقعات سناتے ہیں۔

ممکنہ قاتلوں میں تیسرا نام، ایم کیو ایم بھی ہوسکتا ہے کہ بربریت ان کی پہچان بن چکی ہے۔ کبھی فوجی ایجنسیوں نے ہی ہمیں بتایا تھا کہ ایم کیو ایم کے لوگ بوری بند لاشوں میں ملوث ہیں اور ان کے عقوبت خانوں میں مخالفین کے بدن میں ڈرل سے سوراخ کیے جاتے ہیں۔ صولت مرزا جیسوں کی گواہی کے بعد، ان وحشیوں کے گرد گھیرا تنگ ہونے لگا تو کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے ایجنسیوں کو عوامی دباؤ میں لانے کو یہ حرکت کی ہو؟ ایک نام پیپلز پارٹی کا بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی تاریخ بھی ایسے کاموں سے مبرا نہیں۔ انہوں نے پی آئی اے کا جہاز اغوا کر کے اور معصوم مسافر کو قتل کر کے، اس ملک میں پہلی دہشت گردی کا اعزاز حاصل کیا۔ یہ خبریں بھی آتی رہی ہیں کہ زرداری ٹولے کی طالبان سے رسم و راہ تھی۔ خود زرداری کی فوج کو دھمکی بھی ریکارڈ پر ہے۔ افواہ تو یہ بھی ہے کہ بینظیر کو مروانے میں اس کا ہاتھ ہے۔ عزیز بلوچ، پیپلز پارٹی کا سرکردہ راہنما ہے۔ بھتہ نہ دینے پر 400 معصوم لوگوں کی جان لینے کا اقرار کر چکا ہے اور اس خونخواری میں بقول اس کے ''انسانیت نواز'' پیپلز پارٹی کے بڑوں کی آشیر باد حاصل رہی۔ آج عزیر بلوچ کی وجہ سے ان کے گرد گھیرا تنگ ہو رہا ہے تو وہ لوگ، جو مال بنانے کے لئے معصوموں کی جان لینا کھیل سمجھتے تھے، کہیں انہوں نے تو ایجنسیوں کو گمراہ کرنے کیلئے یہ قتل عام نہیں کیا؟

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBank

پھر اپنی فہرست میں، فوج کو بھی مشتبہ کے طور پر رکھنا ہوگا کہ بربریت میں خود فوج کا ماضی بھی داغدار ہے۔ جنرل ٹکا خان نے بنگال میں قتلِ عام سے کہا تھا کہ مجھے بنگال کی زمین چاہیے، بنگالی نہیں۔ ممکن تو یہ بھی ہے کہ کسی نے یہ جملہ دہرایا ہو کہ ہمیں پختونخوا کی زمین چاہیے، پختون نہیں۔ ڈھاکہ یونیورسٹی اور لال مسجد کے طلبا کو قتل کرنے والا ادارہ، کیونکر مشکوک نہیں ہوسکتا؟

آپ خود کو سیکولر سمجھتے ہیں تو آپ کو سب مشکوک کرداروں پر نگاہ رکھنی ہوگی۔ اگر واقعہ کے ذمہ داران کی فہرست میں آپ کو طالبان کے علاوہ کوئی نہیں سوجھتا تو یا تو آپ متعصب اور منافق ہیں، یا پھر آپ کا ذہن کمزور ہے، ہر دو صورت میں صرف اردو دانی اور لفاظی کے زور پر آپ کو تجزیئے جیسا سنجیدہ کام

نہیں کرنا چاہئے۔ میں نے مندرجہ بالا زاویوں سے جائزہ لینے کے بعد یہ رائے بنائی ہے کہ یہ دہشتگردی، ٹی ٹی پی نے کی ہے۔ ہوسکتا ہے میرا تجزیہ غلط ہو، مگر میں نے ممکنہ قاتلوں کی ساری فہرست آپ کے سامنے رکھ دی ہے۔ میرا خیال ہے ایک سیکولر کا یہی انداز ہونا چاہئے۔ خیر، آگے چلیں، اب نام پتہ چل گیا تو ان کی حقیقت معلوم کی جائے۔ اس کے بعد سوال ہوگا کہ انہوں نے کیوں یہ کام کیا؟

صورتحال یہ ہے کہ ٹی ٹی پی والوں کو بھی صرف جنرل باجوہ صاحب جانتے ہیں کیونکہ یہ پاکستانی طالبان، ہر کارروائی کے بعد جنرل صاحب کو ہی فون کر کے اس کی ذمہ داری قبول لیتے ہیں۔ ہم بیچارے تو ابھی تک یہ نہیں جان پائے کہ کرنل تارڑ کو کرنل امام کیوں کہتے تھے؟

خیر کرنل امام کو تو ہم نے نہیں دیکھا، لیکن مشرف دور میں لاپتہ افراد کے حق میں مظاہرے کرنے والا سفید ریش، خواجہ خالد تو سب کو یاد ہوگا۔ ہم نے ٹی وی پر اس نیک بزرگ کو پولیس کی لاٹھیاں کھاتے دیکھا پھر پتہ چلا کہ کرنل امام کے ساتھ خواجہ خالد بھی وزیرستان میں مارے گئے اور دونوں حضرات ہماری ایجنسیوں کے ملازم تھے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دس سال بعد ہمیں پتہ چلے کہ مولوی برقعہ پوش، دراصل میجر عبدالعزیز صاحب تھے؟ اب آپ یہ نہ کہیں کہ وہ مدت دراز سے جمعہ کے خطبے دیتا ہے۔ لارنس آف عربیا انگریز ہو کر عربوں کی امامت کرسکتا ہے تو ہماری ایجنسیاں بھی اتنی گئی گذری نہیں۔ خیر سے فلموں میں اداکاری سے لے کر، گائیکی ونغمہ نگاری تک نامور پروفشنلز کو مات دیتے ہیں۔

جب ریاست حقائق چھپاتی ہے تو پھر عوامی ذہن سازی میں، سینہ گزٹ خبریں دخیل ہوا کرتی ہیں۔ افواہ تو یہ بھی ہے کہ جب افغان مجاہد راہنماؤں کا اسلام آباد آنا ضروری ہوگیا تو لال مسجد کے پہلو میں یتیم لڑکیوں کا باپردہ مدرسہ بنایا گیا جس کے زیرزمین راستے، آبپارہ میں نکلتے تھے۔ شنید یہ بھی ہے کہ خود بیت اللہ محسود آپریشن سے دو ماہ پہلے اسلام آباد آیا تھا اور لال مسجد کے مولوی کے حجرے سے ہو کر آبپارہ سے لنڈے کے کپڑے خریدنے گیا تھا۔ خیر جب اس مدرسے کی ضرورت نہ رہی تو اس کے انہدام کو دنیا کے میڈیا سے چھپانے کیلئے "کثیرالمقاصد" اہداف پر مشتمل ایک حساس آپریشن کیا گیا۔

بہرکیف، مجھے سیکولر ہونے کا دعوی ہے تو اس طرح سنی سنائی باتوں پہ اپنے بیانئے تشکیل نہیں دیا کرتا۔ لیکن فرض کریں، واقعی مولویوں کا ایک گروپ اس خونریزی میں ملوث ہو، تب بھی پوری ایک کمیونٹی کو رگیدنا، کونسا سیکولرزم ہے؟

حیرت ہے کہ جنرل ضیاء کو گالیاں دیتے ہوئے اسکے ادارے کو گالی نہیں دی جاتی۔ حالانکہ پورا ادارہ اس کی پشت پہ کھڑا تھا (اور اب بھی ہے) مگر لال مسجد یا سانحہ پشاور کے جنونی کو بنیاد بنا کر، ہر مولوی کو گالی

Fb.com/OfficialJuiat
Fb.com/JUIAnswersBack

دی جاتی ہے۔ اگر آپ سیکولر ہیں تو کسی طبقے پر تبصرہ کرتے وقت گھوڑے، گدھے کا فرق کیوں نہیں روا رکھتے؟ کیا اس کا سبب، فقط لاعلمی ہے یا منافقت ہے؟

میں نہیں کہتا کہ مذہبی لوگوں کو ایسی خونریزی میں استعمال نہیں کیا جاسکتا، 150 میرا سوال یہ ہے کہ آپ پورے طبقہ کو اس سے کیونکر جوڑتے ہیں؟ اگر آپ یہ بہانہ بناتے ہیں کہ مذہبی طبقہ، دہشتگردی کی کارروائیوں کی مذمت نہیں کرتا تو معاف کیجئے، آپ پھر منافق یا لاعلم ہی ہوسکتے ہیں۔

اگر مولوی عبدالعزیز جیسے لوگوں نے اسلام کے نام پر بچوں کو مروایا تو مشرف نے بھی کارگل میں ہزاروں جوانوں کو وطن کے نام پر بلاوجہ قتل کروایا۔ مولوی عبدالعزیز سے علماء کی اکثریت نے براءت کا اعلان کیا جبکہ مشرف کے ایڈونچر سے بھی 99 فیصد فوج لاعلم تھی (مشرف سے اختلاف کرنے والے افسروں کی کتابیں مارکیٹ میں ہیں) فرق یہ ہے کہ سنجیدہ علما، مولوی برقعہ پوش سے اس کے ایڈونچر کے دوران ہی براءت کا اعلان کرتے تھے، جبکہ پرویز مشرف کے دوست اس کی ریٹائرمنٹ کے بعد اس سے اپنا اختلاف بیان کرتے ہیں۔

برسبیل تذکرہ، ملاں کے خلاف لکھے متعصبانہ تجزیوں میں گھوم گھام کے بات ملا عمر پہ ضرور لائی جاتی ہے اس خاکسار کی بدقسمتی یہ ہے کہ ہوا کا رخ دیکھ کر نہیں لکھتا۔ چنانچہ ملا عمر کے عروج میں ان کا نقاد تھا تو اب ان کا حمایتی ہوں۔ وہ طالبان جن سے ساری دنیا بخوبی واقف ہے، وہ افغانستان نامی ہمارے پڑوسی ملک میں ملا عمر کے زیر امارت حکومت کیا کرتے تھے (یاد رہے کہ افغانستان ایک خودمختار ملک ہے، ہماری باجگذار ریاست نہیں) افغانستان کے علاوہ ایران بھی ہمارا پڑوسی ملک ہے۔ مہذب دنیا ہم کو اجازت نہیں دیتی کہ کسی ملک کے داخلی معاملات میں دخل دیں اور پھر یہ تو ہمارے پڑوسی ممالک تھے، لیکن اگر دوسرے ملک پہ تبصرہ کرنا ضروری ہے تو صرف ایک پر کیوں؟ ایران اور افغانستان دونوں پر کیوں نہیں؟

ہمیں افغانستان میں ملا عمر کی سوچ اور طرز حکومت سے اختلاف تھا، اسی طرح ہمیں ایران میں امام خمینی کی سوچ اور طرز حکومت سے بھی اختلاف تھا۔ طالبان ووٹ کے ذریعے برسراقتدار نہیں آئے تھے اور نہ ہی خمینی صاحب۔ طالبان اپنے تئیں پوری دنیا کے کفار کے دشمن تھے لیکن انہوں نے کبھی کسی کو نام لیکر گالی نہیں دی۔ خمینی صاحب نے تہران کے چوک پر ایک بڑا ابل بورڈ لگوایا تھا جس پر جنرل ضیاء، صدام حسن اور ملک فہد کی تصاویر لگی تھیں اور نیچے ''سگانِ امریکہ''، یعنی امریکہ کے کتے لکھا تھا۔ آپ نے کبھی اس رویئے کو بھی زیرِ بحث لایا؟ نہیں تو کیوں؟

امام خمینی کے برسراقتدار آتے ہی پاکستان میں مفتی جعفر حسین کی قیادت میں ''تحریک نفاذ فقہ جعفریہ''

fb.com/OfficialJamiat
fb.com/UrduAnswersBook

رجسٹر کی گئی۔ کیا طالبان نے پاکستان میں کبھی "تحریک نفاذ فقہ طالبانی" بنائی؟ تسلیم کہ طالبانی فقہ والے یہاں پہلے سے موجود تھے۔ تو خمینی صاحب کے فقہ والے بھی روز اول سے یہاں موجود تھے اور بمشکل 10 فیصد ہونے کے باجود ہر سال پورا ملک دو دن کے لئے ان کا یرغمال بنا دیا جاتا تھا (اور ہے) اگر میں سیکولر ہوں تو مجھے کسی کے فردی عقائد سے کام نہیں، مگر سوسائٹی کو ڈسٹرب کرنے والے افعال کو زیر بحث لانا میری ذمہ داری ہے یا نہیں؟

موازنے ہی کے لئے سہی، کبھی اس پہلو کو بھی آپ نے موضوع بنایا ہے؟ نہیں، تو کیوں؟

اگر آپ کو یہ اعتراض ہے کہ پاکستان میں طالبانی سوچ کے حامل افراد پائے جاتے ہیں، تو اس میں کونسی انہونی ہے؟ روس نہ ہمارا ہمسایہ ہے، نہ اس سے مذہبی یا نسلی تعلق ہے۔ مگر کیا روس کے نظریاتی حمایتی، جن کو "سرخے" کہا جاتا تھا، ہمارے ملک میں ایک معتدبہ تعداد میں موجود تھے، یا نہیں؟

بات نظریاتی ہم آہنگی کی نہیں ہے، مگر اولیت اس ملک کے امن کو ہونی چاہئے۔

بجا کہ پاکستان میں کچھ لوگوں نے بزور، ایرانی یا افغانی نظریات نافذ کرنے کی کوشش کی ہے، مگر ایسی ہی کوشش روسی نظریات کی خاطر چند نامور لوگ بھی تو کر چکے ہیں۔ ہمارے فوجی ذرائع نے ہمیں "پنڈی سازش کیس" کی کہانی سنائی تھی، جس کے مطابق فیض احمد فیض جیسے لوگ بھی اپنے نظریات کی خاطر پاکستان میں بغاوت کرانا چاہتے تھے۔ آج فوج کے نامزد غداروں کو گالیاں دینے والوں کو چاہیے کہ اسی کلئے کے تحت فیض صاحب کو بھی اس سعادت سے محروم نہ رکھیں۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswerBack

سیکولرزم کے علمبرداروں سے درخواست ہے کہ باچا خان اور مودودی، یا طالبان اور جمہوریت کا بیانیہ لکھنے سے پہلے خود سیکولرزم کا بیانیہ واضح کیجئے کہ یہ کس چڑیا کا نام ہے؟ اس کے کیا اصول وضوابط ہیں؟

جاتے جاتے، ایک بات عرض کرتا چلوں، کہ آپ عوام میں "طالبانی ذہن" مضبوط ہونے سے شاکی ہیں تو اس کا بڑا سبب خود پاکستان کے نام نہاد سیکولرز کا ہاتھ ہے۔

عافیہ صدیقی امریکی شہری ہے، مگر گرفتار آپ کے ملک سے ہوئی ہے۔ ممکن ہے کہ عافیہ صدیقی نے کوئی بہت بڑا جرم کیا ہو، مگر عدالت میں بہر حال اس پہ یہ چارج شیٹ پیش کی گئی کہ اس نے ایک امریکی میرین پر رائفل تانی تھی۔ اس رائفل تاننے کے جرم پر، امریکی عدالت نے اس کو 80 سال قید کی سزا دی۔ (وہ لوگ متوجہ ہوں جن کو اسلام میں وحشیانہ سزائیں نظر آتی ہیں)

اب پاکستان کے مشہور مولوی بھی معلوم ہیں، جیسے مولانا فضل الرحمٰن اور مشہور سیکولر بھی معلوم ہیں، جیسے حسن نثار۔ پاکستان کی معتدل عوام مولانا کو تو دہشت گردی کی بانگِ دہل مذمت کرتے دیکھتے ہیں، پر حسن

نثار صاحب کو عافیہ کی سزا کی مذمت کرتے نہیں دیکھتے۔اسی رویئے کی بناء پر عوام میڈیا کو متعصب جان کر سینہ گزٹ خبروں اور تجزیوں کا شکار بنتے ہیں اور بقول آپ کے طالبانی ذہنیت کا شکار ہوتے ہیں۔

آپ کو گلہ ہے کہ مولوی دہشت گردی کی مذمت تو کرتے ہیں مگر "چونکہ، چنانچہ" بھی ساتھ لگاتے ہیں۔آپ طالبان مخالفین سے پوچھئے کہ عافیہ صدیقی کی سزا بارے آپ کا کیا ردعمل ہے؟ یقین کیجئے کہ وہ بھی اگر مذمت کریں گے تو "اگر، مگر" ضرور لگائیں گے۔پس کوئی آدمی اپنا پورا موقف بیان کرنا چاہے تو اسے "اگر، مگر" کی پالیسی نہیں کہا جاتا۔

برسبیل تذکرہ حسن نثار صاحب اکثر ایک تجزیہ کرتے ہیں کہ پاکستانی عوام مولویوں کو گھاس بھی نہیں ڈالتے۔اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ عوام ان کو ووٹ نہیں دیتے۔یہ ان کا ایک اور غلط تجزیہ ہے۔عوام کا علماء سے بڑا گہرا رشتہ ہے۔ووٹ وہ اس لئے نہیں دیتے کہ وہ علماء کو حکومت چلانے کا اہل نہیں سمجھتے۔ کوئی آدمی اپنے بیٹے کو ست یا ناتجربہ کار سمجھتا ہے اور اس بناء پر اپنی دکان اس کے حوالے نہیں کرتا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا رشتہ ختم ہوگیا۔

عرض یہ کرنا تھی کہ مولوی اس ملک کا بہت بڑا طبقہ ہے، جو عوام پہ ڈائیرکٹ اثرانداز ہوتا ہے۔ایک سیکولر ہونے کی حیثیت سے آپ لوگوں کی رائے پر تنقید کریں، مگر اس کا مضحکہ نہ اڑائیں۔پھر اس تنقید میں امن عامہ خراب نہیں ہونا چاہئے اور بلا دلیل کسی طبقے کی تذلیل نہیں ہونی چاہئے۔

چونکہ ہم نئے نئے سیکولر بنے ہیں تو ہم کو یہی سیکولرزم سمجھ میں آیا ہے۔سیکولرزم کے علاموں اور مقتداؤں سے درخواست ہے کہ اگر یہ غلط ہے تو آپ سمجھا دیں کہ اصل سیکولرزم کیا ہوتا ہے؟

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

مضمون ختم ہوا۔

امید ہے آپ کو میرا موقف پوری طرح سمجھ آگیا ہوگا۔سیکولرزم، ایک انسانی خوبی ہے اور ہر خوبی کا اولین داعی اسلام ہے۔میں جمعیت علما اسلام کو ایک سیکولر دینی جماعت سمجھتا ہوں۔اس پر ایک دوست نے اعتراض اٹھایا تھا، جس کے جواب میں مندرجہ ذیل تحریر لکھی تھی۔

جمعیۃ علماء ایک سیکولر دینی جمہوری جماعت ہے:

فطری بات ہے کہ ایک ہی معاملے کو ہر انسان اپنے الگ زاویہ نظر سے دیکھتا اور سمجھتا ہے۔کسی جماعت کے کارکنوں میں فہم کا یہ اختلاف، اس وقت تک مضر نہیں جب تک نیت ٹھیک اور منزل ایک ہو۔ پاکستان کے موجودہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ تمام جمہوریت پسند اپنی ساری توانائیاں، پس منظر اور

پیش منظر پہ چھائی فاشسٹ قوتوں کی بیخ کنی کے لئے استعمال کریں۔ نہ جانے کیوں، بعض محترم دوستوں نے ایک غیر اہم موضوع کو چھیڑ دیا، جس سے نظریاتی دھڑے بندی کا امکان ہوسکتا ہے۔ ہم سیکولر لوگ ہیں، ہمیں مختلف نقطہ نظر بخوشی گوارا ہے۔ لیکن چونکہ مذکورہ موضوع پر بڑے ''دانشور'' قسم کے دوستوں نے ہمارے موقف کو استہزاء کا نشانہ بنایا ہے، تو اپنی بات واضح کرنا ہماری ذمہ داری بن جاتی ہے۔

کہا گیا کہ ''سیکولر حکومت کسی مذہب کو نہیں مانتی جبکہ جمعیۃ علما اسلام خدا کی زمین پر خدا کا نظام چاہتی ہے''

اس جملے سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ گویا سیکولرزم، اسلام کے بالمقابل ایک الگ عقیدہ ہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ نہیں بلکہ ایک طریق کار ہے۔ سیکولر نظام حکومت، انگریزی اصطلاح ہے اور اس کے برعکس تھیوکریٹک نظام حکومت ہے۔ سیکولر حکومت کی مثال انڈیا کی ہے، جبکہ تھیوکریٹک کی مثال طالبان کی حکومت کی تھی (پاکستان کا آئین بھی اصلاً سیکولر ہے، سوائے چند مجمل عبارات کے)

اب جو لوگ سیکولرزم کو ایک عقیدہ سمجھ کر اسے جمعیت کے ماٹو کے خلاف سمجھتے ہیں، وہ شاید جمعیت علماء کو بدترین منافق جماعت ثابت کرنا چاہتے ہیں، جو انڈیا میں سیکولرزم کی حمایت میں سرگرداں ہے۔ کسی غیر اسلامی عقیدے کی مجبوراً حمایت محض اس لئے نہیں کی جاسکتی کہ وہاں مسلمان تھوڑے ہیں۔ ورنہ پھر تو ایران میں شیعہ تھیوکریسی کی بھی حمایت کرنا ضروری ہے، کیونکہ وہاں سنی تھوڑے ہیں۔ جمعیت علماء نے طالبان کی حکومت کو تسلیم کیا، اس پہ غیر ملکی تسلط کو ناجائز قرار دیا، لیکن کبھی امارت اسلامی کے طرز حکومت کی بالکلیہ حمایت نہیں کی۔ اس کے بالمقابل مولانا ارشد مدنی کے بیانات ریکارڈ پر ہیں کہ انڈیا کے سیکولر آئین کی حفاظت کے لئے خون کا آخری قطرہ تک بہادیں گے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

جناب عالی! کوئی بھی حقیقی جمہوری معاشرہ سیکولرزم کے بغیر قائم ہو نہیں سکتا۔

سیکولرزم، عدم تشدد اور دلیل کا نام ہے اور یہ دلیل قرآن وحدیث سے نہیں بلکہ معاشرے کے متفقہ دستور سے دی جائے گی۔ اسی کو سیکولرزم کہتے ہیں۔ سیرت نبوی سے دلائل جمعیت علماء کے ورکرز کیلئے ہیں، اسمبلی کے فورم پر صرف 1973 کے آئین کے تناظر ہی میں دلائل دیئے جائیں گے۔

اگر یہ طریقہ کار اصل نہ ہوتا تو مولانا فضل الرحمٰن کو بے نظیر کی بجائے ضیاء الحق کے شریعت بل کا ساتھ دینا چاہئے تھا۔ وہ کم از کم بے نظیر سے زیادہ دین کی باتیں کرتا تھا۔

محترم دوستو! جمعیت علماء کا امتیاز یہ ہے کہ یہ دلیل اور جمہور کو ساتھ لے کر اپنا موقف قوم کے سامنے رکھنا چاہتی ہے۔ اس معاملے میں وہ عامۃ الناس کو مذہبی بلیک میلنگ کا شکار نہیں کرتی کہ یہ سیکولرزم کے

اصولوں کے خلاف ہے۔ اقتدار حاصل کرنے کیلئے مذہب کو بطور ہتھیار استعمال کرنے کی ابتداء مسلم لیگ اور مسٹر جناح نے کی تھی جس نے ''مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ'' کے نعرے پر سادہ لوح عوام کو بلیک میل کیا حضرت مدنیؒ نے تو ہندو، سکھ سب کو ساتھ لیکر وطن کو غیروں سے آزاد کرنے کی بات کی تھی، جس پر ان کو مودودی اور علامہ اقبال سمیت سب کے طعنے سننے پڑے تھے۔

ایک بات اور بھی واضح کروں، جمعیت علماء کا ماٹو ہے ''خدا کی زمین پر خدا کا نظام''
خدا کسی سے بذات خود رابطہ میں نہیں ہے کہ وہ بتائے کہ میرے والا اصل نظام کونسا ہے؟ ایک ہزار مولوی ہیں اور ہر ایک، اپنا اپنا خدا کا نظام لانا چاہتا ہے۔ جمعیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسی نظام کو خدا کا نظام کہتی ہے جو علمائے دیوبند نے سمجھا اور بتایا ہے۔ اس میں انیس بیس کا فرق ہوسکتا ہے، پر زیادہ نہیں۔

اب اس نظام کو مسلمانان پاکستان سے دلیل کی قوت سے منوانا ہی جمعیت کا طریقہ ہے اور اسے ہی سیکولر نظریاتی جدو جہد کہتے ہیں۔ اگر کسی کو یہ اسلامی نظام، لال مسجد کے مولوی یا فوجی بوٹوں کے سہارے لانا ہے تو ہم اسے جمعیت کی پالیسی کے خلاف سمجھتے ہیں۔

جمعیت کے کارکن، خدارا بات کو سمجھیں۔ جمعیت دلیل کی قوت رکھتی ہے اور پاکستان میں جب بھی حقیقی جمہوری پارلیمان قائم ہوا تو اسے جمعیت کے دلائل کے سامنے سرنگوں ہونا پڑے گا۔ جب تک پارلیمنٹ کی قوت مضبوط نہیں ہوتی، اگلی بات نہیں ہوسکتی۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ریاست اور چیز ہے، حکومت اور چیز۔ ریاست قائم رہتی ہے، حکومتیں آتی جاتی رہتی ہیں۔ مگر جب حکومت کو غیر آئینی طریقے سے ہراساں کیا جائے تو ریاست کمزور ہوتی اور اس کے بعد آپ کے ''ماٹو'' وغیرہ ہوا ہو جاتے ہیں۔ لولی لنگڑی، جیسی بھی ہو، پہلے حکومت کو طاقت دیں کہ ادارے اس کے کنٹرول میں آجائیں، اس کے بعد جمہوری حکومت کو بھی آئین کے دائرے میں لانا آسان ہے اور آئین میں ترامیم کرانا بھی آسان ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat

موجودہ جمہوریت کمزور ہے، بدمزہ ہے۔ مگر اسکا علاج یہ نہیں کہ اس جمہوریت کا بوریا بستر لپیٹ دیا جائے۔ نوآموز مصور سے اگر کتاب کی تصویر اچھی نہیں بنی تو دس بار یہی تصویر بنائے، بالاخر اچھی تصویر بن جائے گی۔ لیکن کتاب کی تصویر اچھی نہ بنے تو شلغم کی بنائے، وہ نہ بنے تو گھوڑے کی بنالے۔ تو قیامت تک ایک بھی اچھی تصویر نہیں بن سکتی۔ المختصر ہر وہ نظریاتی جماعت دینی نظریہ کی ہو یا دنیاوی، اگر وہ موجودہ جمہوری پارلیمانی نظام میں حصہ لے رہی ہے تو وہ سیکولر سیاست کر رہی ہے۔ ہم نے جمعیت علماء کی حمایت اسے ایک سیکولر دینی جمہوری سیاسی جماعت مان کر کی ہے، بلکہ ہم دین اسلام کو بہترین سیکولر دین سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی کارکن، جمعیت کو انقلابی خلافت والی جماعت سمجھ کر شامل ہے تو ہمیں اس کے موقف سے کوئی

مسئلہ نہیں لیکن ہمیں بہر حال اپنے موقف پہ شرح صدر حاصل ہے۔

کیا آپ نظریاتی جمہوری جماعتوں کی جدوجہد سمجھتے ہیں؟

پاکستان میں نظریاتی جمہوری جماعتیں صرف دو ہیں۔ ملکی انتظام میں دین کا نفوذ چاہنے والی جمعیت علماء اسلام اور دین کو ملکی انتظام سے الگ کرنے کی داعی اے این پی (خوش قسمتی سے دونوں جماعتیں، اپنی ہیئت میں سیکولر ہیں، میرے نزدیک سیکولر کا معنی عدم تشدد ہے) باقی سیاسی جماعتیں یا تو روٹی، کپڑا اور مکان کے سلوگن پہ سیاست کرتی ہیں، یا میگا پراجیکٹس، یا روزگار وغیرہ کے نعرے پر۔ تو ظاہر ہے کہ ان کاموں کا کسی خاص نظریے سے تعلق نہیں ہوتا۔ یہ عام انسانی ضروریات ہیں، جو ہندو و مسلم سب کیلئے ہیں اور اس پہ کسی بھی نظریاتی جماعت کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟۔

(معاف کیجئے، 40 جماعتوں کا وہ ٹولہ، جو خانقاہ آبپارہ کے حکم پہ وقتاً فوقتاً اکٹھے ہو کر دنگل سجایا کرتا ہے، ان کو میں نظریاتی جمہوری فہرست میں شمار نہیں کرتا)

اسلامی نظریاتی جماعت کا مسئلہ وہاں شروع ہوتا ہے جب وہ قرآن وحدیث کے نظام کو قومی فلاح کا اصل نظام گردان کر اس کے نفاذ کی کوشش شروع کرے۔ مثلاً پاکستان میں سودی نظام کی مثال لیں۔ سود، نہ صرف سب سے بڑا گناہ ہے بلکہ اسی سے غریب، غریب تر اور امیر، امیر تر ہوتا ہے۔ ضمناً اسی سے فحاشی، ڈاکے اور انتہا پسندی پھیلتی ہے۔

اب صورتحال یوں ہے کہ پوری دنیا سودی نظام میں جکڑی ہوئی ہے، مثلاً آج ایک آدمی حج پہ جانا چاہے تو وہ زمانہ نہیں کہ اپنا بستر اٹھائے اور پیدل مکہ کو چل دے۔ ویزے، ٹکٹ، بینک سے ہو کر جانا پڑے گا اور گویا حج کرنے میں بھی سودی نظام سے تلوث کرنا پڑتا ہے (یہ الگ بات ہے کہ سعودی عرب میں اس کو کوئی اور خوش کن نام دے دیا جائے)

عوام بچوں کی طرح کم فہم ہوتے ہیں، ان کی اکثریت کو سود کی دنیاوی قباحت کا بھی علم نہیں ہوتا اور نہ انہیں اس نظام کے بدلنے سے کوئی غرض ہوتی ہے۔ مگر اہل دانش، والدین سماں ہوتے ہیں، وہ بچوں کی چاہت کو نہیں، ان کے مستقبل کو سوچ کر، ان کی رہبری کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

سوچنے سمجھنے والے دینی حلقے، پاکستان میں اس سودی نظام بارے کیا سٹریٹیجی رکھتے ہیں......؟

آیئے ذیل میں اس کا ایک جائزہ لیتے ہیں:

1: ایک وہ دینی طبقہ ہے جو سود کی قباحت کو واضح کرنے، بڑے بلند پایہ علمی مضامین لکھ کر سمجھتا ہے

انہوں نے اپنا حق ادا کر دیا۔

2: ایک وہ طبقہ ہے کہ جو عوام میں دینی جذبات بیدار کرنے کی محنت میں مگن ہے کہ عوام میں ایمان جاگے گا تو وہ خود ہی سود چھوڑ دیں گے۔

3: ایک وہ دینی طبقہ ہے، جو سمجھتا ہے کہ جب تک حکومتی سطح پر سودی نظام ختم نہیں ہوگا، لوگ پستے رہیں گے۔ یہ وہ طبقہ ہے جو اقتدار پہ گرفت چاہتا ہے، مگر اس میں پھر تین قسم کی سوچ ہے:

1: ایک وہ جو بزور بازو حکومت پہ قبضہ کر کے سودی نظام کا خاتمہ چاہتے ہیں یہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں۔

2: کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو حکومت میں آنے کیلئے متفقہ آئینی طریق کار کے ساتھ ساتھ پس پردہ سازشیں یا فوج کی مدد سے بھی عار نہیں۔ ان کی نیت چاہے اچھی بھی ہو، پر ہمارے نزدیک یہ رویہ غلط ہے۔

3: تیسرا طبقہ ہمارا ہم فکر ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ ہم عوام کی نمائندہ پارلیمنٹ کے ذریعے، سود کے خاتمے کا دیرپا حل ڈھونڈیں گے۔ مگر اس طبقے کو بھی "تدریج" کے سنت طریقے کا فہم ہونا ضروری ہے کہ انسانی معاشرے بٹن دبانے سے نہیں بدلا کرتے بلکہ پودوں کی طرح گوڈی، پنیری کرنا پڑتی ہے۔ رسول پاک نے حجۃ الوداع پہ ہی سود ختم کرنے کا اعلان کیا تھا، حالانکہ اللہ اور رسول کو پہلے سے اس کی حرمت کا علم تھا۔

(مذکورہ بالا ساری بحث میں صرف "سود" کے مسئلے کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ علی ھذا القیاس، باقی معاشرتی مسائل پہ بحث ہوگی)

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

اب آپ پہلے یہ فیصلہ کریں کہ کیا آپ اجتماعی معاشرتی جدوجہد جسے سیاسی جدوجہد کہتے ہیں، اس کے حامی ہیں بھی یا نہیں؟ اور کیا آپ "روٹی، کپڑا، مکان" کیلئے جدوجہد پر ہی قناعت کریں گے یا اس کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام کے نفاذ کی جدوجہد بھی کرنا چاہتے ہیں؟

اور اگر آپ ملک میں اسلامی نظام لانا چاہتے ہیں، مثلاً سود ختم کرنا چاہتے ہیں تو ملکی اختیار تک پہنچنے کیلئے کون سے طریقہ کار سے ذہنی ہم آہنگی رکھتے ہیں؟ آپ بیشک اپنے ہم ذہن گروپ سے تعلق رکھیں، مگر جمعیت علماء کا طریق وہ ہے جو آخر میں بیان کیا گیا اور اسے اپنا کام کرنے دیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ پارلیمانی نظام کے ذریعے ہدف تک پہنچنا آسان ہے بشرطیکہ اس نظام کو کچھ عرصہ اطمینان سے چلنے دیا جائے۔ کتنا عرصہ......؟ میرا خیال ہے اگر غیر جمہوری سازشوں کے وار نہ ہوں تو صرف تین مکمل جمہوری ادوار ہی دینی نظام لاگو کرنے کو کافی ہیں۔ کیونکہ اس نظام میں آپ کو پارلیمنٹ کی 300 سیٹوں میں سے ایک ہی سیٹ کافی ہے، بشرطیکہ آپ کا وکیل (ممبر پارلیمنٹ) مولانا فضل الرحمن

جیسا آدمی ہو۔ جو نہ صرف اپنی بات دلیل سے کر سکتا ہو، بلکہ اپنی خوئے دلنوازی سے ممبران پارلیمنٹ کو اپنا گرویدہ بنا چکا ہو اور ممبران اس پہ اعتماد کرتے ہوں۔

کیوں......؟

اس لئے کہ ممبران پارلیمنٹ چاہے جاہل ہیں یا مفاد پرست، ہیں تو بہر حال مسلمان۔ان کو اسلامی قوانین سے صرف چار وجہ سے پرابلم ہو سکتا ہے ورنہ کوئی بھی اسلامی قانون منظور ہو جائے، ان کو کوئی ذاتی مسئلہ ہرگز نہیں ہوتا۔ یہ چار وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

1: کوئی ایسا اسلامی قانون منظور نہ ہو جائے جو ان کو مالی نقصان پہنچائے، جیسے ان سے پچھلے حسابات کی وصولی یا ان کے ماضی پہ پکڑ دھکڑ وغیرہ۔

2: کوئی ایسا اسلامی قانون منظور نہ ہو جائے جو ان کے "وی آئی پی کلچر" کو نقصان دے یا ان کی اولاد کو اسمبلی میں آنے سے محروم کر دے۔

3: کوئی ایسا اسلامی قانون منظور نہ ہو جائے جس کی رو سے وہ خود حکمرانی کرنے کیلئے نااہل ہو جائیں۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

4: بعض سنجیدہ محب وطن مگر صرف دنیاوی نگاہ رکھنے والے ممبران اسمبلی کو اسلامی قوانین سے اس بنیاد پہ اختلاف ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسا اسلامی قانون منظور نہ ہو جائے جس سے پاکستان اقوام عالم میں تنہا رہ جائے

ان مندرجہ بالا وجوہات کے علاوہ، پاکستان کے ممبران اسمبلی کو اسلامی قوانین سے کوئی پرابلم نہیں ہے، چاہے آپ پاکستان میں شراب پہ پابندی لگا دیں (وہ باہر جا کر پی لیں گے) یا تراویح کی نماز ہی عوام پہ فرض کریں (وہ رمضان یورپ میں گذار آئیں گے)

اب دینی جمہوری رہنما کو ان وجوہات کا لحاظ رکھتے ہوئے حکمت کیساتھ اپنے کچھ مطالبات کو موخر یا مقدم کر کے "کچھ لو، کچھ دو" کے اصول تحت اپنے نظریئے کو لاگو کروانا ہوتا ہے۔اس ہدف کو سامنے رکھ کر پہلا قدم اٹھ جائے تو رفتہ رفتہ ممبران اسمبلی خود ہی دینی قوانین میں اپنا دنیا و اخرت کا مفاد سمجھ جائیں گے۔

بعینہ جیسے صوفیائے کرام، ایک پکے شرابی کو ایکدم شراب سے نہیں ہٹاتے، بلکہ اس کی توفیق کے مطابق، دین کی آسان باتوں پہ لایا کرتے ہیں اور تاوقتیکہ وہ ماحول سے مانوس نہ ہو، اس کی اس بڑی برائی سے صرف نظر کیا کرتے ہیں۔

باب چہارم: جمعیۃ علماء اسلام کی سیاست

دینی دوستوں کو عالم دین، صوفی، مجاہد اور سیاستدان میں فرق سمجھنا چاہئے۔ چاروں کا طریق کار اور مزاج الگ الگ ہوتا ہے۔ اگر آپ ایک کو، دوسرے کے آئینے میں دیکھیں گے تو خود بھی کنفیوز ہونگے اور قوم کو بھی اسی تذبذب میں ڈالیں گے۔

میں ایک مثال دیتا ہوں۔ ایک کمرے میں یہ چاروں حضرات بیٹھے ہیں۔ کچھ لوگ کلاشنکوف اٹھا کر قتل کرنے چلے آئے۔ عالم دین، ان قاتلوں کو قتل کی وعیدیں سنائے گا، صوفی صاحب شاید اپنے اخلاق اور محبت سے ان کو باز رکھنے کی کوشش کرے، مجاہد تو اپنا گریبان کھول کر للکارے گا کہ بے عزتی کی زندگی سے موت اچھی۔ مگر سیاستدان سیاسی داؤ پیچ کرے گا۔ پہلے ان سے یہ کہے گا کہ مال چاہئے تو وہ لے لو، مگر قتل نہ کرو۔ پھر یہ کہے گا کہ فائرنگ کرنے سے تم پھنس سکتے ہو، قتل ہی کرنا ہے تو چاقو چھری سے خاموشی سے کرلو۔ غرض، ان کو بندوق سے چاقو تک اور وہاں سے ڈنڈے تک لا کر، قابو میں لائے گا۔ یہ عین منطقی بھی ہے اور دینی بھی۔

مہتمم دارالعلوم دیوبند قاری محمد طیبؒ کے فرمودات کا مفہوم ہے کہ: اسلام کی تین باتیں ہیں۔

1۔ شریعت 2۔ طریقت 3۔ سیاست - یہ تینوں اکٹھی ہوں گی تو اسلام کی کامل عمارت بنے گی۔

Fb.com/OfficialJamiat

شریعت: یہ راستہ ہے، راستہ ہی نہ ہو، تو چلو گے کس پر؟

Fb.com/JUIAnswersBack

طریقت: یہ راستے پہ چلنے کے اصول سکھاتا ہے، راستہ ہو اور چلنے کا ڈھنگ نہ آئے تو سفر کیسے کرو گے؟

سیاست: راستے میں جو مشکلات آتی ہیں ان کو دور کرنے کا نام سیاست ہے۔ ظاہری بات ہے کہ آپ ایک راستے پہ چل رہے ہیں، مشکل مرحلہ آ گیا، پتھریلی زمین آ گئی، جھاڑیاں آ گئیں۔ تو وہاں ڈنڈا اور ہتھوڑا وغیرہ لینا پڑتا ہے۔ جب آپ یہ استعمال کریں گے تو شور بھی آئے گا۔ اسی لئے سیاست کے میدان میں ذرا شور و غوغا رہتا ہے، یہ تینوں چیزیں ہوں گی تو اعتدال ہوگا۔

اگر صرف شریعت ہے اور طریقت و سیاست معاون نہیں ہیں۔ تو نفسِ شریعت سے وابستہ ہو جانے والا شخص تنگ نظر ہوا کرتا ہے۔ وہ پھر بند حجرے کا ملاں ہوتا ہے اور دوسری بات ماننے کو تیار نہیں ہوتا۔

اگر صرف طریقت ہو اور طریقت و سیاست معاون نہ ہوں، تو پھر یہ (صوفی نما) لوگ دوسروں کو بند حجروں کی طرف کھینچتے ہیں۔ مریدوں کو بند کمروں میں کھینچنا اور قید کر دینا اسلام کا مزاج ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ یہ رہبانیت ہے۔

اسلام کا مزاج گھروں سے نکل کر محلوں، شہروں، صحراؤں، دریاؤں، جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر انہیں مسخر کرنا ہے۔ ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر ورزقناھم من الطیبات وفضلناھم علیٰ کثیر ممن خلقنا تفضیلا (اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی، اور ان کو خشکی اور سمندر میں سواری دی اور ان کو پاکیزہ چیزیں عطا کیں اور ہم نے اپنی بہت سی مخلوقات پر انہیں فضیلت بخشی (الاسراء 70)

لہٰذا صرف طریقت اور پیری مریدی آپ کو رہبانیت کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ اسلام کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی۔ اسی طرح اگر صرف سیاست ہو اور شریعت وطریقت اس کے ہمراہ نہ ہوں، تو پھر تکبر اور نخوت پیدا ہوتی ہے۔ نرے سیاستدانوں کو دیکھ لیں، سب متکبر ہوتے ہیں۔ مزاج میں تکبر آ جاتا ہے۔ اس اصول کی بنیاد پر ہمیں اپنے اندر جامعیت پیدا کرنی ہے۔ لہٰذا مدرسہ ہو، جماعت ہو، یا خانقاہ ہو، ان میں یکجائیت ہوگی تو تحریک مکمل ہوگی۔

پاکستان کی جمعیت علما اسلام ایک مستقل مزاج سیاسی جماعت ہے جو ہر موسم اور ہر قسم کے حالات میں، پارلیمانی میدان میں موجود رہی ہے۔ میدان سے نہ خود بھاگی ہے اور نہ عوام نے اسے بالکل رد کیا ہے۔

میں ایک چھوٹی سی رپورٹ آپ کے سامنے رکھتا ہوں:

پاکستان کے صحیح طور پر پارلیمانی نظام کی ابتداء 1970ء کے جنرل الیکشن سے ہوتی ہے جس کے بعد 2013ء تک کل دس بار عام انتخابات منعقد ہو چکے ہیں۔ ان میں سے 1985ء کے غیر جماعتی الیکشن کو نکال لیں کیونکہ 1973ء کے آئین کے تحت صرف جماعتی بنیاد پہ ہی الیکشن ہو سکتے تھے، اس بناء پر پاکستان کی کسی جمہوری پارٹی نے اس میں حصہ نہیں لیا تھا، سوائے جماعت اسلامی کے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

یہاں جماعت اسلامی کے دوغلے کردار کا ایک اور ثبوت سامنے آتا ہے۔ 1973ء کے متفقہ آئین پر جماعت اسلامی نے بھی دستخط کیے تھے، مگر جماعت اسلامی نے جس میثاق پر خود دستخط کیے تھے، اب وزارتوں کو سامنے دیکھ کر خود ہی اس سے پھر گئی تو یہ نا قابل معافی بات ہے۔

بہر حال، آپ 9 عام انتخابات کا خلاصہ دیکھ لیں۔ آپ دیکھیں گے کہ 1970 تا 2013ء کے 45 سال میں، صرف تین پارٹیاں ایسی رہی ہیں جو ہر انتخابات میں حصہ لیتی رہی ہیں۔ یعنی پیپلز پارٹی، جمعیت علماء اسلام اور اے این پی۔ باقی سب پارٹیاں یا تو کم عمر ہیں، یا ختم ہو چکی ہیں۔

مزید تفصیل یوں ہے:

☆......کونسی سیاسی پارٹیاں ہیں جو ان سب 9 الیکشنز میں قومی اسمبلی میں اپنی نمائندگی رکھتی رہی ہیں؟

جواب ہوگا، صرف دو پارٹیاں یعنی پیپلز پارٹی اور جمعیت علماء اسلام۔

☆......کونسی سیاسی پارٹیاں ہیں جو باقی 8 الیکشنز میں قومی اسمبلی میں اپنی نمائندگی رکھتی رہی ہیں؟

آپ ان دو کے ساتھ اب ایک پارٹی یعنی اے این پی کو جوڑ لیں۔ کیونکہ 1993ء میں اے این پی قومی اسمبلی کی کوئی سیٹ نہ جیت سکی۔

☆......کونسی سیاسی پارٹیاں ہیں جو باقی 7 الیکشنز میں قومی اسمبلی میں اپنی نمائندگی رکھتی رہی ہیں؟

اب آپ، اس میں نون لیگ اور ایم کیو ایم کو بھی شامل کریں۔ کیونکہ یہ دونوں پارٹیاں 1970 اور 1977 کے الیکشن میں وجود ہی نہ رکھتی تھیں۔

☆......کونسی سیاسی پارٹیاں ہیں جو باقی 6 الیکشنز میں قومی اسمبلی میں اپنی نمائندگی رکھتی رہی ہیں؟

اب اس میں آپ جماعت اسلامی کو شامل کریں کیونکہ اس نے 1997 اور 2008 کے انتخابات کا بائیکاٹ کیا تھا۔

☆......کونسی سیاسی پارٹیاں ہیں جو صرف 5 الیکشنز میں قومی اسمبلی میں اپنی نمائندگی رکھتی رہی ہیں؟

Fb.com/OfficialJamiat
اس کا جواب ہوگا، ایک پارٹی یعنی مولانا نورانی کی پارٹی جواب اپنا وجود کھو بیٹھی ہے۔
Fb.com/JUIAnswersBack

اوپر کے جائزے میں جمعیت علماء اسلام اور پیپلز پارٹی پہلے نمبر پہ آئے ہیں۔ 1970ء سے پہلے چلے جائیں تو پیپلز پارٹی بھی منہا ہو جائے گی، کیونکہ اس وقت، اس کا وجود بھی نہیں تھا۔

باقی پارٹیاں جیسے تحریک انصاف، قاف لیگ وغیرہ ہیں۔ تو جب وہ کم از کم تین بار قومی اسمبلی میں اپنی نمائندگی ثابت کریں گی تو ہم ان کو پاکستان کے قابل اعتماد نمائندگان کی فہرست میں شامل کریں گے۔

ہمارے ایک انصافی دوست نے اس پہ تبصرہ کیا کہ جمعیت علماء اور تحریک انصاف کا کیا مقابلہ؟ تمہاری جماعت سو سال سے چھ سیٹیوں پہ کھڑی ہے جبکہ تحریک انصاف، پہلی بار میں 35 سیٹیں لے اڑی (''پہلی بار'' کہتے وقت وہ عمران خان کی یکمشت آٹھ سیٹوں پہ شکست کو بھول گیا)

مجھے اس کی بات سن کر سبز پگڑی والے دعوت اسلامی کے کارکنان کی ڈھینگ یاد آئی۔ انہوں نے جب پہلی بار ملتان میں اپنا عالمی تبلیغی اجتماع کیا تو واقعی رائے ونڈ والے اجتماع سے زیادہ بڑا مجمع تھا۔ اس پر ایک سبز قدم نے فرمایا کہ رائے ونڈ کی جماعت ستر سال سے اجتماع کر رہی ہے، لیکن ہم نے پہلی بار میں ہی اس کو مات دے دی۔ آج، نہ دعوت اسلامی کا سالانہ اجتماع رہا، نہ ڈھینگیں۔

نواز شریف کو صرف ایک ایجنسی چیف کی سرپرستی حاصل تھی مگر عمران خان کو تو جنرل حمید گل کے علاوہ، جنرل پاشا کی آشیرباد بھی حاصل رہی۔ تو اچانک اتنے زیادہ ووٹ دیکھ کر موصوف آپے میں نہ رہے۔

سرائیکی لوگوں میں جب کسی کم اصل آدمی کے پاس یکدم زیادہ دولت آجائے اور وہ پرانے شریف النفس لوگوں کو طعنے دیا کرے تو اسے وہ "دیگر دار جا" پکارا کرتے ہیں۔ میں نے کہا: "میرے پیارے! کسی کی انگلی کے سہارے تاریخ میں پہلی اور آخری بار تم کو ایک صوبے کی حکومت ملی ہے، تو تم اس جماعت سے مقابلہ کرنے لگے ہو جس نے دو صوبوں (خیبر پختونخوا، بلوچستان) میں کئی بار حکومت میں رہے اور آج بھی تین صوبوں میں متبادل حکومت اس کے پاس ہے۔

نوٹ کیجئے کہ اپوزیشن پارٹی کو متبادل حکومت کہا جاتا ہے۔ اس وقت خیبر پختونخوا، بلوچستان اور گلگت بلتستان کا اپوزیشن لیڈر جمعیت علماء سے ہے۔

جمعیۃ علماء اسلام کی سیاسی پالیسیاں:

جمعیت علماء اسلام کیلئے سب سے مقدم، اپنے نظریات اور اپنی نظریاتی کمیونٹی کی حفاظت ہے۔ جب ہر طرف نیکی کا چلن عام ہو، تو سب سے بہتر آدمی کا ساتھ دینا ضروری ہوتا ہے اور جب ہر طرف برائی کا دور دورہ ہو تو پھر کم تر برائی کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

انڈیا میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا نعرہ غیر حقیقی ہے، جبکہ وہاں تیزی سے، ہندوتوا، یعنی ہندوازم کے نفاذ کی ریاستی کوششیں ہو رہی ہیں۔ پس وہاں جمعیت سیکولرزم کو سپورٹ کرے گی، تاکہ ریاستی امور کسی خاص گروہ کی فکری مذہبیت مسلط نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ وہاں ان کا جمہوری حق ہے اور وہ جمہوری طریقے سے ہی اپنا موقف کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

پاکستان میں جمعیت اسلامی قوانین کے نفاذ کا نعرہ لگائے گی کہ یہاں کفر کے نظام کا خدشہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں یہ ان کا جمہوری حق ہے اور وہ جمہوری طریقے سے ہی اپنے موقف کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

جمعیت علماء اسلام کی پالیسیوں پر ناقدین کی طرف سے جو بڑے اعتراضات کئے جاتے ہیں، ان میں سے کچھ کا تذکرہ میں نے اس کتاب کے پہلے حصہ میں کر چکا ہوں، دیگر چند اعتراضات مندرجہ ذیل ہیں:

1: عورت کی حکمرانی 2: طالبان کی حمایت 3: کشمیر کمیٹی کی ناقص کارکردگی 4: خواتین حقوق کی مخالفت
5: پانامہ لیکس پر نواز شریف کا ساتھ دینا 6: لال مسجد سانحہ 7: لیبیا حکومت سے تعلقات
8: وارثتی قیادت-9 اہل تشیع اور متحدہ مجلس عمل

ہم نمبروار ان موضوعات پہ گفتگو کریں گے۔

عورت کی حکمرانی:

مولانا فضل الرحمٰن کی سیاست کی ابتداء 1981ء سے ہوتی ہے جہاں انہوں نے جنرل ضیاء کے مارشل لاء کے خلاف ایم آر ڈی میں شمولیت اختیار کی، جس میں بے نظیر کی قیادت میں پیپلز پارٹی بھی شریک تھی۔ جمعیت علماء اسلام کا موقف ہے کہ عورت کی حکمرانی شرعاً درست نہیں ہے۔ دوسری طرف وہ بے نظیر کے ساتھ مل کر جمہوری جدوجہد کر کے گویا اس کی حکمرانی کی راہ ہموار کر رہے تھے۔ اس پر پروپیگنڈہ کیا گیا کہ مولوی پہلے عورت کی حکمرانی کو ناجائز کہتے تھے، پھر اسی عورت کی حکمرانی میں وزارتیں لے لیں۔ اس کا جواب میں عرض کرتا ہوں، مگر پہلے آپ عورت کی حکمرانی بارے میرا مضمون پڑھ لیں۔

اداکارہ ایان علی اور فقہ اسلامی:

جائے ماتم ہے کہ اب فقہ اسلامی کو اداکارہ ایان علی کے کیس سے سمجھا جائے مگر یہ کہ نیرنگئی دوراں! ماڈل ایان علی کے منی لانڈرنگ کیس کی جزئیات تو احباب کو ازبر ہوں گی کہ یہ کوئی تبلیغی بیان تھوڑی ہے۔ ہیں جی! مگر مذاکرے (اور نشاطِ طبع) کیلئے خلاصہ دہرا دیتا ہوں۔

آنسہ ایان علی اسلام آباد ائرپورٹ پر پاکستان سے اڑنے کیلئے "بیگ" تول ہی رہی تھیں کہ ان کو "سکین مشین" کی نظر لگ گئی۔ بیگ سے 6لاکھ ڈالر کیش رقم برآمد ہو گئی۔ اس منظر کو کیمرے نے اور رقم کی گنتی کو افسران نے محفوظ کر لیا (یعنی ایک دو لاکھ ڈالر کا منطقی اضافہ کر لیا جائے) سول ایوی ایشن کا قانون یہ کہتا ہے کہ کسی مسافر کیلئے 10 ہزار ڈالر سے زیادہ کیش باہر لیجانا جرم ہے۔ اس جرم کی سزا، اگر صرف چند ماہ جیل ہوتی تو محترمہ برائے چند ایام (بہ عشرت تمام) "اندر" ہو کر "باہر" جا سکتی تھیں۔ قیامت مگر یہ کہ یہ کیش رقم بحق سرکار ضبط ہو جاتی ہے۔ جسے بچانے کیلئے ایک چوٹی کا فارغ البال وکیل کیا گیا جس نے ایسا فقہی نکتہ اٹھایا کہ قانون بنانے والے بھی اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

وکیل نے لفظ "مسافر" کو پکڑا اور نکتہ اٹھایا کہ "ٹیکنکلی" مسافر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے بورڈنگ پاس وصول کر لیا ہو۔ چونکہ ایان علی صاحبہ کو ابھی بورڈنگ پاس ایشو ہی نہیں ہوا تو وہ ائرپورٹ میں داخل ہونے والی ایک عام پاکستانی شہری ہے، نہ کہ مسافر۔ پس اس پہ مسافر کی شق لاگو ہی نہیں ہوتی۔

آپ کو اس وکیل کی شاطرانہ مہارت زہر لگی ہو گی کہ ایک مجرم بچ نکلا، مگر اس خرابی میں خوبی یہ ہوئی کہ قانون مزید واضح ہو کر بہتر ہو گیا۔ دوسرے اسی منطق سے شاید کسی واقعی معصوم مجرم کی جان بخشی بھی ہوئی ہو اب میں اپنے موضوع پہ آتا ہوں:

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

دیکھئے! شارع علیہ السلام نے اسلامی قوانین دیئے جو کہ احادیث کی صورت میں موجود ہیں، جنہیں محدثین نے رپورٹ کیا ہے۔ ان قوانین کو زمانے اور موقع کے لحاظ سے منطبق کرنا، فقہاء کا کام ہوتا ہے۔ محدثین نے یہ کیا کہ حضورﷺ کے الفاظ کو من وعن نقل کرنے کی ذمہ داری نبھائی۔ صحتِ الفاظ کو رپورٹ کیا۔ راوی کے حافظہ و کردار تک کی چھان پھٹک کی، مگر ان الفاظ کے پردے میں شریعت کی اصل منشا کیا ہے؟ اس کو "فرسٹ آرڈر کور" یعنی صحابہؓ نے سمجھا اور جب تک صحابہؓ کے عمل کی روشنی میں اسے نہ دیکھا جائے تو پھر شریعت تاقیامت عالم انسانیت کی راہبری سے قاصر ہوگی۔

میں اپنی بات کی وضاحت کے لئے صرف دو احادیث بطور دلیل پیش کروں گا۔ ایک پرانے زمانے کی بابت اور ایک نئے دور کی صورتحال کے تناظر میں۔

ایک صحیح حدیث میں ہے، حضورﷺ ایک صحابی کو نصیحت کرتے ہیں کہ: لڑائی میں نہ بھاگنا، چاہے سب ساتھی مارے جائیں" اگر صرف الفاظ کو دیکھا جائے تو یہ پریکٹکل نہیں رہتی۔ حضورﷺ نے اس صحابی کو کس خاص تناظر میں بات کی؟ اس کو سمجھنا جمہور صحابہؓ کے عمل سے ہی ممکن ہوگا۔

دور صحابہ میں ایسی صورت حال پیش آئی کہ سارا لشکر گھیرے میں آ گیا اور اگر میدان نہیں چھوڑتے تو بے موت مارا جانا تھا، جو عقل کے کسی زاویے سے مناسب نہیں۔ چہ جائیکہ اسلام جیسے منطقی مذہب کے نزدیک۔ یہاں ایک طرف حدیث کی صورت قانون موجود ہے (میدان نہ چھوڑو) تو دوسری طرف بظاہر اس کے الٹ صحابہ کا طرز عمل (کہ میدان چھوڑ دیا) اب اس کیس کو حل کرنے وکیل صاحب کی طرح فقہاء کی ضرورت پڑتی ہے (اس وقت مجھے اپنے اس تصور سے ہی ہنسی آ رہی کہ جب میں لطیف کھوسہ ایڈوکیٹ کو امام ابوحنیفہ سے میچ کر رہا ہوں)

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

بہرحال فقہاء نے حدیث کے لفظ "بھاگنا" کی تشریح کی جس سے دو اصطلاحات وجود میں آئیں ایک "فرار" اور دوسرے "پسپائی" یعنی اگر کمانڈر کا حکم میدان چھوڑنے کا ہو، تو اس کو پسپائی کہیں گے اور کمانڈ کے حکم کے بغیر سپاہی نے خود ہی میدان چھوڑا تو اسے فرار کہیں گے۔ پہلی صورت کو جنگی حکمت عملی جبکہ دوسری کو جرم کہا جائے گا۔

اس بات سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ قرآن و حدیث کے الفاظ میں تفقہ (غور) نہ کیا جائے تو من وعن الفاظ فالو کرنے سے، آپ دنیا کے ساتھ چلنے کے قابل ہی نہیں رہتے۔

اب فقہ اسلامی کی دوسری مثال، زمانہ جدید کے ایک اہم ایشو کے تناظر میں لیتے ہیں۔ جو ہے "عورت کی حکمرانی" بخاری شریف کی حدیث ہے کہ: "وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنا حکمران، کسی

عورت کو بنالیا'' مگر زمانہ جدید میں یہ بات پریکٹیکل نہیں۔

اس بات کو ایک طرف رکھتے ہوئے کہ عورت ذات کی فطری جذباتیت کی بناء پر اسے فیصلہ سازی کا کلی اختیار دینا، احسن ہے یا نہیں؟ فی الحال، اس حدیث پر فقہاء کا کام دیکھئے:

یادش بخیر! عالم اسلام کے کسی خطے کے مسلمانوں کو پاکستانیوں سے زیادہ یہ حدیث ازبر نہیں ہوگی۔ اس کا سہرا جماعت اسلامی کے سر ہے۔ 1988ء میں ''فرشتوں'' نے بینظیر بھٹو کا راستہ روکنے، اسلامی جمہوری اتحاد کے نام سے بھان متی کا جو کنبہ تشکیل دیا تھا، اس کی پروپیگنڈہ مشینری، جماعتِ اسلامی کے ہاتھ تھی۔ پس نہ صرف اس حدیث کو پاکستان کے طول وعرض میں پھیلایا گیا بلکہ بینظیر بھٹو کی کردار کشی کے لئے اس کی آکسفورڈ میں رقص کناں تصویروں کو بھی ہیلی کاپٹر سے پھینکوایا گیا۔

لیکن نہ صرف یہ کہ مسلمانانِ پاکستان نے اسے بری طرح رد کیا بلکہ چند سال بعد حالات کے جبر کے تحت خود جماعت اسلامی، بنگلہ دیش میں خالدہ ضیا کی حکومت کا حصہ بنی۔ سعودی عرب میں بخاری پرست علماء کی قوت کا عالم یہ ہے کہ آج تک وہاں عورت کو ڈرائیونگ کی اجازت نہیں ملی۔ مگر بدلتی دنیا میں، اقوام عالم میں اپنا امیج بنانے، جب شاہ عبداللہ نے 2009ء میں پہلی بار نورہ الفائز کو وزیر تعلیم بنایا تو سعودی ریالوں کے خوشہ چین، پاکستانی بخاری دانوں کو سکتے کا بخار ہوگیا۔ کہنا یہ ہے کہ آج کی پارلیمانی دنیا میں عورت کی حکمرانی والی حدیث ظاہری الفاظ کی بناء پر قابل عمل نہیں ہوسکتی۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

اب اس موضوع پر بھی حنفی فقہاء برسر کار آئے جو زمانے سے پہلے زمانے کی چال بھانپ لیا کرتے ہیں حنفی فقہانے اس حدیث میں لفظ حکمران ''امیر'' کی تشریح کی۔ حکمران یا امیر کون ہوتا ہے؟ جس کے پاس ''امر یا '' حکم '' کا آخری اختیار ہوگا۔ یہاں سے دو مختلف اصطلاحات وجود میں آئیں۔ ایک حکمران اور دوسرا منتظم۔ ہوا یوں کہ متحدہ ہندوستان میں، بھوپال کی ریاست، امیر ترین مسلم ریاست ہوا کرتی تھی، جس میں اصل وژن، راجہ کی نیک نام و پرہیزگار بیوی بیگم صولت جہاں کا رائج تھا (انہی بیگم نے مکہ مکرمہ میں پہلا دینی علوم کا مدرسہ کھولا، جسے مدرسہ صولتیہ کہا جاتا ہے اور آج تک قائم ہے) راجہ کے انتقال کے بعد اس کا نابالغ (یا ناسمجھ) بیٹا حکومت کے معاملات کو چلانے کا اہل نہیں تھا، مگر مذکورہ حدیث شریف خود بیگم صاحبہ کی حکمرانی میں رکاوٹ تھی۔ پس اگرچہ امور سلطنت بیگم صاحبہ چلاتی تھیں تاہم قانونی طور پر بیٹے کو حکمران اور ماں کو منتظم یا سینئر وزیر (یا وزیر اعظم) قرار دیا گیا۔

جدید جمہوری نظامِ حکومت، چاہے وہ صدراتی نظام ہو یا پارلیمانی نظام، اس میں قرون اولیٰ جیسے بادشاہوں اور حکمرانوں کا وجود نہیں رہا۔ امریکہ کا صدر بھی ایک حد سے آگے کانگریس کو بائی پاس نہیں

کرسکتا۔ پس آج کے دور میں اگر عورت، صدر یا وزیر اعظم بنے تو حقیقت میں وہ ملک کی کلی صاحب امر نہیں ہوا کرتی۔ اور یوں یہ حدیث، آج کل کی جمہوری حکمرانی کے تناظر میں لاگو نہیں رہتی۔

مگر اس کے باوجود جب پاکستان کی صدارت کے لئے ایوب خان اور محترمہ فاطمہ جناح کا مقابلہ ہوا تو اپوزیشن میں ہونے کے باوجود مفتی محمودؒ نے فاطمہ جناح کا ساتھ دینے کی بجائے اپنا الگ مرد امیدوار نامزد کیا۔ دلچسپ بات یہ کہ محترمہ بے نظیر کی حکمرانی پر شرعی تنقید کرنے والے، جماعت اسلامی کے پروفیسر عبدالغفور صاحب سے جب صحافی نے سوال کیا کہ آپ نے فاطمہ جناح کی حمایت کی تھی جبکہ وہ بھی عورت تھیں؟ تو پروفیسر صاحب کا جواب تھا کہ: وہ بوڑھی تھیں، یہ جوان ہے۔ خیر، شاید اسی تجربہ کے پیش نظر جب مفتی محمود اور بھٹو وغیرہ نے 1973 کا آئین بنایا تو پاکستان کا آئینی سربراہ صدر کا عہدہ رکھا جبکہ منتظم کو وزیر اعظم کہا گیا۔ اب پاکستان کا قانونی حکمران صدر ہوا کرتا ہے، جس کے دستخط کے بغیر اسمبلی کا کوئی قانون نافذ عمل نہیں ہوسکتا اور جسے کئی معاملات میں استثناء حاصل ہے۔

پس عورت چاہے ملک کی وزیر اعظم یا کسی ادارے کی منتظم بن جائے، وہ شرعی طور پر صاحب امر کی حدیث سے باہر ہوجاتی ہے۔

برسبیل تذکرہ، ریکارڈ کی درستگی کیلئے عرض ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن پر یہ تہمت لگادی گئی ہے کہ انہوں نے پہلے بے نظیر کی حکمرانی کو خدا کا عذاب قرار دیا اور بعد میں اس سے وزارت لے لی۔ مولانا، نہ صرف اس وقت کی متحدہ اپوزیشن یعنی ایم آر ڈی میں پیپلز پارٹی کے اتحادی تھے بلکہ 1988 کے الیکشن میں باہمی مفاہمت کے تحت ڈیرہ میں پیپلز پارٹی نے اور جواباً پشاور میں جمعیت نے ایک دوسرے کیلئے سیٹ خالی چھوڑی تھی۔ تو جب بے نظیر سے سیاسی مفاہمت تھی تو اسے عذاب کیونکر کہتے؟ بے نظیر کی حکمرانی بارے، عذاب وغیرہ کے فتوے جماعت اسلامی کی مہم تھی بلکہ اپنے مخالفین کی مذہبی کردار کشی کی بنیاد ہی جماعت اسلامی نے رکھی تھی (مسٹر جناح کو کافر اعظم کہا تھا) یہ بھی خیال رہے کہ جماعت اسلامی کا اپنے ہی کہے سے لاتعلقی ظاہر کرنا بھی اس کے کردار کا خاصہ ہے۔

Fb.com/Official.Jmit
Fb.com/JUIAnswersBack

آمدم برسر مطلب: فقہائے اسلام جب قرآن وحدیث پہ جرح کرتے ہیں یا تاویلات کرتے ہیں تو دراصل یہ روحِ شریعت تک پہنچنے کا عمل ہوتا ہے کیونکہ اسلام ہر زمان رہبر ہے۔ اس سلسلے میں تین قسم کے علماء پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ علمائے ظاہر ہیں جو احادیث کے الفاظ کو ہی اصل گردانتے ہیں اور زمانے کی کروٹ کو رد کرتے ہوئے خود تحلیل ہوئے جارہے ہیں۔ دوسرے وہ جدید سکالرز ہیں جو احادیث کی عبارات کو جدید زمانے سے ہم آہنگ نہ پاکر احادیث کو ہی رد کرتے چلے جاتے ہیں۔ تیسرے وہ روایتی

حنفی علما ہیں جو جدید زمانے کا ادراک کرتے ہوئے، الفاظ حدیث کی ایسی شرح کرتے ہیں کہ دونوں باتیں ہم آہنگ ہو جائیں۔ پس فقہ اسلامی کے موضوع پر اس مختصر مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانہ جدید کے پر پیچ مسائل میں قوم کی رہبری وہی سکہ بند اہل بصیرت علماء ہی کر سکتے ہیں جو فقہ اسلامی پر عمیق نگاہ رکھتے ہیں۔ جو قدیم اور جدید کی تطبیق کر سکتے ہیں۔ مضمون ختم ہوا۔

اس کے بعد عرض ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن کی جماعت نے کبھی بے نظیر سے وزارتیں نہیں لیں، کیونکہ منسٹرز حکومتی ٹیم کا حصہ ہوتے ہیں جن کا ڈائریکٹ باس وزیر اعظم ہوتا ہے۔ قومی اسمبلی میں حکومتی اور پارلیمانی ارکان پر مشتمل مختلف کمیٹیاں تشکیل دی جاتی ہیں، یہ آئینی کمیٹیاں ہوا کرتی ہیں، ان میں شامل ہونا نہ صرف اپوزیشن کا آئینی حق ہے بلکہ اچھے پارلیمانی نظام میں یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ ایسی کمیٹیوں کو مکمل طور پر حکومتی ارکان کے حوالے نہ ہونے دیں۔ انہی میں سے ایک امور خارجہ کمیٹی بھی ہے جس کا چیئرمین مولانا کو بنایا گیا۔ اس پوزیشن میں وہ وزیر اعظم کے ماتحت نہیں ہوتا، نہ ہی وزیر اعظم اسے ہٹا سکتا ہے۔ یوں ہر کمیٹی کا اصلی باس وزیر اعظم ہی ہوتا ہے، بلکہ پوری قومی اسمبلی کا قائد ایوان، وزیر اعظم ہی ہوتا ہے۔ پس جن لوگوں کو عورت کی قیادت بالکل قبول نہیں تھی تو ان کو بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں کم از کم قومی اسمبلی سے استعفٰی دے دینا چاہئے تھا کہ ہم عورت کی قیادت کے تحت ایوان میں نہیں بیٹھ سکتے۔

طالبان کی حمایت:

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

مولانا فضل الرحمٰن کا کوئی ایک بیان بھی ایسا نہیں کہ وہ طالبان کے نظام حکومت کی تائید کرتے ہوں۔ انہوں نے طالبان حکومت کو ویسے ہی تسلیم کیا تھا جیسا کہ پاکستان، سعودی عرب نے تسلیم کیا تھا اور پاکستان کی دیگر بڑی سیاسی جماعتوں نے تسلیم کیا تھا۔

کہتے ہیں تصویر الفاظ سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ گلبدین حکمت یار اور طالبان کو جس سخت جان دشمن سے سامنا تھا، اس کا نام احمد شاہ مسعود تھا۔ ملا عمر کی تو کوئی تصویر کسی کو میسر نہیں۔ باقی افغان لیڈروں کیساتھ کھینچی گئی تصاویر کو ہمارے بعض مقامی دانشور اپنا زندگی بھر کا اثاثہ بتاتے ہیں (جن مجاہدین کا اثاثہ، وائٹ ہاس میں صدر ریگن کے ساتھ تصاویر ہیں) مولانا فضل الرحمٰن کی احمد شاہ مسعود کیساتھ زیر نظر تصویر کیا یہ واضح نہیں کرتی کہ پاکستان کا ایک ہی لیڈر تھا جو متحارب فریقین کے ہاں یکساں محترم تھا، اسلئے کہ ہر فریق یہ جانتا تھا کہ یہ آدمی ہمارے متعلق جو بھی پالیسی بنائے گا، وہ اس کا اپنا موقف ہوگا کسی اور کا ایجنڈا نہیں ہوگا۔

رہ گئی افغان جہاد کی بات تو جمعیت علماء اسلام اس جہاد کی بھرپور حمایت کرتی رہی اور اس پہ فخر کرتی

ہے۔ واضح ہو کہ اس جہاد کی حمایت کرنے والے، چاہے وہ خود افغان لوگ ہوں یا پاکستان کی فوج ہو، یا امریکہ کی۔ ہر ایک کا اپنا ہدف تھا، اپنے مقاصد تھے، اپنے زاویہ نظر سے اس جہاد کی حمایت کرتا تھا اور ہر ایک کا اپنا طریقہ کار تھا۔ ویسے ہی جمعیت علما اسلام کا اپنا نظریہ اور اپنا طریقہ کار تھا۔

یہ بھی واضح ہو کہ افغان جہاد کے شروع کے ایام میں جب مذکورہ تینوں فریق اور پاکستانی فوج کی ذیلی پارٹیاں جیسے جماعت اسلامی اور سمیع الحق صاحب وغیرہ، سب ایک دوسرے کیساتھ رابطے میں تھے، تو اس وقت جمعیت علماء اسلام ان سے الگ تھلگ رہی۔ ملا عمر کے دور میں جب امریکہ طالبان کا سب سے بڑا مخالف بن کر سامنے آیا تو جمعیت نے بھی امریکہ دشمنی میں، طالبان کی علی الاعلان اخلاقی حمایت کی۔

افغان جہاد بارے لبرلز کے پراپیگنڈے کا جواب میرے مندرجہ ذیل مضمون میں ضرور ملاحظہ فرمالیں:

مولویوں کا ڈالری جہاد:

کس بے پرواہی سے ایک دوست نے جملہ اچھال دیا: "امریکی ڈالروں کی خاطر، مولویوں نے افغان جہاد کے نام پر ہمیں تباہ کر دیا"

دکھ سے میں نے سوچا کہ پاکستان کے دجالی میڈیا نے علماء بارے کتنی غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں۔ گویا اس دنیا میں صرف چی گویرا، ماؤزے تنگ یا نیلسن مینڈیلا ہی اپنے ضمیر کے مطابق کوئی تحریک چلا سکتے ہیں اور دیسی لوگ بالخصوص علماء کا تو اپنا کوئی موقف ہو ہی نہیں سکتا؟ مزید حیرت یہ ہوئی کہ جہاد افغانستان تو ابھی کل کی بات ہے جس کے معتد بہ کردار ابھی زندہ ہیں۔ تاریخ اسلام کی ہنڈیا میں کذب و افتراء کے مصالحے پہلے ہی کافی زیادہ تھے۔ مرے کو مارے شاہ مدار، ابھی کل کے واقعات کو بھی افسانہ بنا دیا گیا۔ خاکسار نئی نسل کو اس بارے کچھ اصولی حقائق سے آشنا کرنا چاہتا ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

پہلی غلط فہمی تو یہ دور کر لیجیے کہ مولوی، دوسروں کے ہاتھ کٹھ پتلی ہوتے ہیں۔ جعلی مال تو ہر پراڈکٹ میں ہوتا ہے مگر اوریجنل مولوی ہمیشہ اپنے ضمیر پر فیصلہ کرتا ہے۔ منشور کے فرق کی بناء پر سیاسی پارٹیوں کی طرح مولویوں میں بھی طبقات یا فرقے ہیں۔ پاکستان کے مولویوں کا ایک بڑا طبقہ بریلوی علماء پر مشتمل ہے جنہوں نے اس جہاد میں اس بناء پر حصہ نہیں لیا کہ وہ اسے دوسرے مکتب فکر کی جنگ سمجھتے تھے (جیسا کہ نورانی میاں نے فرمایا تھا) اگر مولوی اپنے فیصلے ڈالر دیکھ کر کرتے ہیں تو کیا بریلوی علماء کو ڈالر کاٹتے تھے؟ اسی طرح، روس کے خلاف، اہل تشیع نے بھی کریم خلیلی کی زیر قیادت مسلح جتھہ ترتیب دیا ہوا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ خلیلی، امام خمینی کا متبع تھا جو امریکہ مخالف گردانے جاتے تھے تو ڈالر کہاں ہوئے؟

تیسرا طبقہ اہلحدیث مولوی ہیں جو اس جہاد کے آخری دور میں منظر عام پر آئے (علامہ احسان الٰہی ظہیر سے پہلے اہلحدیث مولوی، سعودی وہابیوں کے ہم عقیدہ ہونے کے باوجود اس سعودی امداد سے محروم تھے جس سے جماعتِ اسلامی متمتع ہوتی تھی) لشکرِ طیبہ (جس کے امیر کی جان کی حفاظت کے لئے جنرل پرویز مشرف مضطرب ہو جاتا ہے) کا اس زمانے میں وجود نہیں تھا۔ کہنے کا مطلب یہ سکہ بند چٹائی نشین علماء چاہے جس فرقے سے ہوں، ان پہ برائے فروخت کا الزام نری تہمت ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کچھ "اور" لوگ جو فائلوں کا پیٹ بھرتے تھے، انہیں ڈالروں کا ہوکا رہا ہو۔

افغان جہاد میں عملی حصہ لینے والے یا تو علمائے دیوبند تھے یا جماعتِ اسلامی۔ میں یہاں، افغان جہاد کے دور میں صرف دیوبندی علماء کے کردار پر روشنی ڈالوں گا، اس لئے ہم جماعتِ اسلامی کو بوجوہ سکہ بند علماء سے الگ گروہ گردانتے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ جہاد (قتال) مسلمانوں کا ایسے ہی مذہبی فریضہ ہے جیسے حج وغیرہ۔ یہ فریضہ فرد پر بھی ہے اور ریاست پر بھی۔ مگر ریاست، بین الاقوامی برادری کے معاہدوں کی بھی شرعاً پابند ہے۔ 1979ء میں روس کے افغانستان پر فوجی قبضہ کرنے کے کارن صورتحال یوں تھی کہ ایک مسلمان ملک پر غیر مسلم ملک نے قبضہ کیا تھا۔ یہ ایک شرعی مسئلہ تھا۔ دوسری طرف افغانستان کے حکمران نے خود روس کو دعوت دی تھی تو یہ ایک قانونی مسئلہ بھی تھا۔ کسی مسلم ملک پر، ایک غیر مسلم ملک قبضہ کرے تو ہر مسلمان پر جہاد فرض ہوگا (چاہے اس قبضہ کی سازش میں متعلقہ مسلمان ملک کا حکمران خود بھی شامل ہو) مگر ریاست پاکستان پر بطورِ ریاست فرض نہیں ہوا تھا کہ مدنی ریاست ابوجندل کے زخموں کے باوجود قریش سے معاہدہ پر کاربند تھی (البتہ ابوجندل کے کسی فردی اقدام کی ذمہ دار نہیں تھی)

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

مذکورہ صورتحال میں علمائے دیوبند نے افغان جہاد کی حمایت کر کے اپنا فرض منصبی ادا کیا تھا۔ یہاں علمائے دیوبند کی تنظیمی ہیئت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ آج کی متمدن دنیا کے روزمرہ امور پر علمائے دیوبند کی کیا رائے ہے؟ اس کے لئے ان کی ایک ہی نمائندہ سیاسی جماعت ہے، جسے جمعیت علماء اسلام کہا جاتا ہے۔ جہادِ افغانستان کے دوران علمائے دیوبند کی نمائندہ تنظیم حرکت المجاہدین تھی اور اس کے جرنیل مولوی فضل الرحمان خلیل ابھی حیات ہیں۔ مولویوں پر ڈالروں کی تہمت دھرنے والوں کو خبر ہو کہ مذکورہ کمانڈر خیابان سرسید پنڈی میں ایک اوسط سے گھر میں رہتا ہے، البتہ ان دنوں میں کچھ "غیر مولوی جرنیل" بھی ہوا کرتے تھے، جن کے بچے آج الیکشن الیکشن کھیلتے ہیں، ڈالر ضرور چلے ہوں گے مگر علماء دیوبند میں نہیں۔

اتنی سی بات لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر علمائے دیوبند، امریکی ڈالروں پہ بک جاتے ہیں تو آج

امریکہ، طالبان کو مذاکرات میں لانے کیلئے ان کی کیوں منتیں ترلے کر رہا ہے اور کیوں مولانا فضل الرحمٰن اس پہ کان نہیں دھرتے؟ سب جانتے ہیں کہ ڈالرخور پالیسی سازوں نے افغان سٹریٹجی بارے کتنا بڑا "یوٹرن" لیا، مگر کیا علمائے دیوبند نے کسی موڑ پر افغان جہاد کو غلط کہا؟ حالانکہ ان کو "بوٹوں " سے دبانے کی کوشش کی گئی، کئی نمایاں علماء کی ٹارگٹ کلنگ ہوئی، مگر وہ اپنے موقف سے نہ ہٹے۔ یہ بھی ان کے آزاد موقف کی دلیل ہے کہ انہوں نے پاکستان میں خودکش حملوں کو حرام قرار دینے کا ازخود فتوی دیا جس کی پاداش میں مولانا حسن جان جیسے علماء کو شہید کر دیا گیا۔ یہ بھی خیال رہے کہ لبرل صحافیوں کی اس چیخ وپکار کے باوجود کہ مولوی پاکستانی طالبان کی نام لے کر مذمت کیوں نہیں کرتے؟ علمائے دیوبند نے "اسٹیبلشمنٹ" کے مہیا کردہ ناموں کی مذمت نہ کر کے اپنی روایتی حریت برقرار رکھی۔

معلوم رہے، افغان جہاد امریکہ نے نہیں شروع کیا تھا البتہ شروع ایام میں ہی ایسا موڑ آ گیا تھا، جب پاک آرمی کو شاید ملک کی خاطر اور امریکہ کو اپنے مفادات کی خاطر اس جنگ میں ڈالر، اسلحہ و تکنیکی امداد دے کر کودنا پڑا۔ جی ہاں، اس موقع پر مجاہدین نے اس امداد کا خیر مقدم کیا اس لئے کہ دشمن کا دشمن، دوست ہی ہوتا ہے۔ چین بھی تو کافر ملک ہے لیکن وہ اپنے مفاد کے تحت جب انڈیا کے مقابل ہماری امداد کرتا ہے تو ہماری "ایمان، یقین، اتحاد " والی فوج اس دوستی کو ہمالیہ سے بلند قرار دیتی ہے۔

بہرحال اس امداد کے ضمن میں دیوبندی تنظیمیں، صرف معسکر کی تکنیکی امداد تک محدود رہیں۔ امریکی صدر ریگن کے ساتھ وائٹ ہاس میں مجاہدین لیڈروں کی ملاقات کی فوٹو موجود ہیں۔ ان میں کون سا پاکستانی دیوبندی عالم موجود ہے؟ بجا کہ ہر طبقے کی طرح علماء میں کچھ فردی مثالیں ہوں گی جو بک گئے یا جھک گئے یا اپنے فریضے سے غافل رہے۔ مگر علمائے دیوبند، بطور جماعت کبھی نہیں جھکے، نہ بکے۔ ہمارے بعض اداروں کے سرخیل قہقہے لگاتے، دشمن کے سامنے ہتھیار پھینک آئے، مگر علمائے دیوبند کی پہلی صف میں سے کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ہے -امریکہ سے تعلق تو دور کی بات ہے، کسی دیوبندی عالم پر اپنی ملکی ایجنسیوں سے تعلق کا بھی شبہ ہو جائے تو جمعیت علمائے اسلام اس سے کنارہ کرتی ہے۔ اس بناء پر جیشِ محمد، لشکرِ جھنگوی یا لال مسجد پارٹی کو کبھی دیوبندی نمائندگی حاصل نہیں رہی۔

یہ مضمون ابھی تشنہ ہے مگر طوالت کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ عرض یہ کرنا تھی کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ علماء دیوبند ڈالر کی چمک یا چھڑی کی لشک سے متاثر ہو کر فتوے دیتے ہیں، انہیں دیوبندیت کی تاریخ یا مزاج کا پتہ ہی نہیں ہے۔ واضح رہے کہ علماء دیوبند کا سیاسی پلیٹ فارم یعنی جمعیت علمائے اسلام کبھی سعودی یا امریکی خوشہ چین نہیں رہی۔ انکے لیبیا سے تعلقات ضرور تھے مگر اس ایکتا کا نکتہ، "مذہب" نہیں تھا بلکہ "امریکہ

fb.com/OfficialJamiat
fb.com/JUIAnswersBack

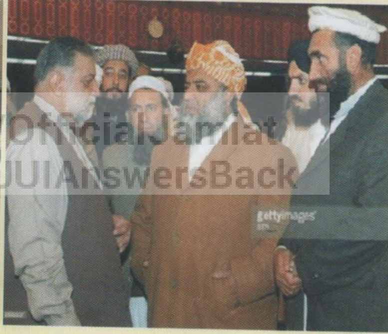
ایک چیز ہوتی ہے باڈی لینگویج

نوجوان علماء کو چاہیے کہ اپنے اسلاف سے سیکھیں، دنیادار اور دین دار سے کیسے ملا جاتا ہے





اخلاق برحق ہیں پر عرب وعجم کے امراء ہوں یا سندھ وبلوچستان کے زعماء کسی کے سامنے سرنگوں نہیں ہونا

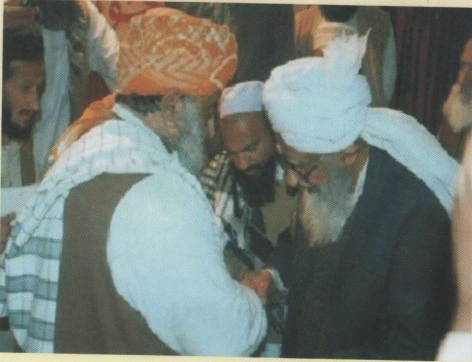




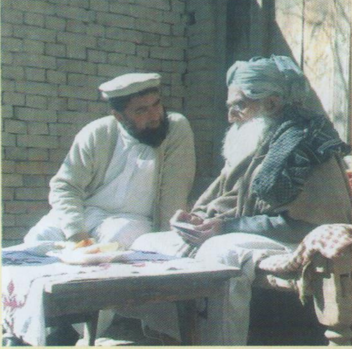
Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

البتہ اللہ والوں کے سامنے کندھے جھکا دینا چاہئیں





ذاتی واردات وتاثرات





بسم اللہ الرحمن الرحیم

قاضی حسین احمد

امیر جماعتِ اسلامی پاکستان

حوالہ: 2763
تاریخ: ١٦.٤.٩٧

برادرم انجینئر سلیم جاوید صاحب

السلام علیکم و رحمتہ اللہ

دینی تحریکوں خصوصاً تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی کے ایک دوسرے کے قریب آنے کی خواہش بڑی مبارک ہے' انشاء اللہ ہماری طرف سے اس سلسلے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ دینی تحریکیں اگر ایک دوسرے کو حریف سمجھنے کی بجائے حلیف سمجھنے لگیں تو تعاون کے راستے کھلیں گے اور اللہ تعالٰی کی طرف سے بھی زیادہ توفیق ملے گی۔

میں نے آپ کا لکھا ہوا کتابچہ پڑھا ہے۔ ہمیں اپنی ترجیحات طے کرنی چاہیں۔ دین کا کام کرنے والوں کے لیے الاہم فالاہم کے اصول کے مطابق مشترکات کی بنیاد پر بہت سے ایسے گروہوں کے ساتھ بھی تعاون کے راستے تلاش کرنے چاہیں جن کے ساتھ کلی اتفاق کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس اعلٰی مقصد کی خاطر آپ بعض باتوں کو ناگفتہ چھوڑ دیتے تو بہتر تھا۔

والسلام

خاکسار

(قاضی حسین احمد)

منصورہ، مُلتان روڈ، لاہور 18 فون 28-7570124 - 24-5419520 فیکس 7832194
E.MAIL : amir @ ji. lhr. erum.com. Pk.

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/ JUIAnswersBack

دشمنی " تھا(اور وقت نے ثابت کیا کہ قذافی ہی اصل امریکہ دشمن لیڈر تھا)امریکہ تو خیر کیا علمائے دیو بند کو دبائے گا؟ اپنے " کرمفرما " کو بھی اتنی جرات نہیں ہو سکی۔ نکتہ وروں کے لئے عرض ہے کہ علمائے دیو بند کشمیری مزاحمت کو جنگِ آزادی کے طور پر سراہنے کے باجود اسے شرعی جہاد کا درجہ نہیں دیتے اور بڑے "زور آور لوگ " اپنی پوری کوشش کے باجود کبھی ان سے یہ فتوی حاصل نہیں کر سکے۔

آمدم برسر مطلب: کم از کم دیو بندی مولویوں نے افغان جہاد خدا کے سوا کسی کی خاطر نہیں کیا۔رہا یہ سوال کہ ہم کو تباہ کس نے کیا؟ تو وہ بھی مولوی نہیں کوئی "اور" تھے۔پہلے بھی ایسا وقت آیا تھا کہ مسلمان حکمرانوں کی بداعمالیوں کے طفیل، مرہٹے آپ کو نیست ونابود کرنیوالے تھے تو مولوی شاہ ولی اللہؒ نے اپنے مرید احمد شاہ ابدالی کو بلا کر آپ کو بچایا اور جب آپ کا تخت بچ گیا تو وہ مولوی دوبارہ اپنے حجرے میں تفسیر لکھنے بیٹھ گیا جبکہ آپکے درباری شاعر اپنے اشعار میں مولوی پر جگت بازی کر کے داد وصول کرتے رہے

"امت " کی محبت میں ہم آشفتہ سروں نے وہ قرض اتارے ہیں جو واجب بھی نہیں تھے

مضمون ختم ہوا۔

جہاں تک ایسی باتوں کا تعلق ہے کہ نصیر اللہ بابر نے مولانا فضل الرحمٰن کے ذریعے طالبان کے ٹینکوں کو ڈیزل سپلائی کی، تو بھائی اس بات کو ابھی تک کسی نے ثابت کیا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی حوالہ ہے ۔اور اگر ایسا ہے بھی تو ہمارے لئے یہ معیوب نہیں بلکہ مستحسن بات ہے۔ایک جمہوری جماعت نے اگر کسی دوسرے ملک میں اپنے ہم نظریہ لوگوں کو اخلاقی یا مالی مدد دی ہو تو یہ معیوب نہیں۔ معیوب یہ ہے کہ کسی جمہوری پارٹی کا ایک حصہ الذوالفقار جیسی تنظیم بنا کر اپنے ملک کا طیارہ ہائی جیک کر لے، یا کسی جمہوری پارٹی کے کارکن سپریم کورٹ پر حملہ کر دیں یا کسی جمہوری پارٹی کا لیڈر ''ایمپائر'' کو پارلیمنٹ پہ دھاوا دینے کی دعوت دے۔

Fb.com/OfficialJuiJaz
Fb.com/JUIAnswersBook

سانحہ لال مسجد: جولائی 2007ء میں پاک آرمی نے لال مسجد پہ چڑھائی کر دی۔لال مسجد، اسلام آباد میں مشہور مقام " آبپارہ " کے پڑوس میں واقع ہے۔بعد میں اس کے ساتھ ملحقہ، بچیوں کا مدرسہ جامعہ حفصہ کے نام سے بنایا گیا جو کہ حکومتی زمین پر غیر قانونی طور پر بنایا گیا تھا مگر بوجوہ اس سے صرف نظر کیا جاتا رہا۔اس کے بانی خطیب مولانا عبد اللہ تھے جو کہ دیو بندی عالم دین تھے۔ان کا مدرسہ، مجاہدین اور سپاہ صحابہ کا گڑھ سمجھا جاتا تھا۔

ان کی شہادت کے بعد ان کے بڑے بیٹے مولوی عبد العزیز خطیب بنے جبکہ چھوٹے بیٹے وفاق میں

گریڈ اٹھارہ کے افسر تھے۔ پرویز مشرف دور میں اسلام آباد کی ان 11 مساجد کو جن کی تعمیر غیر قانونی زمین پر ہوئی تھی، حکومت نے نوٹس ارسال کیئے۔۔ پہلی مسجد (امیر حمزہ مسجد) کو نوٹس کے ساتھ تحریک تحفظ مساجد نمودار ہوئی جو رفتہ رفتہ تحریک نفاذ شریعت میں تبدیل ہوگئی۔ 6 ماہ تک دار الحکومت میں یہ تماشا لگا رہا کہ مدرسہ کی سینکڑوں طالبات، لاوڈ سپیکر اٹھائے، باہر آ کر جلوس نکالتیں۔ پولیس والے محبوس کیئے گئے، بچوں کی لائبریری پہ قبضہ کیا گیا۔ چینی لڑکیوں کے مساج سینٹر سے لڑکیاں اٹھا کر مدرسہ لائی گئیں، غرض ہر وہ کام کیا گیا جس سے مولویوں کی سبکی ہو سکے اور اتمام اس کا یہ ہوا کہ مولانا عبد العزیز کو برقعے میں گرفتار کر کے میڈیا پہ پیش کیا گیا۔

اس دوران علمائے دیو بند اپنے تئیں، مولوی عبد العزیز کو سمجھاتے رہے لیکن مولوی صاحب نے اپنے شیخ مولانا مفتی تقی عثمانی کی بھی سن کر نہ دی۔ امام کعبہ کو بلوایا گیا مگر مولوی صاحب تو کسی خاص ایجنڈے پر تھے۔ الغرض یکا یک اور بغیر کسی کی توقع کے لال مسجد پہ فوجی آپریشن کیا گیا جس میں مولانا عبد العزیز فرار ہوتے پکڑے گئے مگر اس کا چھوٹا بھائی شہید ہوگیا۔ یہ سارا معاملہ عجیب پر اسراریت میں الجھا ہوا ہے۔ مثلاً کہا گیا کہ 2 ہزار بچیاں زندہ جلا دی گئیں۔ آج تک ان کے وارث سامنے نہیں آ سکے۔ کہا گیا کہ ان کو زندہ نکال لیا گیا تھا۔ اس صورت میں بھی ان کا کوئی سراغ نہیں۔ کہا گیا لال مسجد میں دہشت گرد موجود تھے جن کو مار کر بھاری اسلحہ برآمد کیا گیا، ان دہشت گردوں کی بھی کوئی لاش یا شناخت نہیں۔ جو اسلحہ میڈیا کو دکھایا گیا وہ نیا نکور اسلحہ تھا جس پہ اتنی بھاری فائرنگ کا کوئی اثر نہیں پڑا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

لال مسجد کے احتجاجی مظاہروں میں ایک سفید ریش بزرگ، خالد خواجہ، پولیس کی لاٹھیاں کھاتے ٹی وی پہ دیکھے جا سکتے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کرنل امام کی طرح وہ بھی ایجنسیوں کے ملازم تھے۔ مولوی عبد العزیز فرار ہوتے برقعہ میں پکڑے گئے۔

اس ابہام سے بعض افواہوں کو تقویت ملتی ہے۔ مثلاً لال مسجد کے زیر زمین راستے آبپارہ جاتے تھے جس کے ذریعے اچھے طالبان سے ملاقات ہوا کرتی تھی۔ کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ مولوی عبد العزیز کو جس طرح حفاظت میں رکھا گیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی "ملازم" تھے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ پرویز مشرف کا اصل منصوبہ بہت گھناؤنا تھا، یہ کٹی انگلیاں، جلتے دوپٹے والے مرچیے اسلئے میڈیا پر عام کروائے گئے کہ مدرسوں کے طلباء مشتعل ہو کر سڑکوں پر توڑ پھوڑ کریں اور ایک بڑی خونریزی کے بعد سارے اسلامی مدارس پر پابندی لگا دی جائے۔

جو کچھ بھی ہو، مولانا فضل الرحمٰن نہ صرف اس سارے قضیئے کا تانا بانا سمجھ رہے تھے بلکہ شروع دن سے حکومت سے پوچھتے رہے کہ ایک مسجد کے چھوٹے سے معاملے کو جسے ایک تھانیدار ہینڈل کر سکتا ہے، آخر کن مقاصد کے تحت طول دیا جا رہا ہے؟ لیکن آج مولانا فضل الرحمٰن سے سوال کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مولوی عبدالعزیز کا ساتھ کیوں نہ دیا؟ حالانکہ سوال تو یہ بنتا ہے مولانا فضل الرحمٰن لال مسجد والوں کی حمایت کیوں کرتا؟۔ عجیب بات ہے، یعنی مولانا سے پوچھا جا رہا ہے کہ مولوی عبدالعزیز کی بات کیوں نہیں مانی؟ حالانکہ سوال مولوی عبدالعزیز سے ہونا چاہئے تھا کہ اس نے مولانا سمیت اپنے مرشدین کی بات کیوں نہیں مانی؟ اور یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اس سانحہ کے بعد مولانا فضل الرحمٰن نے ہی ان کے حالات سنبھالے۔ واپس جامعہ فریدیہ اور لال مسجد فعال ہوئی اور مولانا عبدالعزیز کے بھانجے کو ہی خطیب بنایا گیا جو مولانا کی اندرخانہ کاوشوں کے معترف ہیں۔

اس سب کے باوجود عین ان دنوں جب لال مسجد کے غم کو کیش کرنے جماعت اسلامی نے اظہار یکجہتی کیلئے لال مسجد کے باہر مظاہروں کا پروگرام بنایا، مولانا فضل الرحمٰن ببانگ دہل لال مسجد والوں کی سٹریٹیجی کو غلط کہتے رہے اور کسی وقتی مصلحت کی خاطر اپنے موقف کو نہیں چھپایا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswerPoint

پانامہ لیکس سکینڈل پر نواز شریف کا ساتھ دینا:

پانامہ لیکس کا اسکینڈل سامنے آیا۔ جس میں پاکستان کے چند سیاستدانوں کے نام بھی آئے، جس میں نون لیگ، پیپلز پارٹی اور تحریک انصاف کے لوگوں کے نام شامل تھے۔ مگر ایم کیو ایم اور دینی سیاسی جماعتوں کے کسی بندے کا نام اس میں نہیں آیا۔ چونکہ نواز شریف کے بچوں کا نام اس میں آیا تھا تو اپوزیشن نے بالواسطہ طور پر، نواز شریف کو اس میں ملوث قرار دے کر وزیر اعظم سے استعفیٰ کا مطالبہ کر دیا۔ مولانا فضل الرحمٰن نے وزیر اعظم کی حمایت کا فیصلہ کیا۔

اب یہاں جذبات سے ہٹ کر میں اپنے دوستوں سے پوچھتا ہوں کہ میں آخر مولانا کی سیاسی بصیرت پہ اعتماد کیوں نہ کروں؟ پانامہ لیکس کی وہ پہلی شام یاد کیجئے اس میں سوائے نواز شریف کے کسی کا نام نہیں آیا تھا۔ ترین، علیم کا نام تو چھوڑیں، مریم نواز کا نام بھی نہیں تھا۔ اس پہلے دھماکے کی شام ہی مولانا نے 4 باتیں کہی تھیں اور کتنی جلدی وقت نے سچ ثابت کر دیں۔

میں ان کو دہراتا ہوں اور ساتھ ہی ایک مختصر تبصرہ بھی عرض کرتا ہوں۔

1: مولانا نے کہا تھا کہ ہم پانامہ لیکس کو پاکستان کے خلاف عالمی سازش سمجھتے ہیں اور اس طوفان سے

کچھ نہیں ہوگا۔ جبکہ میڈیا اور سیاسی قیادت پیشین گوئیاں کر رہی تھی کہ پانامہ لیکس کے بعد، نواز شریف ایک ہفتہ کے اندر جیل میں ہوگا۔

اب مذکورہ بیان میں پہلی بات کو فی الحال چھوڑ دیں کہ وقت مزید ثابت کرے گا مگر دوسری پیش گوئی تو اب تک کافی حد تک سب کو نظر آ گئی ہے کہ کچھ نہیں ہونے لگا (اگرچہ مجھے بھی دکھ ہے کہ چوروں کا حقیقی احتساب کب ہوگا؟)

2: مولانا نے کہا تھا کہ ہم پانامہ لیکس کے معاملے پر عدالتی فیصلہ آنے سے قبل میاں نواز شریف کے ساتھ ہیں۔ جبکہ عمران خان اور میڈیا کہہ رہے تھے کہ آف شور کمپنی بنانے والے چور ہوتے ہیں اور مولانا چور کا ساتھ دے رہا ہے۔ اب اتنے دنوں بعد جبکہ ہر پارٹی کے چور ظاہر ہو گئے ہیں تو یار لوگوں نے موقف بدل لیا کہ آف شور کمپنی کا ہونا چوری نہیں، بلکہ ذرائع آمدن کا پتہ چلنا چاہئے۔ تو جناب پہلے موقف کے لحاظ سے اگر آف شور کمپنی کا مالک ہونا چوری تھا، تو مولانا بھی ایک چور کے ساتھ تھا اور باقی سب بھی چور ہی اکٹھے تھے تو فرق کیا ہوا؟ اور اگر دوسرے موقف کے لحاظ سے آف شور کمپنی بنانا چوری نہیں تو ظاہر ہے کہ پھر مولانا چور کے ساتھ نہیں تھا۔ رہ گئی ذرائع آمدنی کی تحقیق تو اس کے لئے کس نے منع کیا ہے؟

3: مولانا نے کہا تھا کہ جن لوگوں کا پیسہ باہر پڑا ہے، اگر وہ جائز بھی ہے تو ملک کے اندر لگنا چاہئے تھا۔ صاف ظاہر کہ یہ بات مولانا نے اس وقت اپنے اتحادی، یعنی صرف نواز شریف کے لئے کہی تھی کیونکہ اس وقت صرف اسی کا نام اچھالا جا رہا تھا۔ کیا یہی جرات عمران خان بھی اپنے ان دوستوں کے متعلق کر سکتا ہے جن کی آف شور کمپنیاں ظاہر ہو گئی ہیں کہ اگر تمہارا پیسہ جائز بھی ہے تو اسی ملک میں کیوں نہیں لگایا؟ وہ تو صرف نواز شریف کا ہی نام لیتا ہے، انصاف کہاں گیا؟

4: مولانا نے کہا تھا کہ پاکستان کے عوام کو پانامہ لیکس سے سبق لینا چاہئے کہ کسی مذہبی شخصیت کا نام ایسے سکینڈلز میں نہیں آتا تو وہ کن لوگوں کو ووٹ دیا کرتے ہیں؟

اس پر میں یہ کہتا ہوں کہ پانامہ لیکس تو کسی غیر ملکی صحافی نے لیک کی تھی جس میں مولانا صاحبان کا نام نہیں۔ اب تو اپنے ملکی صحافی، روف کلاسرا نے دبئی لیکس بھی کر دی ہیں جس کے مطابق اسحق ڈار، علیمہ خان وغیرہ کی غیر ڈکلیئر شدہ پراپرٹی دبئی میں ہے جبکہ یہاں بھی مولانا یا اس کے قریبی کا نام نہیں تو میں کیوں اس کو ووٹ نہ دوں اور دوسری پارٹیوں کو دوں؟

یہ جو باتیں میں نے اوپر لکھی ہیں، یہ تو آج ہر دانشور یا غیر دانشور کر سکتا ہے لیکن اس پہلی شام جب

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

طوفان آیا تھا، حالات کی اتنی مضبوط پیشگوئی صرف سیاسی بصیرت سے ہی ممکن تھی۔

میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ نواز شریف نے کوئی چوری نہیں کی ہوگی۔ حکومت اور اپوزیشن دونوں میں چور ہیں۔ پانامہ لیکس میں دینی جماعتوں کی قیادت کا کا نام نہیں ہے، باقی سب ملوث ہیں۔ پس اس ڈرامہ بازی کو میں چور مچائے شور والی بات سمجھتا ہوں۔

چور مچائے شور:

میں نے حکومت سے کہا "اپوزیشن آپ کو چور کہتی ہے اور اس کے پاس ثبوت موجود ہیں"

حکومت نے قہقہہ لگایا "اگر ان کے پاس ثبوت موجود ہیں تو سپریم کورٹ میں پیش کریں، نیب کو دیں، کم از کم اس ایمپائر کو ہی مہیا کردیں جس کی انگلی پہ اعتبار تھا۔ ہم نہیں، یہ خود چور ہیں"

بات تو درست لگتی تھی۔

میں نے اپوزیشن سے کہا "حکومت آپ کو چور کہتی ہے اور اس کے پاس ثبوت موجود ہیں"

اپوزیشن نے قہقہہ لگایا "اگر ان کے پاس ثبوت ہیں تو ہم کو پکڑتے کیوں نہیں؟ حکومت کا کام ہے چور پکڑنا۔ ایف بی آر سے کہیں۔ پولیس کے پاس ایف آئی آر درج کرائیں۔ ہم نہیں یہ خود چور ہیں"۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

بات تو یہ بھی درست لگتی تھی۔

میں نے پریشان ہوکر، بابا جی سے پوچھا "حکومت، اپوزیشن کے چوروں کو کیوں نہیں پکڑتی؟"

کہنے لگے "اسلئے کہ اپوزیشن کے پاس حکومتی چوروں کی فائلیں ہیں، پھر وہ بھی پکڑے جائیں گے"

میں نے کہا "اپوزیشن والے، حکومت کے خلاف ثبوت عدالت کیوں نہیں لے جاتے؟"

کہا: "اسلئے کہ حکومت کے پاس اپوزیشن کی چوری کی فائلیں موجود ہیں پھر وہ بھی پکڑے جائیں گے"

میں نے کہا: ''پھر ایک دوسرے کو گالیاں کیوں دیتے ہیں؟''

بابا جی نے قہقہہ لگایا "گالیاں تو وہ تم لوگوں کو مصروف رکھنے کی خاطر دیتے ہیں تاکہ تمہاری توجہ تیسری طرف نہ جانے پائے۔ خود سوچو اگر دلیل اور ثبوت کی بنیاد پر سیاست ہونے لگی تو یہ دونوں مٹ جائیں گے اور پھر وہ طبقہ اوپر آئے گا جس کا نہ پانامہ لیکس میں نام ہے، نہ دبئی کے فلیٹوں میں۔ تو میاں، اپنا بزنس کون خراب کرتا ہے؟"

مولانا فضل الرحمٰن نے پانامہ لیکس کے معاملے پر نواز شریف کا ساتھ کسی وجہ سے دیا ہے۔

ایک دوست نے فرمایا "نواز شریف ایک کینسر ہے جس سے ملک کو نجات دلانا ضروری ہے۔"

عرض کیا" کینسر کا علاج ضروری ہے مگر کسی پرانے سیانے سے مشورہ بھی کر لیجیے گا۔ کہیں سائیڈ ایفیکٹ میں "ایڈز" نہ لگ جائے"

اگر لوگ یہ کہیں کہ مولانا فضل الرحمٰن نے نواز شریف کی حمایت کے پیسے لیئے ہوں گے تو یہ ان کا قصور نہیں۔ لوگوں نے ملکی سیاست میں آج تک ایسے ہی کردار نمایاں دیکھے ہیں اور نون لیگ کی وجہ شہرت ہی پیسے کا استعمال ہے۔ پس عوام کا ذہن یہ قبولنے کو تیار ہی نہیں کہ کوئی سیاستدان، خاص طور پر کوئی مولوی پیسے کے بغیر بھی کوئی پالیسی ترتیب دے سکتا ہے۔ میں نے اس پہ ایک مضمون لکھا تھا، پڑھ لیجیے۔

رقم بڑھاؤ نواز شریف، ہم تمہارے ساتھ ہیں:

مولانا فضل الرحمٰن کی ذات پہ چسپاں کر کے مذکورہ فقرہ اچھالا گیا ہے۔ چونکہ سب لوگ متعصب یا چھچھورے نہیں ہوتے پس منصف مزاج مگر بے خبر لوگوں کے سامنے تصویر کا اصل رخ لانا بھی ایک شرعی فریضہ ہے۔ تاہم اپنے موضوع پر آنے سے قبل، ایک چھوٹا سا واقعہ آپ کے گوش گذار کرتا ہوں:

خاکسار، سعودی سول ایشن میں بطور سینئر انجینئر خدمات سرانجام دیتا ہے اور اسی ضمن میں گاہے گاہے، سعودی عرب کی 26 ایئرپورٹس پہ آنا جانا لگا رہتا ہے۔ 2008ء کے الیکشن ہوئے کچھ روز ہو چکے تھے اور پیپلز پارٹی کی حکومت بن رہی تھی۔ جدہ کے الفرسان لاؤنج میں جناب اسحٰق ڈار صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ موصوف مدینہ منورہ جا رہے تھے اور میرا بھی وہیں کا دورہ تھا۔ اتفاق سے جہاز کی بزنس کلاس میں بھی خاکسار کو ان کے پہلو میں سیٹ ملی تو بات چیت چلتی رہی۔ ظاہر ہے کہ سیاست ہی موضوع گفتگو تھا۔ (یہ تفصیلات میں نے ڈار صاحب کی یادداشت تازہ کرنے کیلئے لکھی ہیں)

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIArchivesPak

باتوں باتوں میں، میں نے ان سے مولانا فضل الرحمٰن کے بارے میں رائے لی۔

پٹ سے جواب دیا "وہ تو بکاؤ مال ہے۔"

عرض کیا "پھر آپ لوگ اسے خرید کیوں نہیں لیتے؟

"ایسے کام ہم نہیں کیا کرتے۔ نون لیگ نے ہمیشہ اصولوں کی سیاست کی ہے"

میں نے کہا "ڈار صاحب، بے نظیر کے خلاف تحریک عدم اعتماد کے دنوں میں ہارس ٹریڈنگ مشہور ہوئی تھی، ان دنوں پیپلز پارٹی کے ارکان کو سوات میں اور آئی جے آئی والوں کو چھانگا مانگا بند رکھا گیا تھا۔ یہ خبر بھی عام تھی کہ ہر رکن اسمبلی کو 20 لاکھ روپے دیئے گئے ہیں، وہ کیا چکر تھا؟

کہنے لگے: "وہ پیسہ پیپلز پارٹی والوں نے چلایا تھا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، انسان کمزور ہے اور لالچ

میں آ جاتا ہے۔ پس ہم نے صرف حفظ ماتقدم کے طور پر اپنے ارکان کو مہمان بنایا ہوا تھا"

عرض کیا "ان دنوں صرف دو پارٹیوں کے ارکان ہی کھلے بندوں پھر رہے تھے۔ مولانا کے ارکان بھی آزاد پھر رہے تھے۔"

"ہاں، ہم نے ان کو لفٹ نہیں کرائی تھی"

"آپ نے پیسہ نہیں دیا لیکن وہ تحریک عدم اعتماد میں آپ کے ساتھ کھڑے تھے۔ تو پھر پیپلز پارٹی نے کیوں نہیں خرید لیا؟۔"

"یہ گہری سیاسی باتیں ہیں، آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گی۔"

اسحٰق ڈار صاحب سے بہت لمبی گفتگو نہ ہو سکی۔ ایک تو جدہ سے مدینہ ویسے ہی 35 منٹ کی فلائٹ ہے دوسرے، وہ اپنے سینہ میں کسی پرانے عارضے کی وجہ سے ریشہ گرنے سے تنگ بیٹھے تھے۔ لیکن اس مختصر نشست سے یہ ہوا کہ نون لیگ کیلئے میری ناپسندیدگی پہلے سے بڑھ گئی۔

(خاندانی اور مصنوعی لیڈروں کی وضع داری کا فرق بھی نوٹ کیجئے گا۔ میں نے اس لئے نام لے کر تذکرہ کیا ہے کہ موصوف تو معقول لوگوں میں گنے جاتے ہیں)

عرض یہ ہے کہ اکثر لوگوں نے مولانا فضل الرحمٰن کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ ورنہ میرے خیال میں یہ شاید واحد سیاستدان ہے جسے خریدا یا جھکایا نہیں جا سکتا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

ابھی کل ہی کی بات ہے۔ پشاور آرمی اسکول کے حادثے کے بعد آرمی کے تیور سخت بگڑ چکے تھے۔ ملٹری کورٹس کے قیام کے لئے آئین میں 21ویں ترمیم یوں منظور کرائی گئی کہ رضا ربانی صاحب رو بھی رہے ہیں اور قرارداد بھی پیش کر رہے ہیں۔ صاف نظر آتا ہے کہ یہ ڈنڈے کی طاقت تھی کہ پاکستان بھر کی سیاسی پارٹیوں نے صرف ایک ماہ میں اس پہ دستخط کردئے، سوائے مولانا کے، جس نے آج تک اس سے اتفاق نہیں کیا اور بانگ دہل اس کی مخالفت کر رہا ہے۔ مولانا، مرعوب ہونے والا آدمی نہیں ہے۔

یہ تو ملٹری کی بات ہوئی۔ سول حکومت کی بھی سن لیں۔ پنجاب اسمبلی نے تحفظ نسواں بل پیش کیا۔ اگرچہ وہاں مولانا کی نمائندگی نہیں اور اگرچہ ہم مولانا کے موقف سے کچھ اختلاف بھی کرتے ہیں لیکن آپ مولانا کا رویہ ملاحظہ فرمائیں جس نے واشگاف الفاظ میں نون لیگ کو دھمکی دی کہ حکومت گرانا ان کیلئے مشکل نہیں ہے۔ اگر مولانا بک جایا کرتا ہے تو خریدنے والے، ابتک منت سماجت کیوں کر رہے ہیں؟

لوگ کہتے ہیں کہ مولانا ہر حکومت میں شامل ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ الزام سرے سے ہی غلط ہے لیکن آپ سے میرا سوال یہ بھی ہے آخر کیوں ہر حکومت میں شامل نہ ہوا جائے؟ کیا عوام اپنا نمائندہ اس لئے منتخب

کرتے ہیں کہ وہ اسمبلی میں جاتے ہی اکھاڑہ لگادے یا وہ اپنے مسائل کے حل کیلئے اسے منتخب کرتے ہیں؟ اوراس کے لئے منطقی صورت یہی ہے کہ وہ ہر حکومت بنانے والی پارٹی کو اپنی شرائط پیش کرے اور حکومت میں ضرور شامل ہو اور پھر حکومت کو ایفائے عہد کے لئے مناسب وقت بھی فراہم کرے۔ہاں اگر حکومت وعدہ ایفاء نہیں کرتی تو راستہ الگ کرلے۔ مگر اسمبلی میں جاتے ہی بلاوجہ اپوزیشن میں بیٹھ جانا تو اپنے حلقے کے عوام کے ساتھ صریح زیادتی ہے۔

بہر حال مولانا کے متعلق درست جملہ یوں ہوسکتا ہے کہ مولانا ہراس جمہوری حکومت کے ساتھ اتحادی رہا ہے جو اپنے موقف میں آزاد ہو اور اسٹیبلشمنٹ کی ڈکٹیشن پر نہ چلے ۔پاکستان میں گذشتہ 40 سال کی 2 ملٹری اور 5 سول حکومتوں کے ساتھ مولانا کا رویہ تاریخی دستاویز ہے۔اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مولانا نے کبھی چور دروازے سے اقتدار میں آنے کی کوشش نہیں کی۔

خیر، یہ ایک الگ موضوع ہے۔

فی الحال اسی الزام کو درست مان لیتے ہیں کہ مولانا ہر حکومت کے ساتھ شامل ہوتا ہے اور پیسے کے لئے شامل ہوتا ہے تو پھر نواز شریف کا ساتھ دینے کیلئے مولانا کو بھلا کیوں بے چینی ہو؟ جب نواز شریف جائے گا تو جو بھی آئے گا، بقول آپ کے مولانا کی حکومت تو پھر بھی ہوگی۔ تو اس کو اتنے تردد کی ضرورت کیا ہے؟ عقل کی بات تو یہ ہے کہ اسے اگر حکومت سے رقم درکار ہوا کرتی ہے تو مولانا یہ کوشش کرتا کہ نواز شریف جلدی چلا جائے تا کہ نئی حکومت آئے اور نئے ریٹ طے ہوں۔ بغض، عقل کو مار دیتی ہے۔

Fb.me/OfficialJuist
Fb.com/JUIAnswersBack

ورنہ اگر وہ رقم لیکر کندھا فراہم کیا کرتا ہے تو وہ لوگ اس کو رقم دے کر کیوں نہیں خرید لیتے جنہوں نے دھرنے تماشوں پہ اربوں روپے لٹا دئے؟ حالانکہ دھرنے والے بیچارے تو شیخ رشید جیسوں کو ساتھ رکھنے کے لئے بھی مرے جاتے ہیں۔مولانا کو خریدنے میں ان کا بھی فائدہ تھا اور مولانا کا بھی، کہ وہاں تو رقم بھی ملتی اور "چندروزہ "عزت بھی ملتی۔

اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مولانا نے نواز شریف کا ساتھ اس لئے دے رکھا ہے کہ عمران خان کی حکومت آ گئی تو مولانا کو کوئی ذاتی نقصان کا اندیشہ ہے، تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔عمران خان کی حکومت، مولانا کا بال تک بیکا نہیں کرسکتی۔ خیبر پختونخوا کی مثال سامنے ہے۔

میں اپنے علاقے سے تحریک انصاف کے دو ارکان کے اخباری بیانات کا حوالہ دوں گا جس میں جہانِ معنی پوشیدہ ہے۔ایک ٹانک سے ایم این اے داور کنڈی ہے جس نے پریس کانفرنس کی کہ پرویز خٹک، مولانا لطف الرحمٰن سے پوچھ کر پی ٹی آئی کے ٹکٹ بانٹتا ہے، ہم سے تو وہ ملتا ہی نہیں۔دوسرا رکن علی امین

خان گنڈہ پور ہے، جو کہتا ہے کہ معلوم نہیں صوبہ میں ہماری حکومت ہے یا مولانا کی؟

مولانا کے بغض میں کوئلہ ہونے والوں کو معلوم ہو کہ ملٹری حکومت ہو یا سول حکومت، مولانا ان کا محتاج نہیں بلکہ وہ مولانا کے محتاج ہیں۔ اور یہ طاقت، مولانا نے اپنی اخلاقی قوت سے بنا رکھی ہے۔

دیکھئے! ایم کیو ایم ایک سیاسی جماعت جس کے قبضے میں صرف کراچی شہر ہے تو 30 سال سے سول و ملٹری حکومتیں اس کے نخرے اٹھاتی رہی ہیں۔ جبکہ جمعیت علماء اسلام جس کے پاس 40 سال سے پاکستان کا سب سے بڑا، سود مند اور حساس ترین صوبہ ہے، یعنی بلوچستان۔ تو کیا وہ جماعت کوئی وقعت نہیں رکھتی؟ بلکہ میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ آج بلوچستان میں اگر وفاق کا پرچم لہرا رہا ہے تو اس میں جمعیت علماء اسلام کا سب سے زیادہ کردار ہے۔

رہا سوال حکومت میں شامل ہونے یا نہ ہونے کا۔ تو مولانا خیبر پختونخوا کے علاوہ بلوچستان میں بھی اپوزیشن میں ہے۔ یہاں تو چلو عمران خان ہے، لیکن وہاں اسے کیا تکلیف ہے؟ اگر اس کو حکومتوں میں شامل ہونے کا اتنا ہی شوق ہے تو وہاں وہ کیوں حکومت میں شامل نہیں ہوا؟

تو بھائی حکومت یا اپوزیشن کا ساتھ دینے کیلئے مولانا کے کچھ اصول ہیں جو اہل نظر سے مخفی نہیں ہیں۔

باقی عمران خان کے ساتھ بھی مولانا کا اختلاف کوئی ابدی یا خونی اختلاف نہیں ہے۔ بات اتنی ہے کہ جب بھی مولانا کو یہ اطمینان ہوگیا کہ تحریک انصاف کو غیر جمہوری، طاقتیں ہینڈل نہیں کر رہیں، اور وہ اپنے بیرونی ایجنڈے سے دستبردار ہو کر اپنے فیصلے خود کرنے کی پوزیشن میں ہے تو اس کے ساتھ ورکنگ ریلیشن بنانے میں اسے کوئی مسئلہ نہیں۔ کسی زمانے میں یہی صورت حال اسلامی جمہوری اتحاد کے ساتھ تھی۔ اس زمانے میں بھی دیندار لوگ حیران ہوتے تھے کہ مولانا بے نظیر جیسی لبرل کے بالمقابل قدرے مذہبی رجحان رکھنے والے نواز شریف کا ساتھ کیوں نہیں دیتے؟ لیکن سمجھنے والے سمجھتے تھے کہ مولانا کا نواز شریف پہ گرجنا برسنا، اس کے لئے نہیں بلکہ اس کو چلانے والوں کے لئے پیغام ہوتا تھا۔

اب ورکنگ ریلیشن شپ کی بات بھی سن لیجئے۔ علماء کی اس جماعت کو عمران خان اور اس کی پارٹی سے سخت اختلاف ہے اور صوبہ میں اس کو ٹف ٹائم دینا کوئی مسئلہ نہیں۔ لیکن لوگوں کے حقوق کے نقصان پہ، جمعیت اپنی سیاست نہیں چمکایا کرتی۔ خیبر پختونخوا کے ایک ذمہ دار صوبائی وزیر نے اس خاکسار کو بتایا کہ مولانا کی جماعت نے جس قدر ہمارے ساتھ تعاون کیا ہے اور مختلف موضوعات پر ہماری رہبری کی ہے، اس سے میرے دل میں علماء کیلئے عزت بڑھی ہے۔ آپ میرے کہے کو چھوڑیں، پختونخوا کی حکومت کے کسی وزیر سے تنہائی میں عندیہ لے لیں۔ میری بات کی خود بخود تصدیق ہو جائے گی۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

واقعہ یہ ہے کہ مولانا نے پارلیمانی سیاست میں الائنس اور اپوزیشن کا ایک نیا تصور دیا ہے۔ یہ نیا ورژن اپنے موقف کی شدت، جمہوری مخالفین کے احترام، عوام کی خیر خواہی اور ہر قیمت پر جمہوریت کے تحفظ پر مبنی ہے (لفظ "جمہوری مخالفین" پیشِ نظر رہے)

اسی تناظر میں عرض کرتا ہوں کہ نواز شریف یا زرداری کا ساتھ دینے میں مولانا کو ذاتی منفعت نہیں بلکہ اجتماعی مفاد پیش نظر ہوتا ہے کہ یہی اس کے اسلاف کی بھی روایت رہی ہے اور اس کی اپنی 35 سالہ سیاسی زندگی کا خلاصہ بھی۔ مولانا کا موجودہ موقف، صرف اسی خاطر ہے کہ یہ سسٹم ڈی ریل نہ ہونے پائے۔ اس لئے کہ مستحکم جمہوری نظام، ملک میں امن کی ضمانت ہے اور یہ بھی کہ اسلامی سیاست کی بنیاد دو چیزوں پر ہے، پہلی چیز امن ہے اور دوسری، امن کے دامن سے پھوٹتی باوقار معیشت۔

آمدم برسر مطلب: میرا موقف ہے کہ چند آدمیوں کے بے نامی انکشافات پر، منتخب حکومتیں تو کیا، ایک کلرک کو بھی برخواست نہیں کرنا چاہیے، جب تک کہ آپ کی متفقہ عدالتی نظام سے وہ نااہل ثابت نہ ہو جائے۔ اس پہ خاکسار کا یہ مضمون ملاحظہ کیجئے:

کیا اب لیکس کی بنیاد پہ حکومتیں گرائی جائیں گی؟

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

چونکہ ہمارا قومی مزاج یہ ہے کہ جو شخص ہمارے موقف سے متفق نہیں وہ ضرور دشمن کا ایجنٹ ہے۔ لہٰذا میں یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ میرا تعلق جمعیت علمائے اسلام کی ایم آر ڈی دور کی نسل سے ہے جو کبھی بھی اپنے دل میں نواز شریف یا اس کے گاڈ فادر کیلئے نرم گوشہ محسوس نہیں کر سکتے۔

مگر بات نواز شریف کی نہیں بلکہ اصول کی ہے۔ فرض کریں، نواز شریف کی جگہ عمران خان 18 کروڑ عوام کا حقیقی یا غیر حقیقی منتخب وزیر اعظم ہو اور پھر 200 یا 400 صحافی اس کی مالی کرپشن پر ایک رپورٹ شائع کر دیں تو کیا ہمیں فوراً اسے گھر بھیج دینا چاہئے؟ یہ کیا منطق ہوئی؟ ہمیں نہیں پتہ یہ لیکس کیا بلا ہیں؟ سچی ہیں یا جھوٹ کا پلندہ ہے؟ لیکن فرض کیا بالکل سچ ہیں، تب بھی اس کی تحقیق کے لئے مہذب دنیا کا کوئی قاعدہ قانون ہے یا نہیں؟ کیا اب چند صحافی، دنیا کی حکومتوں کے فیصلے کیا کریں گے؟

سرشام چینلز کی رونق بڑھانے والے خود ساختہ دانش کے حامل تجزیہ نگاروں کو کیا یہ پتہ ہے کہ تجزیے، "ثبوت" کی بنیاد پہ کئے جاتے ہیں نہ کہ "لیکس" کی بنیاد پر۔

سنجیدہ صحافت تو "لیکس" جیسی چیزوں کو خبر کا درجہ بھی نہ دیتی۔

اسی پانامہ لیکس کو مائیکرو سطح پہ لے آئیے۔ مثال کے طور پر سوشل میڈیا پہ کسی جنرل کے بارے میں کوئی

ڈاکومنٹ "لیک" ہوجائے تو پہلے اس الزام کی تفتیش کی جائے گی یا پہلے اس جرنیل کو نوکری سے فارغ کیا جائے گا؟ پھر تو گلشن کا کاروبار چل چکا جناب۔

جناب عالی! یہ لیکس نامی اسکینڈل ہمارے معاشروں میں انتشار برپا کرنے کا نیا پا کھنڈ ہے۔ پانامہ لیکس کو اس وقت عالمی مسئلہ بنا دیا گیا ہے۔ حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ اس میں عالمی رہنماں کی خفیہ دولت کے راز اگلے گئے ہیں اور بس۔ معمولی شدھ بدھ رکھنے والا آدمی بھی یہ جانتا ہے کہ آف شور کمپنیوں میں پڑی خفیہ دولت، غیر اخلاقی سہی مگر غیر قانونی ہرگز نہیں۔ یہ کہ اخلاقی بنیادوں پہ اپنے حکمرانوں کی سرزنش کرنے کا حق صحافیوں کا نہیں بلکہ عوام کا ہے۔

ہمارا مسئلہ اس وقت نواز شریف یا کسی کی دولت نہیں، بلکہ ہمارا مسئلہ ہمارا اپنا ملک اور اس کی معیشت ہے۔ پاکستان کے لوگ کیا چاہتے ہیں؟ یہی کہ ہماری ملکی دولت جو پچھلے ادوار میں لوٹی گئی اسے واپس کیا جائے اور آئندہ کے لئے اس کی روک تھام کی جائے۔ فی الحال پچھلی کرپشن کو بھول کر آئندہ کے سدباب کی کوشش کی جائے۔ اس لئے کہ اس سے حاصل کچھ نہیں ہوگا، فقط اپنی منزل کھوٹی ہوگی۔ تاہم اگر کوئی دیانتدار سیاسی لیڈر (ہنسنا منع ہے) حکمرانوں کے احتساب پہ مصر ہے تو بھائی ہمارے ملک میں احتساب کے ادارے موجود ہیں، ان کے سامنے اپنا کیس پیش کرے۔ اگر موجودہ اداروں کو کٹھ پتلی سمجھتا ہے اور ان پہ مطمئن نہیں تو پارلیمنٹ کے ذریعے اپنے اعتماد کا ایک نیا احتساب ادارہ بنا دے (جیسے خیبر پختونخوا اسمبلی نے بنایا تھا) یا فوج کو اقتدار میں لا کر نیب بنا دے (جیسے مشرف نے بنائی تھی) یا مولویوں کو اقتدار میں لا کر احتساب کروا دے (جیسے ایم ایم اے کے دور میں تھا) مطمئن رہیں نتیجہ ایک ہی نکلے گا کیونکہ ہر روپ میں اشرافیہ ہی ہمارے سروں پہ براجمان رہے گی۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

ہم مسلمان آخرت پہ یقین رکھتے ہیں کہ باوجود ہماری ساری تگ و دو اور جدوجہد کے بعض لوگ اس دنیا میں مکر و فریب کے بل بوتے پر صاف بچ نکلیں گے مگر ان کا حساب آخرت میں ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم دیانتدار معاشرے کے قیام کی کوشش نہ کریں۔ یہ تو وظیفہ ایمانی ہے۔ لیکن اس کام کے لئے بھی رائج دستور کے اندر ہی کوشش کرنا پڑے گی۔ کسی کو اگر رائج دستور اپنے عقائد کے خلاف نظر آتا ہے اور اس کے بدلنے کی پرامن کوشش بے سود لگتی ہے تو کہیں اور ہجرت کر جائے مگر انتشار نہ پھیلائے۔ پچھلے احتساب کی تو بات چھوڑیں آئندہ کی کرپشن روکنا بھی آسان نہیں ہے لیکن اس مسئلہ کے حل کا پرامن راستہ، صرف یہی پارلیمانی نظام ہے، اسکے علاوہ کوئی نہیں۔

میں ایک چھوٹی سی مثال عرض کرتا ہوں۔ کتنے سال ہوگئے کہ نیا اسلام آباد ایئرپورٹ بن رہا ہے۔

بین الاقوامی ایئرپورٹ بنانے کا تجربہ رکھنے کی بنا پر عرض کرتا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ چار سال میں بن جانا چاہئے تھا مگر ابھی اس کا 50 فیصد کام بھی مکمل نہیں ہوا اور کتنے ویری ایشن آرڈر بھی لگ چکے ہیں۔ میں تحریک انصاف میں جن دو چار آدمیوں کو سنجیدہ اور سمجھدار خیال کرتا ہوں، ان میں ڈاکٹر عارف علوی بھی ہے جو اسی ایئرپورٹ کے ضمن میں پارلیمنٹ کی قائمہ کمیٹی کے چیئرمین ہیں اور جنہوں نے پچھلے ماہ متعلقہ افسران کی کلاس بھی لی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ڈاکٹر نے کسی کو معطل کیوں نہ کیا؟ قوم کے سامنے اس کرپشن پر پریس کانفرنس کیوں نہ کی؟ کیا ڈانٹ ڈپٹ کے ڈرامے کے بعد، ایئرپورٹ بن گیا ہے؟ یہی حال تحریک انصاف کی سب پارلیمانی کمیٹیوں کا ہے۔

ہمیں نواز شریف کی ذاتی آمدنی سے کوئی مسئلہ نہیں کہ حلال کی ہے یا حرام کی ہے؟ ہمارا مسئلہ یہ ہونا چاہئے کہ ملکی دولت چوری نہ ہوئی ہو۔ اب اگر یہ اخباری رپورٹیں ہماری ملکی صحافت کی ہوتیں تو بھی ان کی تفتیش کرنا ضروری تھا، اسلئے کہ حکمرانوں پر لگنے والے ہر الزام کو سنجیدہ لینا چاہئے، مگر واضح ہو کہ شریعت میں کسی متہم جرم سے صفائی کا بار ملزم پر نہیں رکھا گیا کہ وہ ٹی وی پر آ کر صفائیاں دے۔ بلکہ اپنے الزامات کو ثابت کرنا خود الزام لگانے والے کے ذمہ ہے کہ وہ متعلقہ ملکی عدالت کے سامنے اپنا کیس ثابت کرے۔

Fb.com/Official.Jamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

چونکہ پانامہ لیکس کو ایک عالمی معاملہ بنا دیا گیا ہے تو اس سلسلے میں ایک عالمی پروٹوکول موجود ہے۔ ہم اقوام عالم کی بستی میں رہنے والی ایک قوم ہیں اور اقوام متحدہ کے فیصلوں کے شرعی، قانونی اور اخلاقی طور پر پابند ہیں۔ پس ایسے معاملوں میں ہمیں انتظار کرنا چاہئے کہ عالمی فورم اپنا کیا لائحہ عمل مرتب کرتا ہے۔ یہ جو آئس لینڈ کے وزیراعظم نے پانامہ لیکس کی بنیاد پر استعفی دیا، اس سے اہل پاکستان کا کوئی لینا دینا نہیں ہونا چاہئے۔ ہمیں نہیں معلوم آئس لینڈ میں اتنا بڑا مجمع خود بخود اکٹھا ہوا یا پانامہ لیکس کو وقار بخشنے کیلئے انجنیئرڈ مجمع تھا؟ اور آئس لینڈ کے وزیراعظم نے پریشر میں آ کر استعفی دیا یا وہ خود بھی گریٹ گیم کا حصہ تھا؟ ہمیں غیر ملکی لیکس یا پراپیگنڈہ کی بجائے، اپنے معاملات کو اپنے ہی انداز میں دیکھنا اور حل کرنا چاہئے۔ بدقسمتی سے ہم ابھی حقیقی جمہوری منزل پہ نہیں پہنچ سکے۔

اب یہ بچگانہ باتیں بند ہونا چاہئیں کہ فلاں چینل کے اینکر کے کہے پر ثابت کیا جائے کہ اس ملک کا تیسری بار منتخب وزیراعظم انڈیا کا جاسوس ہے۔ اگر واقعی ایسا ہے تو دنیا کی نمبر ایک ایجنسی سمیت ہم سب کو خودکشی کر لینا چاہئے۔ اس ملک کی سنجیدہ سیاست میں ہم نے وہ نمونے بھی دیکھے ہیں کہ کبھی ایک قومی سطح کے لیڈر پر یہ الہام ہوتا ہے کہ فلاں قومی لیڈر انڈین ایجنٹ ہے تو کبھی ایک جرنیل ایک کتاب لکھتا ہے کہ ایک دوسرے جرنیل نے فقط اپنے ذوق کی خاطر ہزاروں فوجی جوان بلاوجہ کارگل میں مروا دئے۔ یہ

بدقسمت ملک پھر بھی چل ہی رہا ہے۔

ہمیں اسی دھاندلی زدہ، کچی پکی جمہوریت کو چلنے دینا چاہئے، بصورت دیگر اپنے ملک کے آئین کے دائرے میں ایسی جمہوری جدوجہد کرنا چاہئے جس سے ملک انتشار کا شکار نہ ہو۔ شومئی قسمت کہ اس وقت نواز شریف کے علاوہ کوئی اور ایسا شخص نظر ہی نہیں آتا جو ملک چلا سکے۔ پیپلز پارٹی کا دور تو کل کی بات ہے۔ خیبر پختونخوا میں تحریک انصاف کی گذشتہ تین سال کی کارکردگی سامنے ہے۔ شکر ہے کہ عمران خان وزیراعظم نہیں بنا ورنہ آج پورے ملک میں یا تو کنسرٹ ہو رہے ہوتے یا ہم چوہے پکڑ رہے ہوتے۔ مذہبی جماعتوں کا جنت نظیر دور بھی ہم دیکھ ہی چکے ہیں۔ خود نون لیگ میں نواز شریف سے زیادہ بہتر لوگ نظر آتے ہیں مگر خیال آتا ہے کہ چوہدری نثار کو وزیراعظم بنانے کی صورت میں ہم روزانہ چار گھنٹہ پریس کانفرنسیں سنا کریں گے جبکہ اسلام آباد سکندر حافظ آبادی کے حوالے ہوگا۔

مضمون ختم ہوا۔

پانامہ لیکس کے حوالے سے، آخری بات یہ ہے کہ جمعیت علماء اسلام کو طعنہ دینے والے، خود کہاں کھڑے ہیں؟ دوسری جماعتوں کے ارکان تو خیر سے خود ہی آف شور کمپنیوں کے مالک نکلے، مگر دینی جماعتوں کے کسی ممبر، کا نام اس میں نہیں تو اب ہم جماعت اسلامی کی پالیسی کا تجزیہ کر لیتے ہیں۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

جماعت اسلامی اور پانامہ لیکس اتحاد:

پانامہ لیکس طوفان سے دو سبق حاصل ہوئے۔

ایک یہ پاکستان کی کسی مذہبی سیاسی جماعت کے کسی لیڈر کا نام آف شور کمپنیوں میں نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ پاکستان کی باقی ساری سیاسی پارٹیوں کا کوئی نہ کوئی لیڈر، آف شور کمپنیاں رکھتا ہے۔

اب عمران خان کی تفسیر کے مطابق، آف شور کمپنیاں رکھنے والے چور ہیں، تو معلوم ہوا کہ حکومت اور اپوزیشن دونوں چور ہیں۔

مذہبی پارٹیوں کی اپنی حکومت تو آنی نہیں۔ پس یوں سمجھ لیجئے کہ ان میں اسے ایک پارٹی یعنی جمعیت علماء اسلام حکومتی چوروں کے ساتھ ہے تو دوسری پارٹی یعنی جماعت اسلامی اپوزیشن کے چوروں کے ساتھ ہے۔ یعنی دونوں چوروں کی سپورٹ کر رہے ہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن نے اس ساتھ دینے کے عوض اپنے اضلاع کیلئے چھ ارب کے ترقیاتی فنڈ لئے مگر جماعت اسلامی کو کیا ملا؟

پھر پانامہ لیکس پر طوفان کھڑی کرنے والی جماعتوں کی سنجیدگی دیکھئے کہ پہلا کل جماعتی اپوزیشن اتحاد،

اعتزاز احسن کے گھر پہ ہو رہا ہے۔ بلاول، عمران خان اور فاروق ستار پاکستان میں موجود ہیں مگر اس میں شریک نہیں ہوتے بلکہ اپنے دوسرے درجہ کی قیادت کو بھیج کر وزیراعظم سے استعفیٰ کا مطالبہ کرتے ہیں۔

اور اس اہم ترین پہلے اجلاس میں، کون کون پارٹی سربراہ بذات خود شامل ہیں؟

چوہدری شجاعت، شیخ رشید اور سراج الحق۔

کبھی جماعت اسلامی خود کو عالمی جماعت کہتی تھی، اب شیخ رشید لیول پہ آ گئی۔

مولانا فضل الرحمٰن اگر نواز شریف کے ساتھ ہے تو نواز شریف اسے ذاتی طور پر اور پبلک میں عزت دیتا ہے۔ بیچارہ سراج الحق، عمران خان کا ساتھ بھی دیتا ہے اور اس سے منافقت کا خطاب بھی پاتا ہے (اسلام آباد دھرنے میں کنٹینر پر عمران خان نے کہا کہ سراج الحق، وکٹ کے دونوں طرف کھیلتا ہے)

لو جی ! اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی۔

خواتین کے حقوق کی مخالفت:

جمعیت علماء اسلام پہ الزام لگتا ہے کہ وہ خواتین کے حقوق کی مخالف ہے۔ حالانکہ، ایم ایم اے دور میں خواتین کے لئے کئی ڈگری کالج کھولے گئے۔ جمعیت علماء اسلام کے پینل پر عیسائی خاتون ممبر قومی اسمبلی رہی ہیں۔ تاہم، پنجاب اسمبلی میں حال ہی میں، ایک خواتین تشدد بل پیش کیا گیا جس کے خلاف مولانا فضل الرحمٰن میدان میں آ گئے۔ مولانا فضل الرحمٰن وفاق میں حکومت کے اتحادی ہیں اور پنجاب اسمبلی میں ان کا کوئی رکن بھی نہیں۔ مگر انہوں نے بڑے سخت انداز میں اس بل کو للکارا۔ مجھے ذاتی طور پر اس کی سمجھ نہیں آئی کہ جب پنجاب اسمبلی کی حکومت اور اپوزیشن ساری پارٹیاں اس بل کی حمایتی ہیں تو آپ کو اس کیوں اعتراض ہے؟

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

اس پہ میرا موقف پڑھ لیجئے:

پنجاب اسمبلی اور مولانا فضل الرحمٰن:

پنجاب اسمبلی نے اپنا جمہوری حق استعمال کرتے ہوئے، اپنے صوبے میں خواتین تشدد بل منظور کیا خواتین پر بڑھتے ہوئے مظالم کے پیش نظر، ذاتی طور پر خاکسار، اس بل کی پرزور حمایت کرتا ہے۔

پنجاب اسمبلی تعریف کی مستحق ہے کہ انہوں نے معاشرتی مسائل کو ڈسکس کر کے اپنی تنخواہ کا حق ادا کیا۔

لیکن جس انداز میں مولانا فضل الرحمٰن کھلے بندوں پنجاب اسمبلی پر چوٹ فرما رہے ہیں، وہ جمہوریت سے بعید ہے۔ بھائی ان کا صوبہ ہے، وہ منتخب لوگ ہیں، انہوں نے اپنے مرد و زن کے لئے ایک بل منظور کیا، مگر

آپ تو ان کے وزیراعلیٰ تک کو زن مریدی کا طعنہ دے رہے ہیں۔

تسلیم، کہ اس بل پر تنقید بھی مولانا کا جمہوری حق ہے اور ظاہر ہے کہ مولانا، اپنی رائے کو حق سمجھ کر بیان کرنا ضروری سمجھتے ہوں گے مگر بھائی سیاسی ''مفاد'' بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔

شہباز شریف کو رگیدنے کی کیا تک ہے؟ پہلے ہی آپ نے پی ٹی آئی سے سینگ پھنسائے ہوئے ہیں۔اب شریفوں کی دم پہ پاؤں رکھ کر کیا فائدہ ہوگا؟ ادھر دیکھئے، ایک اور دینی جماعت بھی ہے جو ایک صوبے میں سیاسی مفادات کی خاطر، اپنی اتحادی جماعت کے رقص وسرود تک کی وکالت فرمالیا کرتی ہے۔ تو پورے پنجاب کو اپنا دشمن بنانے کی کیا تک، جبکہ پہلے ہی وہاں سے آپکی نمایندگی نہ ہونے کے برابر ہے؟

اتنا ضرور مانتا ہوں کہ مولانا نے اپنا وہ جملہ سچ ثابت کردیا کہ: ''حکومت میں ہونا، نہ ہونا ہمیں حق گوئی سے نہیں روک سکتا'' بلکہ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ کتنا ہی سیاسی نقصان ہوجائے، مولانا جس چیز کو حق سمجھے، اسے ڈنکے کی چوٹ بیان کرتا ہے۔مولانا کی یہ سخت گیری، صرف سیکولر لوگوں کے لئے نہیں ہے۔

یادش بخیر! سپاہ صحابہ کے بانی، مولانا حق نواز جھنگویؒ مولانا کی جماعت کے صوبائی نائب امیر تھے۔ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ 1988ء میں جھنگ میں کتاب کے نشان پر الیکشن لڑتے، وہ عابدہ حسین جیسی جاگیردارنی کے مقابل 42 ہزار ووٹ لیکر صرف 3 ہزار ووٹ سے ہارے تھے، لیکن مولانا چونکہ ان کی ''شیعہ کافر'' مہم سے متفق نہیں تھے، لہٰذا کبھی بھی ان کے اختیار کردہ طرز عمل کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

ہم دیکھتے ہیں کہ نام نہاد انقلابی پارٹیاں، ایک ایک الیکٹیبل کو رجھانے، اس کے دروازے پہ ماتھا رگڑتی ہیں، وہاں ایک چھوٹی سیاسی جماعت کا محض اصول کے اختلاف پر پورا ایک حلقہ قربان کردینا اصول پرستی کی زندہ مثال ہے۔لہٰذا اصولی اختلاف کے باوجود، مولانا کی اپنے موقف کی خاطر جرائت مندانہ للکار کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔

گھریلو تشدد بل کی مخالفت کیوں؟

پنجاب اسمبلی سے منظور شدہ خواتین بل پر اگرچہ ساری اسلامی جماعتیں سیخ پا ہیں مگر میرا سوال صرف مولانا فضل الرحمٰن سے ہے کیونکہ بوجوہ میں علمائے دیوبند کو ہی اور یجنل اور معتدل اسلام کی نمائندہ آواز سمجھتا ہوں۔میرا سوال ہے کہ خواتین بل کی مخالفت، آپ شریعت کے تحفظ کے لئے کررہے ہیں یا مشرقی اقدار کے تحفظ کی خاطر؟

دیکھئے! شریعت نے انسان کیلئے اسکی فطرت کے مطابق موزوں ترین قوانین عطا کئے ہوئے ہیں

ریاست اور فرد کے باہمی حقوق، محلے میں ہمسائے کے حقوق اور میاں بیوی کے حقوق، سب بہت واضح طور پر شریعت میں موجود ہیں۔ اصولاً ایک اسلامی ملک میں، ہر خاندان اور فرد کیلئے کسی انگریزی قانون کی ضرورت ہی نہیں۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ شرعی قوانین کی موجودگی کے باوجود، پاکستان میں شروع دن سے فرنگی قوانین موجود ہیں اور انہی قوانین کی بناء پر کاروبار حکومت چلتا رہا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ شریعت میں پہلے سے خواتین کے حقوق موجود ہیں تو یورپی قوانین کا نفاذ، اسلام دشمنی ہے۔ محترم! اس ملک میں رائج سارے فرنگی قوانین اسلامی قوانین کی ضد ہی ہیں۔ ان قوانین کے خلاف آپ بات تو کیا کرتے ہیں مگر اس قدر شوروغوغا کبھی نہیں مچایا؟ ایک اور فرنگی قانون کے آنے سے کیا پہاڑ گرے گا؟

پھر آپ مشرقی اقدار کا رونا روتے ہیں کہ ایک مشرقی مرد کی غیرت سے بعید ہے کہ جو بیوی اس کو کڑا پہنا دے، اس کو اپنے گھر میں رکھے، پس طلاق کی شرح زیادہ ہو جائے گی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو مشرقی مرد نظر آتا ہے مگر مشرقی عورت نظر نہیں آتی۔ آخر ایک مشرقی عورت، خاوند کی مار کھا کر بھی، کیوں پولیس کو بلائے گی؟ لندن میں نسلوں سے رہنے والی مشرقی عورتوں نے بھی کبھی شوہر کے خلاف پولیس کو نہیں بلایا تو یہاں کیوں بلائے گی؟

Fb.com/Official Jamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

محترم! آپ دین کے محافظ ہیں، نہ کہ مشرقی اقدار کے۔ بلکہ بعض مشرقی اقدار کو آپ ہی ختم کرنے کے شرعاً پابند ہیں۔ اس لئے، قرآن وحدیث سے کوئی ایسی واضح شق پیش کیجئے جو اس بل کو کفر قرار دے اور مزید اپنے احتجاج کی اس قدر شدت کا بھی شرعی جواز پیش فرمائیے۔

خاکسار کا اندازہ ہے کہ یہ بل، پنجاب اسمبلی نے واپس لینے کے لئے بنایا ہے۔ قادری کی پھانسی پر بحث بڑھ کر کسی کے گریبان کی طرف جاسکتی تھی، لہذا مولویوں کو نئی بات پر ہنگامہ کھڑا کرنے کو کہا گیا تا کہ دینی مزاج عوام کا ذہن بٹ جائے، لبرل لوگوں کو پیپلز پارٹی کے پلیٹ فارم سے نون لیگ میں لایا جائے، مغربی آقاؤں کے سامنے بھی سرخرو ہو جائیں، اور بعد میں بل واپس لیکر مولویوں کو بھی خوش کر دیا جائے۔

ہاں، صرف مولانا شیرانی کو احتجاج کا حق حاصل ہے۔ اس لئے کہ دستوری طور پر ہر نئے بل سے پہلے، اسلامی نظریاتی کونسل سے راہنمائی لینا چاہیے جو کہ نہیں لی گئی۔

نوٹ: اس علمی اختلاف کے باوجود بھی عملی میدان میں ہم جمعیت علما اسلام کے فالورز ہیں۔ والسلام

خیر، یہ تحریر، اس حد تک درست ثابت ہوئی کہ بل واپس لے لیا گیا۔ اور یہ کہ میرا مولانا سے دوسرا گلہ بھی

دور ہو گیا- وہ یوں کہ مولانا شیرانی نے اس بل کے مقابل، اسلامی نظریاتی کونسل سے تمام مکاتب فکر کے عالم کا متفقہ متبادل بل بھی پیش کر دکھایا اور یوں علماء نے اپنی بات کو منطقی طور پر سنجیدگی عطا کی ہے۔

کشمیر کمیٹی کی ناقص کارکردگی:

جب مولانا فضل الرحمٰن پہ نہ تو کرپشن کا الزام بار آور ہوسکا، نہ کسی اور طورا سے نیچا دکھا سکے تو یار لوگوں نے کشمیر کمیٹی کی چیئرمینی کو موضوع بنا کر مولانا کو رگیدنا چاہا- افسوس کہ حاسدین کا یہ داؤ بھی نہ چل سکا-

مولانا فضل الرحمٰن، کشمیر کمیٹی کے چیئرمین ہیں، پوچھنا تو حق بنتا ہے کہ انہوں نے کشمیر کیلئے کیا کیا ہے؟

دیکھیے! مولانا سے پہلے مشرف دور میں کشمیر کمیٹی کے چیئرمین، حامد ناصر چٹھہ تھے جو تحریک انصاف میں شامل ہو چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ کشمیر کو تقریباً آزاد کرا ہی چکے تھے۔

ان سے پہلے یعنی 1996 تا 1999 کشمیر کمیٹی کے چیئرمین غلام سرور خان تھے وہ بھی تحریک انصاف کے لیڈر ہیں۔ یعنی تحریک انصاف کے دو موجودہ لیڈروں کی چیئرمینی کا کل عرصہ 10 سال بنتا ہے۔ ظاہر ہے ایسے مخلص لوگوں کے ہاتھوں کشمیر آزاد ہونے ہی لگا تھا کہ مولانا نے کام خراب کر دیا۔

مولانا تو خیر بیچارہ کس کھیت کی مولی ہے۔ پارٹیشن کے فوراً بعد کشمیر کونسل بنائی گئی تھی جس کے ارکان میں مولانا مودودی بھی شامل تھے۔ ظاہر ہے ایسے دانشمند لوگوں کی مساعی جمیلہ کو بھی مولانا فضل الرحمٰن نے برباد کر دیا، ورنہ کشمیر کب کا آزاد ہو چکا تھا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

اب حالت یہ ہے کہ موجودہ کشمیر کمیٹی میں تو می اسمبلی کی مختلف جماعتوں کے 35 ممبران شامل ہیں جو مفت کی روٹیاں توڑ رہے ہیں مگر لوگوں کو ان کے نام بھی نہیں معلوم، نام صرف مولانا کا معلوم ہے۔

میں یہ قطعاً نہیں کہتا کہ مولانا سے باز پرس نہ کی جائے۔ بطور چیئرمین کشمیر کمیٹی، ان کی کارکردگی پر باز پرس کرنا قوم کا حق بنتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ مولانا سے یہ باز پرس سوشل میڈیا کے کاکے کریں گے یا قوم کے نمائندہ لیڈروں کو کرنا چاہئے؟

آخر اپوزیشن لیڈر یا کوئی اور پارٹی لیڈر اسمبلی کے فورم پر مولانا سے سوال کیوں نہیں کرتا؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ مولانا کے جواب سے کسی کو ننگا ہونے کا ڈر ہو۔

مندرجہ بالا مختصر پیراگراف کو دوبارہ پڑھ لیجئے- اس میں نہ تو مولانا کی صفائی پیش کی گئی ہے، نہ کشمیر کمیٹی کے قواعد وضوابط پہ گفتگو ہے، نہ مسئلہ کشمیر کی شرعی وقانونی حیثیت کی تشریح ہے اور نہ اس کمیٹی کی رپورٹ پر کوئی تبصرہ ہے۔ بلکہ اس عبارت میں ایک سادہ سا سوال ہے جو کہ مولانا کے معترضین پہ کیا گیا ہے۔

شعور کی بنیادی سطح، سوال کو سمجھنا ہوتا ہے۔ جب سوال ہی آدمی نہ سمجھ سکے تو تبصرہ کیا کرے گا؟ میں اس کو مزید سادہ بنا کر لکھتا ہوں:

دیکھیئے! اگر آپ پالیٹکس پہ تبصرہ فرمانے کے شوقین ہیں تو ہمیں امید ہے کہ آپ مندرجہ ذیل بنیادی باتوں سے پہلے ہی واقف ہوں گے۔

بحیثیت ایک جمہوری ملک کے مہذب شہری کے، آپ اس پہ یقین رکھتے ہیں کہ ملکی مسائل چوکوں، تھڑوں، بازاروں کی بجائے ایک منتخب فورم پہ حل کیے جائیں۔

آپ نے ملکی پالیسی بنانے میں اپنا حصہ ڈالنے، ووٹ کے ذریعے پانچ سال کیلئے اپنا نمائندہ منتخب کیا تاکہ قوم کے باقی افراد اگلے پانچ سال کیلئے اپنی روزمرہ زندگی پہ توجہ دیں۔ ملکی انتظام چلانے کیلئے ایک حکومتی ٹیم منتخب ہوئی اور اس ٹیم کو راہ راست پہ رکھنے، اپوزیشن کی دوسری ٹیم منتخب ہوئی۔

آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ اگرچہ ملک کا نظم ونسق چلانے کیلئے، وزیروں مشیروں کی ٹیم حکمران ہی بنایا کرتے ہیں لیکن بعض امور ایسے ہوتے ہیں جن میں صرف حکومتی پارٹی کو فری ہینڈ نہیں دیا جا سکتا۔ اس کیلئے حکومت اور اپوزیشن کے متعدد ممبران پر مشتمل پارلیمانی کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں جیسے پبلک اکاؤنٹس کمیٹی، امور خارجہ کمیٹی، کشمیر کمیٹی وغیرہ۔ امید ہے آپ کو ان سب کمیٹیوں کی ترتیب ودائرہ کار کا بخوبی علم ہوگا

آپ کو یہ بھی پتہ ہوگا کہ ان پارلیمانی کمیٹیوں کا سربراہ، حکومتی یا اپوزیشن ممبر ہو سکتا ہے۔ یہ کمیٹی، وفاقی وازرت کو جوابدہی کیلئے طلب کر سکتی ہے۔ اس کمیٹی کا سربراہ، صرف اپنی ٹیم کا ترجمان ہوتا ہے ورنہ ذاتی اختیارات میں تفاوت نہیں رکھتا۔ اس کو وفاقی وزیر کا رسمی عہدہ دیا جاتا ہے کیونکہ آئینی طور پر یہ وفاقی وزیر کا گویا "باس" ہوا کرتا ہے تو اس سے کم عہدہ نہیں ہو سکتا۔

Fb.com/JUIAnswersBack

ہمیں یہ احساس ہے کہ کشمیر کمیٹی سمیت کسی بھی پارلیمانی کمیٹی کی خاطر خواہ کارکردگی نہیں رہی جو کہ اس کے جملہ ممبران، حکومت اور اپوزیشن دونوں کے منہ پہ طمانچہ ہے۔ ان کمیٹیوں کا احتساب اگر پارلیمنٹ میں موجود سیاسی لیڈران نہیں کر رہے تو وہ نہ صرف اس کے جرائم میں شریک ہیں بلکہ عوام کے ٹیکسوں سے حرام کی تنخواہ بھی لے رہے ہیں۔ ہمیں آپ کے شعور سے امید ہے کہ اس سادہ بات کو بخوبی سمجھ گئے ہونگے

ہمیں یہ بھی امید ہے کہ جس طرح کشمیر کمیٹی پر آپ تبصرہ فرماتے ہیں، آپ دوسری پارلیمانی کمیٹیوں پر اتنا ہی تبصرہ فرماتے رہتے ہوں گے۔ اگر ایسا نہیں اور آپ کو صرف کشمیر کمیٹی پر بے چینی ہوتی ہے تو آپ کسی خاص بغض کا شکار ہیں۔

ہمیں یہ بھی امید ہے کہ اگر مولانا فضل الرحمٰن کی کارکردگی سے آپ مطمئن نہیں ہیں تو ان کی کمیٹی کے

35 ممبران کو آپ نے اپنے تبصرہ جات میں ضرور مخاطب کیا ہوگا کہ آپ کی کمیٹی کا لیڈر کیا کر رہا ہے؟ اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ کسی خاص نفسیاتی آگ میں جل رہے ہیں۔

اب چونکہ کشمیر کمیٹی کے سب اراکین ہی گم سم ہیں تو آپ نے پارلیمنٹ میں موجود، سیاسی لیڈران کو کم از کم ان کمیٹیوں میں موجود ان کے اپنے ممبران کا احتساب کرنے کا فرض یاد دلایا ہوگا۔ اگر نہیں کیا تو پھر آپ کو سیاسی تبصرہ بازی زیب نہیں دیتی۔

ہمیں یہ بھی امید ہے کہ چونکہ "مجرم" مولانا فضل الرحمٰن سے کوئی بھی سیاسی لیڈر پارلیمنٹ کے فورم پر باز پرس نہیں کر رہا تو آپ باقی سارے سیاسی لیڈران کو بھی اسی طرح مجرم، منافق اور مفت خورا کہتے ہوں گے۔ اگر آپ صرف مولانا کو ہی یہ خطاب دیتے ہیں تو آپ کی یہ بیماری، بظاہر لاعلاج ہے۔ ہم اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

پس ہمارے پہلے والے پیراگراف میں انہی مذکورہ باتوں کو ایک سوال بنا کر پیش کیا گیا ہے، وہ سوال کسی دوسرے کی کارکردگی سے متعلق نہیں ہے، بلکہ معترضین کے رویے سے متعلق ہے۔

آپ حیران ہوں گے کہ میرے اس سوال کا جواب، ایک انتہائی تعلیم یافتہ دوست نے یہ کہہ کر دیا کہ آخر مولانا کو تعیشات کیونکر میسر ہیں؟

عرض کیا: "برادرم! ہمارے معاشرے میں مولوی کے تن پہ سفید کپڑے کسی کو برداشت نہیں ہوتے ورنہ آپ مولانا فضل الرحمٰن کی تعیشات حوالہ دینے کیلئے سوشل میڈیا کے پراپیگنڈہ کے علاوہ کوئی معقول ثبوت ضرور مہیا کرتے۔ ڈیرہ میں 10 مرلہ گھر کے سوا اس کرہ ارضی پہ اس کا کوئی گھر نہیں۔ سرکاری لینڈ کروزر جو اس کو بلحاظ عہدہ ملی، اس کے علاوہ ان کے زیر استعمال کوئی گاڑی نہیں۔ عیدین تہوار گھر یا حرم میں گذارتے ہیں اور دیگر لیڈروں کی طرح اس کی "نجی چھٹیاں" نہیں ہوتیں۔ پانامہ لیکس کل کی بات ہے، کسی بھی دینی لیڈر کا نام اس میں نہیں۔ مگر پھر بھی آپ کے نزدیک وہ لٹیرا ہے، حد ہوتی ہے۔

امور کشمیر کی پارلیمانی کمیٹی کا وہ سربراہ ہے، جو اپنی جماعت کیلئے تین وفاقی وزارتیں لے سکتا ہے، خود کیوں وفاقی وزیر نہیں بنتا؟ کیا اس میں زیادہ پیسہ نہیں۔ وفاقی وزیر امور کشمیر، گویا کشمیر کا وائسرائے ہوتا ہے، کیا عہدہ لینے میں اسے کوئی روکاٹ ہے؟ حد ہوتی ہے۔

آپ کا شکریہ کہ آپ نے تسلیم کیا کہ سب حکومتیں، معاشی استحکام کیلئے اس کی محتاج ہیں۔ ورنہ تو دیگر 40 دینی جماعتوں کا وہ ٹولہ بھی موجود ہے جو آبپارہ کے حکم پہ دفاع پاکستان کونسل کے نام سے اکٹھا ہو جایا کرتا ہے۔ حالانکہ سب حکومتوں کو پتہ ہے کہ مولانا کو ساتھ نہ بھی ملایا جائے تو بھی وہ قوم میں جلاؤ گھیراؤ کی

سیاست نہیں کرتا حالانکہ اسکے پاس کئی مواقع پر کئی پتے ہاتھ آئے۔خیر، آپ کے اس تبصرہ کو ان لوگوں کو ضرور پڑھنا چاہئے جو غراتے تھے کہ ہم نے مولانا کی سیاست کو ختم کردیا۔

میرے پیارے! مشرف دور میں اگر وہ پختونخوا حکومت سے استعفی دے دیتا تو مشرف کو مشکل ضرور پیش آتی۔اس نے نہیں دیا اور نہ ہی عوام سے کوئی ایسا وعدہ کیا تھا، نہ ہی دھمکی دی تھی اور نہ ایسا انتشار پیدا کرنے کا اس کا کوئی ایجنڈا تھا۔لیکن، آج نواز شریف کو ہٹانے بھی تو اسمبلی سے استعفی دیا جاسکتا ہے۔نواز کو مشرف سے زیادہ مشکل میں ڈالا جاسکتا ہے اور یہاں تو بڑبولے ڈرامہ بازوں نے استعفی کے ڈائیلاگ سنا سنا کر عوام کے دماغ کی دہی بنادی ہے۔پس وہ یہ کام آج کیوں نہیں کر لیتے تا کہ مولانا پر اپنی اخلاقی برتری کا ڈھنڈورا پیٹ سکیں؟

اب آپ یہ ضرور بولنا کہ میں کسی پارٹی کا نہیں ہوں لیکن عمران خان پھر بھی باقی سب سے اچھا ہے۔

اب اس الزامی سوال و جواب کے بعد، میں مسئلہ کشمیر بارے اپنا ذاتی موقف، ایک امتثال سے بیان کرتا ہوں۔جسے میں نے "قریشی برادری کا مسئلہ" سے معنون کیا ہے۔

قریشی برادری کا مسئلہ:

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

کشمیر کمیٹی کے تناظر میں ایک مختصر کہانی پیش کررہا ہوں، جس کے آخر میں ایک سادہ سوال رکھوں گا، آپ کی ذہانت کا امتحان ہے۔

بہت برس پہلے، میاں مسلم قریشی کی برادری کو ایک کالونی الاٹ ہوئی۔کالونی کے پچھواڑے ایک ظالم مخدوم کا وسیع باغ تھا جس کے غریب مزارعین بھی قریشی قوم سے تھے۔ادھر مسلم قریشی کی کالونی میں ایک مولوی ٹوکہ رہتا تھا جس کے پاس غنڈے بھی تھے۔اس نے مسلم قریشی کو سبز باغ دکھا کر مخدوم کے باغ کو بھی ہتھیانے کی ترغیب دی۔

مسلم قریشی کو اپنی برادری کی بیکسی کا علم تھا، جب علاقہ کے تھانیدار نے بھی اس کا ساتھ دینے کی حامی بھری تو اس نے مولوی ٹوکہ کو کاروائی کا گرین سگنل دیدیا جس نے مزارعین کو مخدوم کیخلاف بغاوت پر اکسادیا۔

مخدوم کو بھی حالات کا اندازہ ہو گیا اور اس نے چپکے سے زمین، بگٹی سرداروں کو بیچ دی۔مولوی ٹوکہ کے لوگ وہاں گئے تو بگٹیوں نے مار مار کر بھگا دیا اور مزارعین پر مزید ظلم شروع ہو گیا۔

اب مولوی ٹوکہ نے کالونی کی قریشی برادری کو برادری ازم کا واسطہ دیکر چندے اکٹھے کرنا شروع کئے ادھر تھانیدار نے بھی ایک آدھ بار، باغ میں اپنے سپاہی بھیجے جو مار کھا کر واپس ہوئے

مسلم قریشی بیچارے نے شہر کی برادریوں کے عمائدین کے پاس وفود بھیجے کہ ہماری مدد کریں مگر ان عمائدین نے الٹا قریشی کو قصوروار ٹھہرایا کہ جب زمین کے ملکیتی کاغذ بگٹی کے پاس ہیں تو تم نے قبضہ کرنے کو اپنے بندے کس قانون سے وہاں بھیجے؟

قریشی کالونی میں ایک ملا خیر خواہ بھی رہتا تھا جو یہ اصولی بات کہتا تھا کہ جب مخدوم نے زمین بگٹی کو بیچ دی تو پھر غنڈی گردی درست نہیں کہ اس سے مزارعین کو مزید مار پڑے گی۔ مگر ملا خیر خواہ کی بات کوء نہیں سنتا تھا۔ جب کئی برس گذر گئے اور کچھ حاصل حصول نہ ہوا۔ تھانیدار اور مولوی ٹوکہ ڈھینگیں مارتے رہے اور مال کھاتے رہے۔ ادھر برادری کے غریب مزارعین مزید مار کھاتے رہے اور کالونی کے لوگ بھی قریشی پر جرح کرنے لگے۔ شہر کے کسی وڈیرے نے بھی قریشی کا ساتھ نہ دیا تو بالآخر اس نے مولوی خیر خواہ سے اس مسئلہ کا حل پوچھا۔

مولوی خیر خواہ نے سمجھایا کہ شہر کے وڈیروں کو اس صورت میں ثالث بنا سکتے ہو۔ اگر ان کو یہ کہنے کہ بجائے کہ زمین پر میرا حق ہے، تم صرف غریب مزارعین کی تکالیف کا واسطہ دیکر مسئلہ حل کراؤ۔

قریشی نے مولوی خیر خواہ کو دین و انسانیت کا واسطہ دیا کہ اب آپ ہی میری طرف سے وفد لے جاؤ اور وڈیروں کو اپنے انداز سے مسئلہ کے بیچ لاؤ۔ مولانا خیر خواہ نے صرف ایک شرط رکھی کہ جب تک میں سب وڈیروں کو مل نہیں لیتا تب تک، تھانیدار کے سپاہی اور مولوی ٹوکہ کے غنڈے، اس باغ کی طرف نہیں جائیں گے۔ قریشی مان گیا مگر مولوی خیر خواہ کے باہر جاتے ہی مولوی ٹوکہ نے تھانیدار سے جا کر کہا کہ اگر مزارعین اور بگٹی کا معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا تو کالونی کے قریشی جو سالہا سال، اسی مسئلہ کی خاطر ہمیں چندہ دیتے رہے، وہ ہماری باز پرس شروع کر دیں گے۔ مزید یہ کہ باغ کے مزارعین بھی یہ بھانڈا پھوڑ دیں گے۔ لڑتے مرتے مزارعین رہے، مال تو ان کے نام پہ دوسرے کھاتے رہے۔

پس مولانا خیر خواہ جب شہر کے وڈیروں کو بیچ میں لانے میں کامیاب ہونے والا تھا کہ ایک بار پھر جاگیر پر مزارعین نے بگٹی کے ملازمین سے پنگا لے لیا اور مار پیٹ شروع ہو گئی۔ ایک بار پھر وڈیرے، اس مسئلہ سے لاتعلق ہونے لگے۔

ادھر مولوی ٹوکہ نے کالونی کے قریشیوں کو یہ باور کرا دیا کہ مولوی خیر خواہ، تمہاری برادری کے ساتھ مخلص نہیں اور مسئلہ حل کرنے کی بجائے سیر سپاٹے کر رہا ہے تو کالونی کے سادہ قریشی لوگ، یہ دیکھے بغیر کہ مولوی خیر خواہ، کئی سال پرانے اس مسئلہ میں صرف پچھلے مہینے دخل انداز ہوا ہے اور وہ بھی صرف انسانیت کے ناطے، مولوی خیر خواہ کو ہی کوسنے دینے لگے۔

خیر، یہ کہانی ابھی ادھوری ہے۔ میرا سوال آپ سے یہ ہے کہ اس کہانی میں "مولوی ٹوکہ" کا کردار میں نے کس کے لئے تخلیق کیا ہے؟

کمال دیکھیئے کہ جس نے بھی غور سے یہ کہانی پڑھی، اس کا جواب تھا" جماعت اسلامی۔"

لیبیا حکومت سے تعلقات:

لیبیا کی حکومت اور جمعیت علماء اسلام کے مابین مفتی محمودؒ صاحب کے دور سے لیکر 1990 تک تعلقات رہے۔ کس حد تک؟ اس کی مجھے خبر نہیں۔ لیکن کیوں رہے؟ اس پہ میں تبصرہ کرسکتا ہوں۔

یہ تو ممکن ہی نہیں کہ مفتی محمود صاحب نے لیبیا سے پیسہ بنانے کیلیئے تعلقات رکھے ہوں۔ وہ تو مفتی محمودؒ صاحب کی زندگی اور جمعیت علماء اسلام کی حالت زار سے ہی عیاں ہے۔ بھٹو کی شہادت کے بعد، کرنل قذافی کے پاکستان سے تعلقات خراب ہوگئے تھے۔ اب ایک طرف کرنل قذافی کی پاکستان سے سردمہری تھی تو دوسری طرف جمعیت علماء اسلام، ضیاء مارشل لا کا عذاب جھیل رہی تھی۔ مولانا فضل الرحمٰن پابند سلاسل تھے، ضیاء الحق کی حمایت ومخالفت کی بناء پر جماعتی تقسیم کے بعد متوازی دھڑے کے بڑے لیڈر جنرل صاحب کی گود میں جا بیٹھے تھے اور گویا پارٹی زمین سے لگ چکی تھی۔

بے نظیر حکومت کے بعد جمعیت اور قذافی کے دوبارہ رابطے بحال ہوئے مگر فوراً ہی ختم ہوگئے۔ اس کی وجہ مولانا فضل الرحمٰن کا اپنے اٹل موقف پہ استقلال تھا۔ یہ کہانی پھر سہی۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

البتہ عوامی طور پہ یہ مشہور رہا کہ ڈیرہ میں ایک یونیورسٹی لیبیا کے تعاون تعمیر کی جائے گی۔ اصل بات یوں ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن کا ڈیرہ میں مدرسہ جامعہ معارف الشرعیہ کے نام سے انجینئر ادریس سدوزئی کی حویلی میں عارضی طور پر قائم تھا، جمعیت کا منصوبہ تھا کہ جامعہ کو ایک عظیم الشان یونیورسٹی میں تبدیل کیا جائے جس میں دینی وعصری علوم مہیا کیئے جائیں۔ اس کیلیئے زمین ڈیرہ کے معروف زمیندار حاجی عبدالرشید دھپ نے ہدیہ کی تھی، اس کی عظیم الشان افتتاحی تقریب ڈیرہ اسماعیل خان میں منعقد ہوئی۔

مگر اس تقریب کے بعد نہ تو یونیورسٹی کی بات آگے بڑھی، نہ ہی لیبیا کی حکومت سے جمعیت کا کوئی اور رابطہ نظر آیا۔ حاجی عبدالرشید دھپ صاحب جو میرے محترم ہیں، ان سے اس موضوع پر حال حوال پوچھا تو انہوں نے کہا کہ کافی عرصہ وہ زمین یونہی پڑی رہی۔ تو میں نے مولانا سے کہا کہ یا تو آپ اسے کسی مصرف میں لائیں یا میں خود اس میں کچھ پراجیکٹ کھولوں۔ مولانا نے بخوشی مجھ اجازت دیدی اور زمین واپس ہوگئی۔

جس آدمی میں اتنا استغناء ہو کہ ہدیہ کی گئی زمین کو سالوں تک دیکھنے کا روادار نہ ہو اور واپس کردیتا ہو،

کیا وہ حکومت کی چند کنال زمین دبائے گا؟

اب مفتی محمودؒ صاحب کے لیبیا سے تعلقات کی ایک ہی وجہ سامنے آتی ہے، جو دونوں میں مشترک تھی اور وہ ہے امریکہ دشمنی۔ بھٹو اور قذافی غیر رسمی دوستی کی بنیاد بھی یہی تھی اور قذافی کا امریکہ کو سرنڈر نہ کرنا اور اس کے قتل نے واضح کردیا کہ مفتی صاحب نے درست آدمی کو پہچانا تھا۔

یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہوگا کہ حکومتیں، دوسرے ممالک کے سیاسی حلقوں میں اپنی لابی رکھا کرتی ہیں۔ پاکستان نے بھی کئی ملکوں میں اپنی لابنگ کی ہوئی ہے۔ جیسے دیگر حکومتوں کو اپنی حامی لابی رکھنا، ان کے معاشی اور سیاسی مفادات کیلئے ضروری ہوتا ہے، ویسے ہی قومی، سیاسی جماعتوں کو بھی بین الاقوامی حلیف درکار ہوتے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے گاؤں کے دو سیاسی گھرانے، قومی سیاستدانوں کے ساتھ ضرور ربط رکھتے ہیں، تاکہ کسی نازک موقع پر ان کو پاورفل حمایت میسر آسکے۔ بڑی سیاسی جماعتوں میں ایلیٹ کلاس کے اکثر لوگ، نظریات کی وجہ سے نہیں، اپنے مفادات کی وجہ سے شامل ہوا کرتے ہیں۔ تاہم یہ بھی ضروری نہیں ہر کوئی بس اپنی ذات کیلئے ہی کسی پارٹی کا مجبور ہے۔

خیر! پاکستان میں جمعیت علما اسلام کے اگر لیبیا سے تعلقات تھے تو مولانا نورانی کے عراق سے، ولی خان کے روس سے، ایم کیو ایم کے انڈیا سے اور جماعت اسلامی کے سعودیہ سے تعلقات بھی ڈھکے چھپے نہ تھے۔ ایم کیو ایم نے ریاست پاکستان کو جس طرح یرغمال بنایا، وہ بھی ظاہر و باہر ہے۔ سعودیہ نے پاکستان میں جماعت اسلامی سے ملکر جو نظریاتی سرمایہ کاری کی ہے، اس کے نتائج بھی سامنے ہیں۔ اس تناظر میں لیبیا کے ساتھ جمعیت کے روابط نے پاکستان کو کبھی کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا بلکہ اس کی امداد ہی کی ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

آج کے پاکستانی جو خمیازہ بھگت رہے ہیں وہ، لیبیا، عراق یا روس وغیرہ کی حلیف جماعتوں کی وجہ سے نہیں بلکہ سعودیہ اور انڈیا کی حلیف جماعتوں کی پالیسی کی وجہ سے بھگت رہے ہیں اور مزے کی بات یہ کہ ان دونوں ملکوں کی حلیف جماعتوں کو ہماری فوج نے ناک کا بال بنا کر رکھا ہوا تھا۔

یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ جب سیاسی جماعتیں، دوسرے ملکوں کی ایجنسیوں کی لابنگ کا نظریاتی حصہ بن سکتی ہیں تو اپنے ملک کی ایجنسی کا کیوں نہیں؟ دیکھئے! اپنے ملک کی ایجنسی بھی باہر کے ملکوں کی سیاسی جماعتوں میں لابنگ کرتی ہوگی مگر اپنے ملک میں اس کے لئے سب سیاسی جماعتیں برابر ہونی چاہئیں کیونکہ منطقی طور پر، یہاں تو اسی کو سیاست کی اجازت ہے جو ملک دشمن نہیں ہے۔ تو یہاں ایجنسیوں کی طرف سے کسی ایک لیڈر کی پشت پناہی کرنا فال گیم ہے۔

وراثتی قیادت:

جمعیت علما اسلام پہ ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ وراثتی سیاست کرتی ہے۔ اگرچہ میرا موقف ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن کے خاندان کو رضا کارانہ طور پر آگے آنے سے اجتناب کرنا چاہئے، مگر وراثتی سیاست پہ سیخ پا ہونے والوں سے میرا سوال ہے کہ آخر کیوں نہیں کرنی چاہیے؟

میں اس موضوع پر اپنا ایک مضمون پیش خدمت کرتا ہوں:

جذباتی معاشرے اور وراثتی سیاست:

رہتے جذباتی معاشروں میں ہیں اور تمنا یہ کہ مغرب جیسا میرٹ پہ مبنی سسٹم عطاء ہو۔ بھائی جن مشرقی معاشروں میں، رشتوں کے بندھن ابھی قائم ہیں، وہاں لگے بندھے نظام چلے ہیں نہ چل سکتے ہیں۔ مغرب کی نفسانفسی سوسائٹی میں نہ کوئی کسی کے جگر کا ٹکڑا، نہ آنکھ کا کانٹا۔ وہاں غبن کیوں ہو جہاں اپنی ذات کے خول میں بند، اپنے مستقبل سے بے یقین آدمی، پھونک پھونک کر نوکری کرتا ہے کہ غلطی کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہاں تو بچوں اور بیوہ بہن کو پالنے والا، اگر رشوت نہ بھی لے، پر بیٹی کے سسرال کا کام آپڑے تو کیا کرے؟ مغربی معاشرے نے جذباتیت سے آزاد ہو کر کھویا کم، پایا زیادہ ہے۔ مشرقی معاشرہ بالخصوص پاک و ہند کا معاشرہ روایات اور جذبات پر قائم ہے (اسلئے بالی ووڈ کی ہر فلم کا خلاصہ، رونا ہے یا گانا ہے)

ایسے معاشروں میں عقل اور منطق کی باتیں کرنا ہی بے عقلی ہے۔ یہاں منہ بند رکھ کر، چھپ چھپا کر ووٹ تو شاید دے لو، پر ساس کو عقل سکھانے والی یا داماد کو منطق سمجھانے والا، پھر نیند کی گولیاں ہی لیا کرتا ہے بھائی۔ خود کو پہچان کر جیو، تو چل پاؤ گے، ورنہ کلوریکس کے ڈرم میں نہا کر بھی گوروں جیسے نہیں بن سکتے۔

Fb.com/Official.Jamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

اس جذباتی معاشرہ پر جب مذہب کا تڑکہ بھی لگ جائے تو کیا کہنے۔ !

آپ کی ساری تعلیم، تجربہ، سائنس اور منطق، ایک مولوی کی جوتی کی نوک پر ہے۔ فقہ میں ایک اصطلاح ہے "استنباط"، یعنی میز پر پڑے شیشے کے گلاس کو اگر حضرت والا نے فلاں روایت سے استنباط کر کے بھینس ثابت کیا تو کیا کہو گے؟ آپکا انکار ہی نہیں، تردد بھی آپکو آپکے منطقی انجام تک پہنچا سکتا ہے۔

اب عرض یہ ہے کہ ایسے معاشروں میں موروثی سیاست، نہ ختم کی جا سکتی ہے، نہ ہی کرنا چاہیے کہ یہ اس سوسائٹی کا بنیادی عنصر ہوتا ہے۔ تاریخ کا جبر، ایک خاندان کو اکھاڑتا ضرور ہے، پر صرف اس لئے کہ دوسرے خاندان کو جگہ دی جائے۔ موروثی سیاست کے جذباتی مخالفین، بعض اوقات بڑی دور تک جا کر بڑے محترم ناموں کے گریبانوں پر ہاتھ ڈال آتے ہیں۔ گستاخی معاف! حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کو

جانشین مقرر کر کے وراثتی سیاست کی؟ لیکن یہ تو بعد میں ہوا۔ امیر معاویہ نے حسن بن علی سے معاہدہ کیا تھا تو حسن کو کس نے نامزد کیا تھا؟ حضرت علیؓ نے نہیں کیا، مگر خاندان بنی ہاشم نے کیا، کیوں؟ اس لئے کہ وہ اپنے گروپ کیلئے اسی طرح وحدت کا سمبل تھے جس طرح بنوامیہ کیلئے یزید۔ میں بوجوہ، نازک وادیوں میں قدم نہیں رکھنا چاہتا، ورنہ موروثی سیاست کے نقادوں سے پوچھتا کہ اگر موروثیت اتنا ہی بڑا جرم تھا تو سرکار کے وصال کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں، بنی ہاشم کے بزرگان کس عنوان پہ جمع ہوئے تھے؟

بات یہ ہے کہ مشرقی خاندانوں کی بنیاد ہی اپنے بڑوں کا احترام کرنا ہے، جس بناء پر ان کا امن اور وحدت قائم رہتی ہے۔ اس تناظر میں بڑوں کے وارث کو مریدین طبعی طور پر اپنا بڑا قبول کر لیتے ہیں اور یوں اس گروہ کی وحدت قائم رہتی ہے۔ (بعض لوگ تو موروثیت کے لفظ سے ہی چڑتے ہیں حالانکہ انبیاء نے اپنی تحریک کے وارث خود مانگے ہیں)

ہمارے ہاں کی موجودہ سیاسی پارٹیاں بھی ایک قبیلہ کی طرح ہوتی ہیں جو یہاں کے کلچر کی مجبوری ہے، اسلئے کہ مغرب میں کسی سیاسی مخالف کو بھینس چوری کے مقدمے میں گرفتار کرا کر لتر پڑوانے کا رواج نہیں۔ یہاں اگر کسی پارٹی میں موروثیت ہے تو بھائی یہ پارٹی کارکنوں کا اندرونی مسئلہ ہے، ہمیں تمہیں کا کیا دخل؟

پھر یہاں کی سیاست میں کارکن نہیں ہوا کرتے بلکہ جیالے، متوالے، دیوانے، چیتے، جانثار وغیرہ اور وہ بھی بے شمار ہوتے ہیں۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

جناب من! کارکن دفتروں اور کمپنیوں میں ہوا کرتے ہیں۔ جذباتی معاشرے میں مرید اور پجاری بستے ہیں، جہاں ممدوح کے پیالے اور پاجامے تک سے پیار کیا جاتا ہے۔ تو اس کی آل اولاد تو بدرجہ اولی، مریدوں کے لئے وحدت کا محور ہوتی ہے۔

اور پھر یہ سنئے! سیاسی جماعتوں میں میرٹ پر تقرری اور ترقی؟ یہ سیاسی جماعت ہے یا سول سروس؟ بھائی کئی قبیلے ایسے تھے کہ ان کا سردار، اپنے قبیلے کے لوگوں کے بعد مسلمان ہوا لیکن نبی ﷺ نے پھر اسی کو سرداری عطا کر دی۔ جو رسول ﷺ نے کیا، وہی تو میرٹ ہوتا ہے۔ آپ عمر فاروقؓ کی مثال دیتے ہو کہ وہ بنوامیہ کے سرداروں کے سامنے بلال حبشی کو مقدم رکھتا تھا۔ جناب! ذاتی عزت افزائی کرنا، پرانے اور نظریاتی کارکن کا حق ہے، پر شام کا ملک چلانے کیلئے عمر جیسا فقیہ بھی امیر معاویہ کو بھیجتا ہے، نہ کہ بلال کو۔

محترم! معاف کرنا، وراثتی سیاست کے مرثیے ونوحے کانوں کو بھلے لگتے ہیں، پر ہیں بچگانہ باتیں۔

میں جانتا ہوں، آپ کو اس ظلم کے ماحول کے بدلنے کی اشد تمنا ہے۔ اس معاشرے کو مغربی رنگ نہ تو دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی دینا چاہئے۔ پر ایسے معاشروں کی چند اپنی منفرد خصوصیات ہوا کرتی ہیں۔ جیسے

باہمی ایثار، وفاداری اور وضع داری، ان کو زندہ کرو۔ چاہے دعوت والی جانی قربانی سے یا کسی علمی وفکری تحریک سے ممکن ہو۔ معاشرے کے ہر فرد کو یہ فکری محنت کرنا پڑے گی تاوقتیکہ ایک معتد بہ تعداد، مطلوبہ سوسائٹی کا چہرہ بن کر دکھا دے۔

ایک مخصوص سطح تک یہ محنت کرنے بعد تمہیں، خدا کی طرف سے بہترین لیڈر انعام میں دیئے جائیں گے، چاہے وہ اورنگزیب جیسے متقی یا اکبر جیسے لبرل ہو کر 50 سال تک حکومت کر جائیں یا شیر شاہ سوری کی طرح 5 سال یا عمر بن عبدالعزیز کی طرح ڈھائی سال مگر ہر صورت تمہارا امن ومعیشت سدھار جائیں گے۔ ہاں اگر یہ بنیادی محنت تم نہیں کرنا چاہتے تو پھر لگے رہو، منا بھائی! فوٹو شاپ سے تو کلاچی کو مری بنا سکتے ہو، حقیقت میں نہیں!

مضمون ختم ہوا۔

مگر کہانی ابھی باقی ہے۔ عمران خان اور طاہر القادری نے منہ سے کف اڑاتے ہوئے پاکستان میں نسل در نسل حکمرانی ختم کرنے کو نعرہ زن ہوئے ہیں۔ میڈیا پہ بیٹھی، کٹھ پتلی دانش نے تال میں تال ملائی اور نوجوان، خطیبانہ اداکاری سے مسحور ہونے لگے۔ لیکن میرا خیال ہے یہ ایک نان ایشو ہے۔

اب یہ بچگانہ باتیں چھوڑ دینی چاہئیں کہ کوئی اپنے خاندان کو آگے لا رہا ہے۔ لانے دو بھئی۔ ایک فطری چیز ہے۔ تم اسمبلی میں اپنی کارکردگی دکھاؤ۔ ایک طرف یہ کہا جاتا ہے کہ ہمیں بھٹو اور نہرو جیسے لیڈر درکار ہیں۔ تو کیا اندرا گاندھی اور بے نظیر کو ان کے والد آگے نہیں لائے؟ عمران خان اگر اپنے خاندان کو آگے نہیں لاتا تو اس کی مرضی۔ بعض لوگوں کی نفسیات یہ ہوتی ہیں کہ ساری دنیا کو نوازیں گے مگر اپنے خاندان کو برابری کی سطح پر آتے نہیں دیکھ سکتے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ صرف اپنے کزنز وغیرہ کو آگے نہیں لاتا، ورنہ بہنوں بچوں کے لئے اس کے اصول اور ہیں۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

میں اس میں ایک اضافہ کرتا چلوں، جمعیت علما اسلام سندھ کے سیکرٹری جنرل علامہ ڈاکٹر خالد محمود سومرو کو شہید کر دیا گیا۔ صوبائی جنرل کونسل نے نوجوان راشد محمود سومرو پہ اعتماد کرتے ہوئے انہیں اپنے والد کے جانشین کے طور پہ صوبائی جماعت کا جنرل سیکرٹری چن لیا۔ اور اس کے ساتھ ہی جمعیت کی قیادت نے ان کی سیاسی تربیت بھی شروع کر دی۔

میں سوچتا ہوں کہ ڈاکٹر خالد محمود سومرو جیسے سیاسی ورکر، اپنی ساری زندگی ایک سیاسی جماعت کو دیا کرتے ہیں۔ ان کی کوئی پنشن نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے نظریئے پہ زندگی تج دیا کرتے ہیں۔ اس جدوجہد میں ان کی فیملی لائف تباہ ہو جاتی ہے، بچے اپنے باپ کی توجہ سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ایسا ورکر جب ساری عمر جماعت کو دے کر دنیا سے رخصت ہو اور جماعت اس کی فیملی کو بھول جائے، تو کیا یہ منطقی بات ہے؟

میرا تو خیال ہے کہ ایک اچھی جماعت کو اپنے ورکرز کی فیملی کا خیال ضرور رکھنا چاہئے، ہاں یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ میرٹ بھی ضرور ہو اور باقی ورکرز کی حمایت بھی حاصل ہو تا کہ کسی اور کی حق تلفی نہ ہو۔

اہل تشیع کا ساتھ دینا:

سپاہ صحابہ کے نوجوان، مولانا سے نالاں ہیں کہ انہوں نے اہل تشیع کو ایم ایم اے میں شامل کر کے دوبارہ زندہ کر دیا اور ان کی جدوجہد پہ پانی پھیر دیا۔

حیرت یہ ہے کہ مولانا کی اس مخالفت میں، جو کہ وہ مبینہ طور پر نظریاتی بنیادوں پر کیا کرتے ہیں، وہ مولانا کے ہر اس مخالف کو سپورٹ کرنے پہ تیار ہیں جو چاہے کتنا ہی اہل تشیع کا حامی ہو۔

اب تو اس موضوع پہ زیادہ خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ جھنگ کے بلدیاتی الیکشن میں مولانا احمد لدھیانوی اور فیصل صالح حیات گروپ نے باہمی اتحاد کر کے سپاہ صحابہ کے سارے اصولی موقف زمیں بوس کر دئے ہیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس معاملے پر اپنا ذاتی موقف پیش کروں اس لئے کہ میرے نزدیک پاکستان میں اہل تشیع کا جو عقیدہ ہے، اس کی بناء پر انہیں مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا مگر یہ بھی پیش نظر رہے کہ بحیثیت مجموعی امت نے کبھی ان کو خارج از اسلام بھی قرار نہیں دیا۔

قادیانی حضرات کو غیر مسلم قرار دینے، اہل تشیع سمیت سب سنی جماعتیں ایک ساتھ جدوجہد کرتی رہی ہیں مگر چودہ سو سال میں، اس غیر معمولی اتحاد کے ساتھ، کبھی اہل تشیع کو کافر قرار دینے کی مہم نہیں چلی۔ معلوم ہوتا ہے کوئی ٹیکنیکل مسئلہ ضرور ہے کہ جمہور اسلاف نے اہل تشیع کو کافر قرار نہیں دیا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

جہاں تک بات مولانا فضل الرحمٰن کی ہے تو وہ شروع دن سے اتحاد امت کے داعی ہیں اور شیعہ کا فرمہم سے لاتعلق رہے ہیں، اس کیلئے انہوں نے اپنی سیاسی قربانی دی یعنی مولانا حق نواز جھنگوی کی سیٹ چھوڑ دی مگر مولانا کا مختلف العقیدہ لوگوں سے سیاسی اتحاد، بڑے مقاصد کو سامنے رکھ کر ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایک مشترکہ مقصد کیلئے، گاندھی جیسے ہندو سے بھی اتحاد کیا جاتا رہا ہے اور آپ کے اسلاف کرتے رہے ہیں۔

میرے بچپن کی بات ہے، ایک مولوی صاحب سے کسی نے پوچھا کہ بھٹو کے خلاف آپ بریلویوں سے اتحاد کر رہے ہیں حالانکہ بریلوی کو آپ بددین کہتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ وضو کرنے کیلئے پاک پانی دیکھا جاتا ہے، آگ بجھانے کیلئے نہیں۔

میں بحیثیت سول انجینئر اپنی مثال دیتا ہوں کہ جب ملک میں پروفیشنلز کے حقوق کی بات ہوگی تو میں میکینکل انجنیئرز کے ساتھ کھڑا ہوں گا اور جب صرف سول انجینئرز کا معاملہ آئے گا تو ظاہر ہے کہ اس وقت

صرف اپنی کمیونٹی کے ساتھ ہی کھڑا ہوں گا۔یعنی ہدف کے لحاظ سے اپنا مقام طے کروں گا۔یہ سادہ بات، ہر ایک کو سمجھ لینا چاہئے۔

جمعیت علماء اسلام اہل تشیع کے بارے جو بھی عقیدہ رکھتی ہو، مگر ایک سیکولر جماعت ہونے کے ناطے، سب کے پرامن بقائے باہمی کے حق کو مانتی ہے اور ایک دینی جماعت ہونے کے ناطے، دینی جماعتوں کو ایک دوسرے کا حریف نہیں بلکہ حلیف دیکھنا چاہتی ہے۔اور ظاہر ہے کہ ساجد نقوی، ایک دینی جماعت کی قیادت کر رہے ہیں، چاہے اس کا عقیدہ آپ سے مختلف ہو۔

پس متحدہ مجلس عمل جس کے بنانے میں مولانا فضل الرحمٰن اور قاضی حسین احمد کی کاوشیں شامل ہیں، اس میں اگرچہ شیعہ، بریلوی، دیوبندی سب جمع تھے مگر مولانا نے اپنے بنیادی موقف کو بھی ہمیشہ برقرار رکھا اور اس کے اظہار میں کوئی لگی لپٹی نہیں رکھی۔

اگرچہ مولانا فضل الرحمٰن اور سپاہ صحابہ کی راہیں جدا تھیں، مگر ظاہر ہے کہ جھنگ میں مولانا کا کافی بڑا ووٹ بینک تھا کیونکہ وہاں پہلے الیکشن مولانا کی جماعت نے لڑا تھا۔لیکن سپاہ صحابہؓ کی خاطر مولانا فضل الرحمٰن نے کبھی وہاں سے اپنا امیدوار کھڑا نہیں کیا تا کہ مذہبی ووٹ تقسیم نہ ہوں، ورنہ سپاہ صحابہ کے لئے جھنگ کی سیٹ لینا بہت مشکل ہو جاتا۔اس کے برعکس سپاہ صحابہ نے ہمیشہ مولانا کے خلاف اپنا بندہ کھڑا کیا بلکہ ایم ایم اے دور میں جب مولانا وزارت عظمیٰ کے امیدوار تھے، تب بھی مولانا اعظم طارق نے عالم دین ہونے کے باوجود مولانا کو ووٹ نہیں دیا، جبکہ لبرل عمران خان کا ووٹ مولانا فضل الرحمٰن کے حق میں تھا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

مولانا سمیع الحق صاحب سے بھی مولانا کا اختلاف تھا اور ڈیرہ میں مولانا سمیع الحق کا کوئی ووٹ بنک نہیں، اس کے بالمقابل نوشہرہ کے چاروں طرف مولانا فضل الرحمٰن کا اچھا خاصا ووٹ بینک ہے۔ لیکن اس کے باوجود کہ مولانا سمیع الحق صاحب ہمیشہ مولانا کو ہرانے اپنا ایک بندہ کھڑا کرتے تھے، مولانا فضل الرحمٰن نے کبھی نوشہرہ میں ان کے مقابل بندہ کھڑا نہیں کیا۔

ایم ایم اے کے دور میں اہل تشیع کے رمضان توقیر کو مشیر کا درجہ دیا گیا۔ مولانا کے اس طرز عمل سے ڈیرہ شہر میں نہ صرف خونریزی کم ہوئی بلکہ اہل تشیع جو ڈیرہ چھوڑ چھوڑ کر جا رہے تھے، ان کو بھی امن کا سندیسہ ملا۔

آخری بات یہ کہ مولانا نے کبھی شیعہ اور سنی بنیاد پہ ووٹ نہیں مانگے، نہ ہی اس کی حوصلہ افزائی کی ہے تو سپاہ صحابہ کو مولانا پہ کیا حق ہے کہ ان سے اس بارے باز پرس کریں؟ باز پرس تو اپنے لیڈروں سے کریں جن کا ساری زندگی کا مشن، ایک بلدیاتی سیٹ کی نذر ہو گیا۔

باب سوم: دھاندلی، وارثتی قیادت اور احتساب

ابن الوقتوں کا ایک ٹولہ اٹھا ہے جو پاکستان کے امن کو تباہ کرنے کیلئے، وہ پاپولر اصطلاحات استعمال کر رہا ہے جو عوام میں مقبول ہیں......الیکشن میں دھاندلی ہوئی ہے، نسل در نسل ایک ہی خاندان پاکستان پہ مسلط ہے اور کرپٹ حکمرانوں کا احتساب کرنا ضروری ہے۔

یہ باتیں کانوں کو بھلی لگتی ہیں، ان میں کافی حد تک حقیقت بھی ہے۔ لیکن جو لوگ یہ نعرے لیکر اٹھے ہیں، ان کو دیکھ کر وہی محاورہ یاد آتا ہے کہ چھاج، چھلنی کو بولے تم میں سوراخ ہے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے ان موضوعات پر ایک تفصیلی گفتگو کی جائے تا کہ خیالی دنیا کی بجائے، زمینی حقائق پر نظر جائے۔

دھاندلی: انتخابات میں دھاندلی کیا ہے؟ دھن، دھونس اور دھوکے سے لوگوں کی بے لاگ رائے کو بزور بدلنا۔ ووٹ کی پرچی میں ادل بدل تو انتخابی دھاندلی کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ عوام کے سامنے جانے والے ہر امیدوار کو یکساں مواقع فراہم کئے جاتے لیکن ہوتا یوں ہے کہ عوام کے دل یا شکم ہی نہیں، دماغ سے بھی کھلواڑ کیا جاتا ہے۔ کیا یہ دھاندلی نہیں؟

دل کو "دھونس" سے، شکم کو "دھن" سے اور دماغ کو "دھوکے" سے خریدا، بہکایا یا ڈرایا جائے تو یہ بھی دھاندلی ہوتی ہے جناب۔ "دھونس" صرف جان اور عزت کی ہی نہیں، ایمان کی بھی دی جاتی ہے کہ فلاں کو ووٹ دینا، جنت اور فلاں کو دینا جہنم میں لے جائیگا۔ پہلے گلی کوچوں میں سیاسی جماعتوں کے غنڈے، للکارتے پھرتے تھے اور ان کی گالی گلوچ کے ڈر سے، شریف امیدوار کیلئے کوئی جھنڈا لگانے کو تیار نہ ہوتا۔ آج سوشل میڈیا کی دھونس کی بنا پر کوئی اپنے ضمیر کی آواز بلند نہیں کر سکتا، تو یہ بھی دھاندلی کی ہی شکل ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

"دھن " کا مطلب، ووٹ خریدنا ہی نہیں ہوتا، بلکہ دھن کی بنیاد پر ایک امیدوار کے پاس رسائی کا موقع ہے جبکہ دوسرا اس سے محروم ہے تو کیا جمہوریت میں یہ دھاندلی نہیں؟ ایک وقت تھا کہ ایک امیر امیدوار کے پاس گاڑیوں کا بیڑا ہے، جبکہ دوسرا اس سے محروم ہے۔ آج کل رسائی کیلئے میڈیا ہے۔ اب ایک کے پاس دھن ہے تو میڈیا میں ہر طرف اس کے اشتہار چل رہے ہیں، دوسروں کو دھن نہ ہونے کی وجہ سے پس منظر میں جانا پڑتا ہے تو کیا الیکشن کمیشن نوٹس لے گا کہ سب امیدواروں کو یکساں مواقع ملیں؟

لوگوں کے ذہن دھوکے سے بدلنا بھی تو دھاندلی ہے۔ میڈیا کا ایسے استعمال کرنا کہ کسی کے پلانٹڈ انٹرویو دکھا کر اسے حاضر جواب ثابت کرنا اور دوسرے کو اینکر کے ذریعے، غیر متعلق سوالوں میں الجھا کر، کنفیوز دکھانا۔ یہ بھی تو دھاندلی ہے جناب!

آرمی، ایک جمہوری ادارہ ہے، نہ ہونا چاہیے۔ اسلئے اظہار رائے ایک بنیادی حق ہونے کے باوجود، فوج کے حاضر سروس افسران کو سیاسی تبصروں سے روکا جاتا ہے۔ دیگر قباحتوں کے علاوہ اس میں یہ بھی ہے کہ اگر ایک سینئر افسر کسی امیدوار کی حمایت کا اظہار کرے تو جونیئر بھی پابند ہو جائیں گے (ڈسپلن کا تقاضہ ہے) اب اگر آرمی افسران نے کھلے بندوں کسی پارٹی کیلئے مہم چلائی تو کیا یہ دھاندلی نہیں ہے؟

کیا بنی گالہ میں حاضر سروس لوگ، پریزنٹیشن نہیں دیتے رہے؟

اتنی نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت　　دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بند قبا دیکھ

یہاں جدہ میں ہمارے انڈین ہمسائے الیکٹرانک ووٹنگ کی کرامت بھی بتاتے ہیں کہ کیونکر مسلمان نام کا ووٹ، بدل کر مودی کو جا پڑتا تھا۔ انگوٹھوں کے نشان تو معمولی سی بات ہے، اگر الیکٹرانک ووٹنگ بھی شروع ہو گئی تو بھی "فرشتوں" کو مداخلت سے کوئی نہیں روک سکتا بلکہ شاید ان کا کام زیادہ آسان ہو جائے گا۔ کمپیوٹر سافٹ ویئر بھی انسان ہی بناتے ہیں جناب!

دھاندلی صرف ووٹ کے فنگر پرنٹ سے نہیں ماپی جاسکتی ہے، جناب!

تحریک انصاف کو اوپر لانے کیلئے (جہاں تک لانے کا پیکج تھا) منظم دھاندلی کی گئی، اس دھاندلی میں قوم کے ساتھ جذباتی بلیک میلنگ کا گر بھی استعمال کیا گیا۔ عمران خان خود بھی اعلیٰ درجے کے اداکار ہیں، مگر کہانی کا سکرپٹ لکھنے والوں نے بھی کمال کر دیا۔ کبھی تمیں فٹ کے سٹیج سے وہ چھلانگ لگا کر، اور کبھی کسی کو تھپڑ مار کر، اینگری ینگ مین کا کردار پوز کرتے ہوئے ہیرو پرست قوم کو متاثر کر رہے ہیں۔ مگر کمال کا ڈرامہ الیکشن کی بالکل آخری رات کیا گیا جس کی وجہ سے لاکھوں ووٹ تحریک انصاف کو پڑ گئے - مجھے بہر حال، اس وقوعے پر کچھ اشکالات ہیں۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

یہ الیکشن کمپین بند ہونے کے آخری لمحات تھے۔ لاہور ہی اس ڈرامہ کیلئے موزوں مقام تھا۔ چنانچہ بڑے مناسب وقت پہ عمران خان صاحب لفٹر سے گر کر ہسپتال پہنچ گئے تھے۔ راستے میں جناح ہسپتال پڑتا تھا لیکن وہ سیدھے شوکت خانم ہسپتال کی تیسری منزل پر جا پہنچے جہاں کسی کو جانے کی اجازت نہیں۔ لوگ اور حامد میر کیمروں سمیت ہسپتال کے باہر براجمان ہو گئے۔ اس جذباتی فضاء میں عمران خان ایک ویڈیو بیان ریکارڈ کرواتے ہیں۔ گردن میں پلستر ڈالے دہائی دے رہے ہیں "نوجوانو! میں نے پاکستان پہ جان وار دی ہے، آگے آپ کا کام ہے" لاکھوں ووٹ بڑھانے کو یہی سکرپٹ کافی تھا۔

ایک قومی شخصیت کی زندگی اور موت کا معاملہ تھا، جائے وقوعہ کو سیل کیا جانا چاہئے تھا۔ لفٹر پہ لگے خون کے نمونے لینے ضروری تھے۔ لفٹر آپریٹر سمیت جن لوگوں کے کولہے لگنے سے عمران خان گرے تھے، ان

کے انٹرویو اور سوال وجواب ریکارڈ ہونے چاہئے تھے، وہ لفظ تو قومی اثاثہ بن کر میوزیم میں ہوتا۔

مگر یہاں تو رات گئی، بات گئی۔ نہ ٹیسٹ، رزلٹ نہ ایکسرے۔ بس بند کمرے سے عمران خان کے بیان پہ بیان اور ساتھ پاکستانی ٹی شرٹ میں ملبوس ہسپتال کا ڈایئریکٹر، سبحان اللہ۔

جس طرح نواز شریف کیلئے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اپنے دل کے آپریشن کی پوری تفصیل قوم کے سامنے رکھیں، ویسے ہی عمران خان کے اس وقوعے کو بھی بے نظیر کے وقوعے کی طرح نامکمل تفتیش کے شکار نہیں ہونا چاہئے اور پوری تفصیل سامنے آنا چاہیے، ورنہ ہم اسے ڈرامہ سمجھنے پہ مجبور ہوں گے۔

تو جناب یہ بھی دھاندلی کی ایک زریں اور نایاب قسم ہے، جس سے قوم کو الو بنایا جاتا ہے۔

اس کے باوجود میں عرض کروں گا کہ جو ہوا، سو ہوا۔ سیاسی لیڈروں کو دھاندلی کا ماتم چھوڑ دینا چاہیے۔

لیڈرانِ کرام! عوام پر رحم کرو۔ ان کا کام تھا تم کو ووٹ دینا، دے دیا آگے تمہارا بھی کچھ کام ہے۔ اگر یہ ووٹ ایجنسیوں نے کسی دوسری پارٹی کی خاطر چرایا ہے تو جو گیدڑ سنگھی، اس پارٹی نے استعمال کی ہے تم بھی کرو۔ کیا ساری عمر عوام ہی تمہارے ساتھ سڑکوں پر خوار ہوگی۔ سیاسی بصیرت یا حکمت بھی کوئی چیز ہے۔ خود بھی کچھ کرو نا!

آخر بے نظیر بھٹو کے ساتھ بھی تو بدترین دھاندلی کر کے نواز شریف کو بھاری اکثریت دلائی گئی تھی۔ کیا کوئی یقین کر سکتا ہے کہ قومی اسمبلی میں بے نظیر کے ہوتے ہوئے پیپلز پارٹی کی چند سیٹیں ہوں۔ مگر چونکہ بے نظیر، ایک لیڈر تھی تو اس نے چیخ وپکار اور رونے دھونے پر ٹائم ضائع نہیں کیا بلکہ ایسی گیم کھیلی کہ انہی 10 سیٹیوں کے ساتھ، پانسہ الٹ دیا۔ جو لیڈر 30 سیٹیوں کے ساتھ بھی عوام کو المدد المدد پکارتا رہے، وہ لیڈر کہلانے کا حقدار ہی نہیں ہوتا۔

تحریک انصاف کا پیکج:

موجود جمہوریت کا ایک مخمصہ یہ ہے کہ ووٹ کی اکثریت کی بناء پر حکومت نہیں بنا کرتی۔ مثلاً کسی ملک کی ٹوٹل 10 سیٹیں اور 2 پارٹیاں ہیں۔ ایک پارٹی کے پاس کل امیدوار ہی 6 ہیں، مگر یہ 6 امیدوار صرف 10 ووٹ کے فرق سے پہلے نمبر پر آ گئے۔ اب ووٹ دوسری پارٹی کے زیادہ ہیں، مگر حکومت چھوٹی پارٹی کا حق ہے۔ خیر، یہ جمہوریت چلے گی تو خود کو ٹھیک کرے گی۔

پارٹیوں کو صوبائی پیکج دینے میں، فرشتوں نے جس عرق ریزی سے کام کیا، ہمارے جیسے عام اذہان وہاں تک رسائی نہیں رکھتے۔ مگر اپنی متجسس طبیعت کے ہاتھوں، ایک سراغ میں نے پایا۔

میں آپ کو اپنے صوبائی حلقہ، یعنی ڈیرہ اسماعیل خان سٹی میں 11 مئی 2013ء کے گرم دن کی وارداتیں سناؤں گا۔ ڈیرہ میں مولانا نے بڑی زبردست منصوبہ بندی کی ہوئی تھی، پانچوں صوبائی حلقوں میں اس کا مضبوط پینل تھا۔ ڈیرہ سٹی میں مولانا لطف الرحمٰن امیدوار تھا۔ تقریباً سارے پرانے سیاسی چہرے اس کیساتھ مل چکے تھے۔ بریلوی ووٹوں کی خاطر، گولڑہ اور تونسہ کی گدی نے بھی مولانا کی حمایت کا اعلان کیا تھا میانخیل خاندان سے ذاتی رنجش تھی۔ اس کو تحریک انصاف سے دور رکھنے کیلئے نواز شریف کا ٹکٹ قیصار کو دیا گیا۔ تحریک انصاف کے پاس گویا ایک ہی صوبائی امیدوار تھا، علی امین۔ آپ اندازہ لگائیں، ایک طرف لطف الرحمٰن جو ممکنہ وزیر اعلیٰ پورٹریٹ ہو چکا تھا، دوسری طرف علی امین جیسا غیر معروف لاابالی نوجوان جس کی شہرت ایک کبوتر باز کی تھی۔

مولانا لطف الرحمٰن نے اپنے ایک بااعتماد کارکن، ملک قیوم حسام کے ذریعے بے دریغ ٹرانسفارمر بانٹے تھے، لوگ متاثر تھے۔ ان حالات میں ہمارا خیال تھا، 30 ہزار ووٹ پول ہوں گے، جس میں 20 ہزار مولانا کے اور 6 ہزار علی امین کے ہوں گے (وہ بھی سپاہ صحابہ کی وجہ سے)

اب یوں ہوا کہ الیکشن سے ایک ماہ قبل ملک قیوم حسام آزاد امیدوار کے طور پر مولانا کے مقابل کھڑا ہو گیا۔ کیوں؟ کوئی خاص وجہ بھی نہیں بتا تا تھا۔ تاہم ایک تو وہ غیر اہم تھا، دوسرے مولانا لطف الرحمٰن کا یہ اعتماد تھا کہ وہ قیوم حسام کو گھر کا آدمی سمجھتا تھا کہ جب کہوں گا وہ دستبردار ہو جائے گا۔ ہم یہ سمجھے، یہ مولانا ہی کی کوئی چال ہے۔ ہمارا یہ خیال تھا کہ چونکہ یہ مولانا کے گھر کا حلقہ ہے تو تحریک انصاف کو بدترین شکست دینے کے لئے مولانا ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے۔

اپنے تجسس کے پیش نظر میں نے دو پولنگ سٹیشن ٹارگٹ کیے، جہاں مولانا دھاندلی کر سکتا تھا۔ ایک علی امین کا گڑھ، یعنی محلہ علی زئی اور دوسرا مولانا کا گڑھ یعنی دین پور کا محلہ۔ یاد رہے کہ اس دوران ملک قیوم کو کوئی سیریس نہیں لے رہا تھا (ایجنسیاں آپ کو گلوبٹ کی طرف متوجہ رکھتے ہوئے، اپنا کام دکھاتی ہیں)

خیر پولنگ شروع ہوئی۔ محلہ علیزئی میں یہ تیزی تھی کہ دوپہر تک ہزار سے زیادہ ووٹ پول ہوئے۔ ادھر دین پور میں عجیب صورت حال۔ صبح پتہ چلا، سٹیشن بدل گیا۔ 9 بجے تک پریزائیڈنگ افسر نہیں آیا۔ وہ آیا تو ووٹ کی پرچیاں میسر نہیں تھیں۔ گرمی کے مارے، شٹل کاک برقعے والی عورتیں واپس ہو گئیں۔ دس بجے پولنگ شروع ہوئی تو پولنگ سٹاف، ایک ایک شناختی کارڈ چیک کرنے میں کافی ٹائم لگاتا رہا۔ یہاں ظہر تک ٹوٹل 200 ووٹ پول ہوئے (جب باقی جگہوں سے "اوکے" کی رپورٹ مل گئی تو یہاں بھی

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

تیزی آ گئی، مگر ظاہر کہ علی امین کی لیڈ ہو چکی تھی)

قصہ مختصر! صوبائی نتیجہ یہ تھا کہ آزاد امیدوار (جو چند روز قبل جمعیت کا بندہ تھا) کے 11 ہزار ووٹ، مولانا لطف الرحمٰن کے 12 ہزار اور علی امین کے 13 ہزار ووٹ نکلے۔ یہ واحد سیٹ تھی جو ڈیرہ سے تحریک انصاف کو ملی۔ مجھے کافی حد تک شک ہے کہ مولانا لطف الرحمٰن کو بھی اس پیکج کی پیشگی خبر تھی کہ اس لئے تو وہ دو صوبائی حلقوں سے امیدوار ہوا تھا (دوسرے حلقے سے جیت بھی گیا)

جمہوریت کو انہی دھاندلیوں سے گذر کر آگے بڑھنا ہے۔ چور مچائے شور بھی اسی جمہوری تماشے کا حصہ ہے۔ اس لئے ہر ذی شعور آدمی نے عمران خان کو یہی مشورہ دیا کہ مرکزی حکومت اور صوبائی حکومت کو کام کرنے دے اور خود قومی اسمبلی کی آئین سازی میں حصہ لیں جو آپ کا کام ہے۔ فرض کریں نواز شریف کی اصلی سیٹیں صرف 20 ہیں۔ تو کیا ہوا؟ عمران خان نے ملکی ترقی کے نام پر ایک ایسے حکمران کی بھی پر جوش حمایت کی تھی جس کی ایک سیٹ بھی نہ تھی، تو اب کیوں اتنا واویلا؟ اگر نواز شریف، ملک لوٹ کر لے جائے گا تو عوام پہلے ہی 60 سال سے عادی ہیں، ایک بار پھر سہی۔ مگر کیا عمران کو کرپشن کی فکر ہے؟ میں نہیں سمجھتا، جن چوہدری برادران کی کرپشن کے کاغذات عمران لہرا کر دکھایا کرتا تھا ان کو تو گلے لگایا ہوا ہے۔

مگر لگتا یوں ہے کہ پیکج عطا کرنے والے پاکستان کے آئین میں جو جوہری تبدیلیاں کروانا چاہتے تھے، وہ وفاقی حکومت سے ہی ممکن تھیں نہ کہ صوبائی سے اور عمران خان کو شاید ٹھیکہ اسی کا دیا گیا تھا، جس میں ناکامی پر، مالکان اپنا راس المال واپس بھی لے سکتے تھے۔ شاید اس کنٹریکٹ کو بچانے اور کسی کو کارکردگی دکھانے ہی کیلئے ساری چیخ وپکار ہو رہی ہے ورنہ دھرنے کے دوران کنٹینر پہ کھڑے ہو کر اپنے مستقبل کے فنانس منسٹر کیلئے ایک قادیانی کے نام کا اعلان کرنے کی اور کیا تک تھی؟

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

نسل در نسل حکمرانی:

چھ عشروں سے، اس ملک میں، جمہوریت دشمن ماتم نگاروں نے شام غریباں جمائی ہوئی ہے، یہ بلانوش سیاہ پہ فروش، لباس سے نہیں پہچانے جا سکتے کیونکہ روایتی سیاہ پوش نہیں ہوا کرتے البتہ "سیاہ پاپوش" کے دلدادہ ضرور ہوتے ہیں۔ اپنے عشرت کدوں کے چرمی صوفوں پہ مچلتے عوام کے غمخوار ماتم نگاروں کا تکیہ کلام ہے کہ "سیاست زرداروں کا کھیل ہے، یہ اربوں روپے کا سٹہ صرف کرپشن سے ہی ممکن ہے" یہ آدھا سچ صرف سیاسی لیڈروں کو شیطان ثابت کرنے کا منتر ہے حالانکہ سیاستدان، مالِ حرام سے ہی سہی، مگر بہر حال قریہ و کوچہ کی خاک چھان کر سیاسی پارٹی بناتے ہیں۔ مگر صاحبو! خدا لگتی کہیے، جنرل اسلم بیگ اور

جنرل پرویز مشرف نے ریٹائر ہوتے ہی گھر بیٹھے قومی سیاسی پارٹیاں کیا آبائی جاگیروں کے بل پہ بنا لیں؟ اس ''معجزہ کن فیکون'' پہ سیاپہ فروشوں کا قلم کیوں نہیں اٹھتا؟ یا پھر اس دربار میں فرشتوں کے پر جلتے ہیں؟

عوام کو جمہوریت سے برگشتہ کرنے، ہر مرثیہ کا ٹیپ کا مصرعہ یوں ہوتا ہے ''پاکستان کی ہر سیاسی پارٹی، چند خاندانوں کی نسل در نسل مافیا ہے جو غریب عوام کا خون چوسنے میں مشغول ہیں'' اس سچ نما جھوٹ کو اتنی بار دہرایا گیا ہے کہ عوام کے دل میں راسخ کر دیا گیا، ہمارا آج کا موضوع یہی ہے۔

دیکھئے! پاکستان کی جمہوریت کا مقابلہ، یورپ سے مت کیجئے مگر اپنے پڑوسی ملک سے ضرور کیجئے جسے دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کہا جاتا ہے۔ انڈیا کی سیاست کا تجزیہ کریں تو معلوم ہو کہ ہمارا عوامی شعور، انڈیا سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ وہاں ابھی تک تقسیم کے وقت کی پارٹیاں اور لیڈر مارکیٹ میں ہیں جبکہ یہاں کی نئی نسل دولتانے، گورمانی، ممدوٹ کو جانتی بھی نہیں۔ ہماری ساری موجودہ سیاسی قیادت موجودہ زمانے کی نسل ہے۔ ذرا نام تو لیجئے کہ کونسی جماعت کے لیڈر، نسلوں سے مسلط ہیں؟

سوقیانہ لفظ کی معافی چاہتا ہوں مگر لوہار کا بیٹا، تیسری بار وزیر اعظم بن رہا ہے تو کیا یہ آبائی تسلط ہے؟

سیاپہ فروشوں کو ''بھٹو'' خاندان سے خاص چڑ ہے۔ کیا ان کو نہیں معلوم کہ بھٹو کی نسل کو اژدھے نگل چکے اور زرداری، بھٹو سے الگ ایک خاندان ہے جو صدیوں پرانا جاگیردار بہر حال نہیں ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat

کبھی اسفندیار ولی کو آڑے ہاتھوں لیا جاتا ہے کہ اس بیچارے نے چونکہ باچا خان کے گھر پیدا ہونے کی غلطی کر ہی لی ہے تو اس کا کام صرف کلرکی کرنا ہونا چاہئے نہ کہ لیڈری کرنا۔ کیونکہ اس سے خاندانی حکمرانی کا تاثر پیدا ہوتا ہے۔ کیوں عوام سے حقائق چھپاتے ہو کہ باچا خان نے تو سیاسی پارٹی بنائی ہی نہ تھی) خدائی خدمتگار تنظیم بنائی تھی جو ایک سماجی تنظیم تھی (باچا خان کا بیٹا ولی خان، پہلے جس سیاسی جماعت ''نیپ'' میں شامل تھا اس کا سربراہ شیر باز مزاری تھا۔ مزید اگر ولی خان نے اپنی پارٹی میں اسفندیار کو پہلے سے اپنا ولی عہد نامزد کیا ہوتا تو کیا بیگم نسیم اسے قبضہ گروپ قرار دیتی؟ اسی سے تو ثابت ہوا کہ اسفندیار کو وراثت میں نہیں میرٹ پر پارٹی ملی ہے۔

پھر مولانا فضل الرحمٰن اور مفتی محمودؒ کو نسلی قیادت کے کوسنے دئے جاتے ہیں حالانکہ اجرتی ماتم نگار اچھی طرح جانتے ہیں کہ جمعیت کے امیر حضرت درخواستی صاحبؒ تھے۔ مولانا مفتی محمودؒ تو صرف جنرل سیکرٹری تھے۔ کیا جنرل سیکرٹری وراثت سے بنا کرتے ہیں؟ مفتی صاحب کے بعد شوریٰ نے مولانا فضل الرحمٰن کو جنرل سیکرٹری بنایا تھا نہ کہ امیر۔ کافی عرصہ بطور سیکرٹری رہنے کے بعد وہ مولانا عبد الکریم قریشیؒ کی وفات کے بعد امیر منتخب ہوئے تھے۔ اب فضل الرحمٰن کے بیٹے کے پاس بھلا کون سا پارٹی عہدہ ہے؟

فرض کر لیجئے کہ سیاپہ فروش ٹھیک کہتے ہیں کہ موجودہ جمہوری سیاسی پارٹیوں میں نسل در نسل، اقتدار منتقل ہو رہا ہے تو بھائی! یہ سیاسی جماعت کے کارکنوں کا اندرونی مسئلہ ہے نہ کہ آپکا۔ کسی سیاسی جماعت میں شامل ہونے کیلئے کوئی ویزا ضروری نہیں، نہ ہی نکلنے کیلئے امیگریشن کاؤنٹر ہوتا ہے۔ ہر سیاسی کارکن، اپنی خوشی سے ایک جماعت چنتا ہے، کسی کو کوئی بھی سیاسی جماعت اچھی نہیں لگتی تو پاکستان کے آئین نے اسے الگ سیاسی جماعت بنانے سے روکا نہیں ہے۔

آدھے سچ سے پورا جھوٹ بہتر ہوتا ہے۔ جی ہاں، اس ملک میں نسلی اقتدار بھی چلتا ہے، جنرل ایوب کا بیٹا اور اب پوتا بھی ممبر قومی اسمبلی ہے، جنرل ضیا کا بیٹا بھی اکثر وفاقی وزیر بن جایا کرتا ہے لیکن بھائی تصویر کا یہ رخ دکھانے سے اجرتی ماتم گذاروں کے قلم کانپتے ہیں، دل لرزتے ہیں اور معدہ دہائی دیتا ہے۔

ویسے اس ملک کو خاندانی سیاست کے چنگل سے نکالنے، ماضی قریب میں دو نجات دہندہ نمودار ہوئے تھے، ایک نے کینیڈا سے نازل ہوتے ہی پہلی پریس کانفرنس میں یہ اہتمام ضرور کیا کہ اس کے دونوں فرزند کراماً کاتبین کی طرح کندھوں سے لگے کھڑے رہیں۔ دوسرا بہ منت تمام اپنے سپوتوں کو انگلینڈ سے لا کر، کنٹینر پہ چڑھا لایا تھا۔ چونکہ بچوں کی انگریز ماں کو یہ تماشا منظور نہ تھا، تو ہمارا مسیحا اپنے وسیع بنگلے میں ایک بار پھر تنہائیوں کا شکار ہو کر خاندانی سیاست کو کوسنے لگا۔ قسمت نے یاوری کی، کچھ دن کو بجلی چمکی، چار کتوں کے علاوہ ایک آدم زاد کی ہم نشینی میسر آئی۔ گویا ایک خاندان بنا تو شہنشاہ جہانگیر کے اس شعر کی تصویر بن گئے کہ ہند کو نور جہاں کے گال کے تل اور ایک جام مئے کے بدلے دان کر دیا (یہاں ''ہند'' کی جگہ ''پختونخوا'' ڈال دیجئے (یہ الگ بات کہ نئی ملکہ بھی بوجوہ چھوڑ گئی ورنہ پارٹی بھی اس کے حوالے ہونا تھی)

Fb.com/OfficialJamiat

خاندانی سیاست کو کوسنے والے تیسرے کردار یعنی لال حویلی کے مکین کا تذکرہ نہیں کروں گا جو پنڈی کی ہر چھوٹی بڑی سیٹ پہ اپنے بھتیجے کو نامزد کر دیا کرتا ہے۔ بال بچوں اور کارکنوں سے یکساں محروم، اس عظیم قومی راہنما کی فطرت، نہ نوری ہے نہ ناری بلکہ صرف ''خاکی'' ہے۔

یہاں ایک روحانی نکتے کی طرف اشارہ کروں گا۔ آج کی اس بازاری سیاست میں جب خاص طور پر نون لیگ اور پی ٹی آئی کے شرفاء ایک دوسرے کے راہنماؤں کو نشانہ دشنام بنانا عبادت سمجھتے ہیں، وہیں دونوں پارٹیوں میں بعض مخصوص لیڈر ایسے بھی ہیں جنہیں بہر جانب یکساں احترام حاصل ہے۔ مثلاً نون لیگ کے ہارون اختر اور پی ٹی آئی کے اسد عمر، کیوں؟ شاید اس لئے کہ دونوں کے مرحوم بابا جان، اپنے کندھوں پہ چار ستاروں کا وزن اٹھائے تھے۔ وہی ستارے جن کو زائچہ دان حضرات، مقدر کے

ستارے کہتے ہیں۔اب فرمایئے! کیا واقعی پاکستان میں نسل در نسل حکمرانی چل رہی ہے؟

پاکستان کا جمہوری نظام، آئیڈیل نہ سہی مگر ان گنت مسائل میں پھنسی، بے قابو آبادی کو جمہوری نظام سے بدظن کرنا، نوجوانوں کے اعصاب تباہ کرنے کی سازش ہے۔

یاد رکھیے! پاکستان ہی تو مواقع سے بھرپور سرزمین ہے۔ کسی کی ہمت پر کشا ہو تو آسمان زیر پر لایا جاسکتا ہے، ہمت کے ساتھ کچھ بصیرت بھی میسر ہو اور "ہما" کی سرپرستی مل جائے تو ٹھیکیدار ریاض سے ملک ریاض بننے کا راستہ ہر ایک کیلئے کھلا ہے۔ سیاپہ فروشوں کی طرف دھیان نہ دیجئے، اپنے آپ کو کسی قابل بنایئے۔ آخر اسی ملک میں ہی تو یہ ممکن ہے کہ جھنگ کی میونسپل کمیٹی کے کلرک کا بیٹا، کینیڈا سے پاکستان نامی ریاست کو بچانے، طیارہ چارٹر کرکے آتا ہے اور میانوالی کے ایک معمولی زراعت افسر کا بیٹا، دن دھاڑے 20 کروڑ عوام کی پارلیمنٹ پر دھاوا بول دیتا ہے۔

آخری بات، اس ملک کے نوجوانوں سے کہوں گا اس ملک کا۔ جاگیردار طبقہ، صنعتکار طبقے سیاسی دن پیچھے رہ گیا تھا جب پہلی شوگر مل نے گنے کے ریٹ طے کئے تھے۔ آج صنعتکار طبقہ بھی اپنی بلا شرکت غیرے حیثیت کھو کر پروفیشنل نوجوانوں کا مرہون منت ہو چکا ہے کہ آئی ٹی ایکسپرٹ کے بغیر فیکٹری نہیں چلائی جاسکتی۔ اس وقت اس ملک کو وی آئی پی طبقہ، تعلیم یافتہ اور ہنرمند نوجوان ہیں، جن سے کسی طور صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

سیاپہ فروشوں کے مرثیوں پر توجہ دینے کی بجائے اپنی ذاتی صلاحیتوں کو ترقی دیجئے، یقین رکھیے، صرف یہی ملک ہے جو باصلاحیت اور پرعزم نوجوانوں کے لئے دنیا میں جنت ہے۔

Fb.com/Official.Jamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

احتساب......!!!:

اب اگلی بات یہ کہ میں احتساب نامی ڈرامے کے حق میں نہیں ہوں کیونکہ پاکستان کی حکومت اور اپوزیشن، احتساب کرنا چاہتی ہی نہیں، یہ جو "جوائنٹ انویسٹی گیشن کمیٹی" بنانے کے ڈول ڈالے جاتے ہیں، کس کو بیوقوف بنانے؟ آپ خود سوچئے کہ اسحٰق ڈار نے اگر کہا تھا کہ نواز شریف نے منی لانڈرنگ کی تھی تو اسے جبری اعتراف قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح جاوید ہاشمی نے اگر کہا تھا کہ عمران خان جرنیلوں کے سہارے جمہوریت کی بساط لپیٹنا چاہتا تھا تو اسے الزام قرار دیا جاسکتا ہے۔

مگر پرویز مشرف نے تو خود اپنی کتاب میں لکھا کہ ہم نے کئی پاکستانی امریکہ کے حوالے کئے جن کے بدلے ڈالر لئے۔ خدا کے بندو! ان پاکستانیوں کے بھی تو ماں باپ بیوی بچے ہوں گے جن کی آہیں سننے والا

کوئی نہیں۔ اس آدمی کے بیان حلفی پر اگر کوئی "جے آئی ٹی" نہیں بنتی تو ہمیں "ان کی مجبوریوں کا اندازہ ہے مگر سوشل میڈیا کے وطن دوست، غریبوں کے ہمدرد، پڑھے لکھے انقلابیوں کے منہ پر کیوں تالے لگے ہیں؟

پاکستان میں اگر احتساب کرنا ضروری ہی ٹھہرے تو پہلا سوال یہی ہوگا کہ شروعات کہاں سے کی جائیں؟

آیئے اس پہ سوچتے ہیں:

عوام کا پیسہ فلاں فلاں نے لوٹا۔ یہ خبر سب سے پہلے کون دیتا ہے؟ ظاہر ہے کہ میڈیا۔

تو پہلے میڈیا کو قابل اعتماد بنائیں کیونکہ اس نے عوام کی ذہن سازی کرنا ہے۔ یہاں صفائی ہوگی تو خبر کا وزن بنے گا اور عوامی پریشر میں بھی اضافہ ہوگا۔

اس لئے میرے خیال میں سب سے پہلے صحافیوں، تجزیہ کاروں اور اینکروں کا احتساب ہو۔ یہ کل درجن بھر لوگ ہیں، ان کا معیار زندگی، ذرائع آمدنی اور ٹیکس کا پتہ کرنے دو ہفتے کافی ہیں۔

یہاں تک تو شاید آپ میرے ساتھ متفق ہوں۔

اب اگلا سوال کہ ان کا احتساب کون سا پاک ادارہ کرے گا جس کے تفتیشی نتائج پہ قوم کو اعتماد ہو؟

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

مزید یہ کہ جب تک ان کا معاملہ صاف نہیں ہوتا، اس دوران قوم کو اس کارروائی سے لحہ بہ لحہ آگاہ رکھنے، کون سا دانشور بمع بیک میوزک کے دستیاب ہوگا؟ اور اس کارروائی پر گردن کی رگیں پھلائے، "حقیقی" تجزیے کون کرے گا؟...... یہیں پانی مرتا ہے۔

لہٰذا اپنا اور قوم کا وقت، انرجی اور پیسہ ضائع کرنے کی بجائے، پارلیمانی نظام کو چلنے دو۔ احتجاج کرو، دھرنے دو، مگر پارلیمنٹ میں قانون سازی کو بھی وقت دو تا کہ ملک کی گاڑی آگے چلے۔

زرداری نے تو پھر بھی کچھ قانون سازی کر لی تھی، اس پارلیمنٹ میں تو تین سال بعد یہی طے ہوا کہ چلو پارلمنٹ جعلی نہیں ہے، مگر حکمران ابھی تک جعلی ہے، قانون سازی کون کرے گا؟

جہاں تک میرے ناقص ذہن کا تعلق ہے تو میں تو کرپشن کے احتساب نہیں، بلکہ اس کے سد باب کا حامی ہوں۔ میرا موقف بھی سنتے جایئے۔

احتساب نہیں، سد باب کیجئے، حضور!

چھوٹا منہ بڑی بات سہی، مگر یہ عاجز پاکستان کے اصل پالیسی سازوں سے عرض گذار ہے کہ اگر آپ اس ملک کی ترقی چاہتے ہیں تو فی الحال احتساب کا معاملہ بند کر دیجئے۔

سب جانتے ہیں کہ اس ملک کے اصل پالیسی ساز، زرداری یا نواز شریف جیسے لوگ نہیں۔ جو شخص خود

وزیراعظم ہوتے ہوئے بھی یہ پوچھنے کی جرائیت نہیں کر پاتا کہ اسے ہتھکڑی پہنا کر جہاز کی سیٹ سے کیوں کر باندھا گیا تھا؟ یاوہ جو صدر پاکستان ہوتے ہوئے بھی اپنی بیوی کے قتل کی تفتیش کے لئے سکاٹ لینڈیارڈ کو بلانے کا مجاز نہیں ٹھہراتھا۔ ان لوگوں کو کون پالیسی ساز مانتا ہے بھائی۔ اصل پالیسی ساز تو وہ ایمپائر ہے جس کی انگلی کے آسرے پر "ایاک نعبدوایاک نستعین" فیم لیڈر نے ایڈونچر کیا تھا۔

جناب عالی! ہمیں احتساب کے ناٹک سے خوف آتا ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ تو یہ کہ قوم کو احتساب کرنے والوں کی نیت پر اعتبار نہیں۔ عوامی سرگوشیوں پہ جائیں تو جس ادارے کو پوری دنیا میں بالادست طبقات (یعنی جاگیرداروں اور سرمایہ داروں) کا آخری محافظ گردانا جاتا ہے، اسے ہمارے عوام ان مذکورہ طبقات کا بھی مائی باپ سمجھتے ہیں۔

اور یہ صورتحال میڈیا پر بے اعتباری سے پیدا ہوئی۔ عوام سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں بے لاگ احتساب کے دردزہ میں مبتلا میڈیا کو، صرف سیاست دانوں کے منہ پہ کالک ملنے کے لئے بارآور کیا گیا ہے۔

آپ اسلحہ سکینڈل کو ہی لے لیں۔ بحریہ کے ایک ایڈمرل نے آبدوزوں کی خریداری میں تن تنہا 12 ارب کی کرپشن کی ہے، مگر ہمارا میڈیا اے این پی کی پولیس اسلحہ میں ایک ارب کرپشن کا ماتم جاری رکھے گا۔ اسی طرح کچھ پراسرار قوتوں کے بھونپو، اس بات پر پیپلز پارٹی کا بینڈ بجاتے رہیں گے کہ انہوں نے 8 ہزار خاندانوں کو بلاوجہ پی آئی اے میں روزگار دے کر قومی خزانے کو 5 سال میں 15 ارب روپے کا ٹیکہ لگادیا۔ البتہ نسیان کی وجہ سے ان تین جرنیلوں کا نام نہیں لیں گے جنہوں نے ریلوے سکینڈل میں 15 ارب روپے ڈکار لئے تھے۔

دیکھئے! اگر کوئی احتساب کرنے میں مخلص ہو تو اس کے لئے شرلاک ہومز درکار نہیں۔ احقر ایک بہت آسان سا ٹسٹ پیش کرتا ہے کہ ذرا عوام کو گذشتہ 30 سال کے دورانیے میں درج ذیل تین فہرستیں پیش کر کے دکھائیں۔ ان فہرستوں کے لئے صرف ائیرپورٹ اور سی ڈی اے سے رابطہ کرنا ہوگا۔

ایک فہرست ان لوگوں کی جن کی اسلام آباد میں دو کنال کی کوٹھی ہے یا وہ اس میں 30 سال سے قیام پذیر ہیں (کیونکہ کاغذی مالک ان کا خاندانی نوکر بھی ہو سکتا ہے) دوسری فہرست ان کی جن کے بچے اس عرصہ میں بیرون ملک کی پرائیوٹ یونیورسٹیوں سے پروفیشنل ڈگریاں لے کر آئے ہیں۔ تیسری فہرست ان لوگوں کی جو اس دوران کم از کم 5 بار، فیملی کے ساتھ یورپی ممالک گئے ہیں۔ چاہے سیر کے لئے ہوں یا علاج کے نام پر یا سیمینار وغیرہ کے نام پر۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

آپ کو حیرت ہوگی کہ اس فہرست میں پٹواری، تھانیدار اور کسٹم کلرک قبیل کے لوگ تو ہوں گے، مگر سیاست دان آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہوں گے۔ مانا کہ اس پارلیمنٹ میں بھی چور بیٹھے ہیں مگر ان سے بڑے چور باہر آزاد پھر رہے ہیں۔

قوم کی پہلی نصف زندگی، نظام مصطفیٰ ﷺ کے سراب میں راندہ ہوئی، اور دوسری نصف احتساب کی سرخ بتی کے تعاقب میں خوار ہو رہی ہے۔ اب تو یہ یوں لگتا ہے کہ وقتاً فوقتاً کھیلا جانے والا احتساب کا ڈرامہ، صرف بڑے مگرمچھوں کو قانونی اور باعزت رہائی دلانے کے لئے کھیلا جاتا ہے۔ اپنے ایڈمرل منصور الحق کی مثال ہی لے لیں۔ موصوف نے نیوی کے پورے عملے کی تین برس کی تنخواہ کے برابر غبن کیا مگر اس سے صرف 6 کروڑ روپے لے کر ہر جرم سے بری کر دیا گیا۔ ستم یہ ہے کہ اس ناٹک کے دوران ملزم کے پیچھے امریکہ جانے والی ٹیم کے کلچھروں اور وکیلوں کی فیس کی مد میں عوام کے ٹیکسوں سے مزید 6 کروڑ خرچ ہو چکے ہوں گے۔ عوام کو تو آم بھی چوسنے کو نہ ملا۔

دوسری وجہ جس کی بنا پر میں احتساب کے بھاری پتھر کو اٹھانے سے منع کرتا ہوں، یہ ہے کہ حال کی گھڑی میں یہ ناممکن سا عمل لگتا ہے۔ بے لاگ احتساب کی راہ میں حائل چھ مشکلات بطور نمونہ عرض کر دیتا ہوں۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/UrAnswersBack

پہلی مشکل یہ کہ اگر بے لاگ احتساب شروع کریں تو پہلے کس طبقے سے شروع کریں؟ یہ ایک سوالیہ نشان ہے۔ بالادست طبقات، ایک دوسرے کی جانبداری سے خوفزدہ ہیں اور ہر طبقہ چاہتا ہے کہ پہلے دوسرے طبقے کا احتساب شروع ہو۔ مثلاً سول بیوروکریٹ کا شکوہ کہ آرمی والے کونسا دودھ کے دھلے ہیں؟ ان سے ابتداء کیوں نہیں کرتے۔ جاگیردار، کہتے ہیں صنعت کاروں سے شروع کرو، وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ بیک وقت، ساری قوم کا احتساب ممکن نہیں۔

دوسری مشکل یہ کہ مالی کرپشن کا وہ پودا جس کا بیج حضرت ضیاء الحق کے دور سے مفت کے امریکی ڈالروں کی برکت سے کاشت ہوا تھا، اب ایک تناور درخت بن چکا ہے۔ ایسے ایسے جج، جرنیل اور بیوروکریٹ بھی کسی نہ کسی طور مالی کرپشن میں ملوث رہے ہیں جن کی سوسائٹی کے لئے دوسری پروفیشنل خدمات بھی بہر حال ایک قابل احترام حقیقت ہے۔ اب ایسوں کو ننگا کرنے سے، سوسائٹی میں ایک انتشار پیدا ہوگا ڈاکٹر عبدالقدیر کی مثال ہی لے لیں۔

تیسری مشکل یہ کہ اگر کسی ایک ادارے کا بھی احتساب کیا جائے تو چھوٹے کرپٹ کو پہلے پکڑیں یا بڑے کو؟ دونوں صورتوں میں انتشار ہے۔ مثلاً چمن بارڈر سے ایک کرنل گاڑی سمگل کروا کر سوات پہنچاتا ہے۔ اگر اس کو پہلے پکڑیں تو یہ واویلا کرے گا کہ میں نے تو صرف گاڑی اسمگل کی ہے، جبکہ جرنیل نے نیٹو

کا پورا کنٹینر کھالیا۔ اگر جرنیل کو پکڑیں تو عام آرمی میں اپنے سینئر کے خلاف نفرت اور حقارت کے جذبات بھڑک سکتے ہیں جو ادارے کی مکمل تباہی کا سامان ہو سکتا ہے۔

چوتھی مشکل یہ کہ احتساب کی کہانی زرداری یا نواز شریف پہ نہیں رکے گی، بلکہ پچھلی نسل تک جائے گی۔ پھر پرانی کھاتا کھولی تو شاید نتیجہ من پسند نہ نکلے۔ اس لئے کہ ان دو بدنام لیڈروں کے والدین، جاگیردار یا صنعت کار تھے مگر اپنے اسد عمر، جہانگیر ترین، عمران خان وغیرہ کے والدین تو سرکاری ملازمین تھے۔ چند برسوں میں چاند کو چھوتا لائف سٹائل کس برتے پہ نصیب ہو گیا۔ اس کا جواب زرداری اور نواز شریف کے لئے اتنا مشکل نہیں ہو گا مگر، خیر۔

پانچویں مشکل یہ ہے کہ کسی بھی ادارے میں کرپشن کرنے والوں کی ایک پوری ٹیم ہوتی ہے، اگر آپ شفافیت سے کھرا ناپتے چلے جائیں گے تو ہر ادارے میں کم و بیش 50 فیصد ملازمین، چھوٹی بڑی کرپشن میں ملوث نکلیں اور اتنی بڑی تعداد میں ملازمین کو گھر بٹھانے سے پوری ملکی مشینری کا ایک دم بھٹہ بیٹھ جائے گا۔

چھٹی وجہ یہ کہ جن لوگوں نے کبھی بڑی کرپشن کی تھی تو اب اس سرمائے کے تین حصے ہو چکے ہیں۔ ایک حصہ تو عیاشی پہ اڑایا جا چکا ہے کہ مال حرام، جیسے آتا ہے ویسے ہی جاتا ہے۔ اب یہ تو برآمد ہونے سے رہا۔ مال حرام کا دوسرا حصہ، شاید کاروبار وغیرہ میں لگایا گیا ہو (جس میں ناتجربہ کاری اور لاپرواہی کی بناء پر اکثر نقصان ہی اٹھایا جاتا ہے) بہر طور کاروبار میں کی گئی سرمایہ کاری، کسی طور سوسائٹی کے افراد میں واپس تقسیم ہو گئی، سمجھ لیں بہتر ہو گیا۔ مگر اب یہ واپس لینا چاہیں تو بھی اس کا کوئی امکان نہیں۔ کرپشن کا تیسرا حصہ جائیداد اور بنک بیلنس کی صورت محفوظ ہوتا ہے، جسے آپ احتساب کے نام پر ضبط کر سکتے ہیں۔ مگر بھائی، اب یہی مجرم کی بقاء کا کل سامان ہوتا ہے۔ آپ اگر آپ یہ واپس ضبط کرنا چاہتے ہیں تو وہ آدمی یہ ساری دولت، وکیلوں کی فیس میں لگا دے گا، مگر آپ کو نہیں دے گا۔ جبکہ اس کے مقابل حکومت کو بھی اتنا ہی خرچہ وکیلوں پہ کرنا پڑے گا جو کہ عوام کی جیب سے نکلے گا۔ زیادہ سے زیادہ، آپ اس کو جیل میں ڈال سکتے ہیں، مگر لوٹے گئے سرمایہ کا 10 فیصد بھی واپس نہیں آئے گا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

یہ اور اس کے علاوہ کئی مزید عملی وجوہات ہیں جو احتساب کو گورکھ دھندہ بنا دیں گی۔

لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ''ایک زرداری، سب پہ بھاری'' نے اب آپ کو حقیقی احتساب کے قابل چھوڑا ہی نہیں۔ شنید یہ ہے کہ ہمارے اصلی خیر خواہ ملک کے اندر زرداری کے خلاف ثبوت اکٹھے کرتے رہے اور ادھر سندھی مانڑوا ایسی فائلیں ساتھ لے گیا جن کی بناء پر عالمی عدالت میں مقدمہ چل سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب ڈاکٹر عاصم کیس ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے والا قصہ بن چکا ہے۔

حضور والا! کرپشن اور اس کے احتساب کے ضمن میں ایک مشکل یہ بھی ہے کہ آپ کے بقراطوں کے ہاں الفاظ و معانی کے پہناوے ہی نہیں، چہرے بھی بدل جایا کرتے ہیں۔ اس لئے قوم ابھی تک ابہام کا شکار ہے کہ کرپشن ہوتی کیا چیز ہے؟

یادش بخیر! جس دور میں ہم انجینئرنگ یونیورسٹی پشاور میں داخل ہوئے تو اس زمانے میں پاکستان میں نہ تو پرائیوٹ پروفیشنل یونیورسٹیاں ہوتی تھیں اور نہ ہی سیلف فنانس سکیم کے تحت داخلے ہوتے تھے۔ (قبائلی کوٹہ البتہ ہوا کرتا تھا)

ہمارا ایک دوست چند نمبروں کی کمی سے داخلہ سے رہ گیا تھا۔ چنانچہ اگلے سال 50 ہزار روپے کی رشوت دے کر گھر بیٹھے ریاضی کا پرچہ حل کیا اور داخلہ لے لیا۔ دوست اسے کرپٹ ایڈمشن کہتے تھے۔ دو سال بعد، یونیورسٹی نے سیلف فنانس کی سیٹوں کا بھی کوٹہ متعارف کرادیا۔ یعنی جس کے نمبر میرٹ سے کم ہوں، وہ دو لاکھ روپے دے کر سیٹ حاصل کرسکتا ہے۔

ہمارا دوست کہتا تھا کہ اگر میں نے پیسے لگائے تو یہ کرپشن تھی اور یونیورسٹی پیسے لے کر داخلہ دے تو جائز ہوگیا؟ یہی حال، نیب کی پلی بارگین کا ہے۔ پہلے کسی نے حکومتی اہلکار کو رشوت یا کمیشن کھلا کر مال بنایا۔ پھر پلی بارگین کرکے (گویا کچھ مزید کمیشن یا رشوت دے کر) اسے حلال کرلیا۔

کرپشن کیا ہے؟ ایک لفظ ہی تو ہے اور آپ کی حجازی لغت کے قربان، الفاظ تو آپ کے گھر کی کنیزیں ہیں۔ ہم کوتاہ فہم تو گذشتہ 60 سال میں اتنا ہی سمجھ پائے کہ ہمارے اعمال نامے کی ہر تیرگی، آپ کی زلف میں پہنچ کر حسن بن جایا کرتی ہے۔ طوالت کی بناء پر بس اشارہ کافی ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

مختصر عرض کرتا ہوں کہ حضور، بس احتساب کو رہنے ہی دیجئے۔ راستہ چلتے، ایکسیڈنٹ ہوجائے یا ڈاکو پڑ جائیں اور آپ اسی جگہ بیٹھ کر سیاپا کرتے رہیں تو پھر پہنچ چکے منزل کو۔ چوہدری صاحب کا مشہور مقولہ سامنے رکھئے کہ: ”جو ہو چکا، اس پہ مٹی پا“۔

مکہ فتح ہوچکا، صحابہ جو گھر چھوڑ کر جاچکے تھے ان کو واگزار کرانا ان کا حق تھا۔ مگر سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ: پچھلی باتیں سب بھول جاؤ اور اب آگے بڑھو۔ ایسے ہی تو قومیں اٹھا کرتی ہیں جیسے جاپان اٹھا ہے جبکہ بنگلہ دیش ابھی تک پھانسیوں پہ ہی اٹکا ہوا ہے۔

میری تجویز یہ ہے کہ اب ملک میں سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے، آئندہ کرپشن کی روک تھام کا بندوبست کیا جائے۔ خدا نے چاہا تو جلد ہی قوم کا نقصان بھی پورا ہوجائے گا۔

جناب والا! اس درماندہ قوم کے حق میں اگر کوئی خیر خواہی کی رمق آپ کے دل میں باقی ہے تو نی

الحال، کرپشن کے سدباب کا نظام بنایے۔

مجھ ناقص العقل سے قطع نظر، ایک سے بڑھ کر ایک دانشور ہیرا قوم میں موجود ہے جو آپ کو کرپشن کے سدباب کے باب میں فکری توشہ فراہم کر سکتا ہے، لیکن سو باتوں کی ایک بات کہ یہی پارلیمنٹ ہی کرپشن کا راستہ روک سکتی ہے۔ جی ہاں، یہی کرپٹ، نااہل اور دھاندلی زدہ پارلیمنٹ آپ کے ملک کو ترقی کی راہ پہ گامزن کر سکتی ہے اگر آپ تین کام کر لیں۔

پہلا کام یہ کیجئے کہ آئین میں جن اداروں کو جو اختیارات دئے گئے، ان کی بلاتعصب پشت پناہی کیجئے تاکہ کوئی مافیا ان کو دھرنے جلسے کے زور پر اور کوئی حکومت ان کو نوکر شاہی کی مکاری سے بے بس نہ کر سکے۔

دوسرے یہ کہ اپنی ایجنسیوں کو ان کے اپنے کام پہ لگایئے تاکہ جب اخبار میں یہ خبر لگے کہ ماڈل آیان علی منی لانڈرنگ کا 86 واں دورہ کر رہی تھی تو عوام یہ نہ پوچھیں کہ اس کے پچھلے 85 دورے، ہماری 26 ایجنسیوں سے کیوں اوجھل رہے؟۔

تیسرا کام یہ کیجئے کہ اس لنگڑی لولی جمہوریت کو چلنے دیجئے۔

آپ نے اس پارلیمنٹ کے حواس معطل کر رکھے ہیں۔ احتساب کے نام پہ بلیک میلنگ کی فائلیں اور اس پہ مستزاد، کٹھ پتلی میڈیا کو ان کے سر پہ سوار کر رکھا ہے۔ آپ ذرا ان کو دم لینے دیجئے۔ عارضی طور ہی سہی، ان کے پرانے کھاتے کسی طور بند کیجئے۔ اداروں کو حقیقی آزادی دیں۔ آپ دیکھیں گے کہ آپ کے کہے بنا میڈیا اور عوام یکجا ہو جائیں گے اور یہی پارلیمنٹ، ہر قسم کی فلاحی قانون سازی پہ مجبور ہو جائے گی۔

آپ ذرا جمہوریت کو موقع تو دیجئے حضور ! شاید کہ وقت کے ساتھ ساتھ، پرانا مال بھی برآمد ہو جائے

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIFollowersPak

مضمون ختم ہوا۔

لوگوں کو باور کرایا گیا ہے کہ سیاستدان کرپٹ ہوتے ہیں۔ مگر ایک بین الاقوامی مسلمہ اصول ہے کہ ہر انسان بے گناہ سمجھا جائے گا جب تک عدالت میں ثابت نہ ہو جائے۔ اس اصول کو نہ صرف ان پڑھ اور جاہل عوام بلکہ خود کو تعلیم یافتہ کہنے والے بھی، ماننے کو تیار نہیں۔ اور مزید یہ کہ اگر کہا جائے کہ نہ ماننے کی صورت میں کیا کیا جائے؟ تو فرمان ہوتا ہے کہ ان سب کو گولی مار دو۔ میرے ایک عزیز بھی اسی سوچ کے حامل ہیں۔ ان سے ایک مکالمہ ہوا تھا، جس کے بعد ذیل کی تحریر لکھی تھی:

انگریز کا بچہ حرامی نہیں ہوتا، سائیں!

ہم تو ٹھہرے ڈیرہ کے پینڈو، مگر موصوف تو برٹش نیشنل ہونے کے علاوہ بیرسٹر بھی کہلاتے ہیں۔ جب

آدھا گھنٹہ کے سیاسی لیکچر میں درجن بار "چور زرداری" کہہ چکے تو ہم نے عرض کیا کہ جناب! آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ زرداری چور ہے؟ کسی عدالت سے وہ چور ٹھہرایا نہیں گیا اور آپ نبی تو ہیں نہیں کہ صرف آپ کے فرمان پر ایمان لایا جائے۔

حیرت سے ان کا منہ کھل گیا۔ زرداری کا دفاع اور وہ بھی ایک داڑھی والے کی طرف سے......!!!

افسوس سے فرمایا: "سلیم صاحب، آپ سے ایسی امید نہیں تھی کہ آپ ایک لٹیرے کی حمایت کریں گے۔ آپ ثبوت مانگتے ہیں، کیا یہ ثبوت کم ہے کہ چیف جسٹس کے بار بار کہنے پر، اس نے سوئس حکام کو خط نہیں لکھنے دیا تھا، چاہے اس کے وزیر اعظم کی نوکری چلی گئی؟"

ان کے اس "عظیم الشان ثبوت" پر میں ہکا بکا رہ گیا۔

عرض کیا: "جس بات پر زرداری کو سلام کرنا چاہئے تھا، اس بات کو آپ اس کی چوری کا ثبوت بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ بھائی صاحب! آپ کا کیا خیال ہے کہ نواز شریف اور مشرف کی 20 سال تک تفتیش بھگتنے والا، چوہدری افتخار کے خط سے ڈر گیا تھا؟ پھر یہ بتایئے کہ راجہ پرویز اشرف نے تو خط لکھ دیا تھا۔ اس بات کو بھی 5 سال ہو گئے تو پھر کیا قیامت آ گئی؟"

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

میں نے کہا: "آصف زرداری نے آئین پاکستان اور عدالت کی حرمت بحال کی ہے۔ آئین، صدر کی کرسی کو استثناء دیتا ہے اور وہ یہ آئینی حق، چیف جسٹس کی انا کی بھینٹ چڑھانے پر راضی نہیں تھا۔ آج وہ صدر نہیں رہا لیکن وہی سپریم کورٹ موجود ہے۔ دس خط لکھ دیجئے۔ پھر افتخار چوہدری نے اس کے وزیر اعظم کی چھٹی کرا دی۔ چوہدری کے اس فیصلے پر دنیا بھر کی عدالتوں نے چوہدری کا مضحکہ اڑایا، لیکن آصف زرداری نے چیف جسٹس کا یہ بدنیتی والا حکم قبول کر کے، اس ادارے کی تکریم کی رسم ڈالی۔ ورنہ نواز شریف اگر چیف جسٹس سجاد علی شاہ کے خلاف گیم کھیل کر اسے بے دست و پا بنا سکتا تھا تو کیا زرداری اس سے کم شاطر تھا، جبکہ وہ خود ہی صدر تھا"

کہنے لگے: "آپ کو خوب معلوم ہے کہ زرداری چور ہے، مگر پاکستان کی عدالتوں میں انگریز کا قانون ہے جس سے کچھ ثابت نہیں ہو سکتا۔ اے کاش، یہاں اسلامی عدالت ہوتی تو صرف ایک سوال پوچھتی کہ تمہارا طرز زندگی، تمہارے ذرائع آمدن کے مطابق کیوں نہیں؟ کوئی بھی چور بچنے نہ پاتا"

عرض کیا: حضور! بدلئے اس نظام کو۔ اسلامی نظام کی جدوجہد میں آپ کے ساتھ ہوں۔ جس دن اسلامی عدالت بن گئی اور اس عدالت نے زرداری کو چور کہا، میں بھی کہوں گا۔ جب تک وہ عدالت نہیں

بنتی، تو ظاہر ہے کہ موجودہ عدالت کی رولنگ پر ہی چور یا امین کا فیصلہ کیا جائے گا"

میں نے کہا: "انگریز کے بچے کو حرامی نہیں کہا کرتے۔ ہاں، انگریز مسلمان ہو جائے اور پھر شادی بغیر بچہ پیدا کرے تو اس بچہ کو حرامی کہتے ہیں۔

ایک اور پہلو بھی قابل توجہ ہے:

نواز شریف پر الزام ہے اس نے پاکستانی عوام کے ٹیکسوں سے رقم چوری کی، جبکہ عمران خان پر الزام ہے کہ شوکت خانم ہسپتال میں پاکستانی عوام کے چندے میں ہیرا پھیری کی گئی۔ یوں تو سب چاہیں گے کہ دونوں الزامات کی شفاف تحقیق کی جائے مگر میرا خیال ہے کہ پہلے ہسپتال کا ایشو توجہ طلب ہے۔

دیکھئے! نواز شریف کا نقصان، اس کا ذاتی نقصان ہے، وہ ہٹ جائے گا، جیل جائے گا۔ کچھ رقم واپس آجائے گی، یہ معمول کی باتیں ہیں۔ پاکستان چلتا رہے گا۔ لیکن اگر شوکت خانم کینسر ہسپتال بند ہو جائے تو یہ قوم کا ایسا نقصان ہے جس کا ازالہ مشکل ہے۔

اگرچہ ہماری" بدکردار جمہوری حکومتیں" ہمیشہ فلاحی اداروں کی سیاسی وابستگی سے بالاتر ہو کر پشت پناہی کیا کرتی ہیں جیسے اے این پی کی حکومت نے پشاور شوکت خانم ہسپتال کو زمین اور مالی امداد دی، لیکن خود عمران خان کا کہنا ہے کہ اس ہسپتال کے وسیع اخراجات کروڑوں کے سالانہ چندہ سے ہی پورے ہوتے ہیں۔ یعنی آج کل اگر کوئی مالی کرپشن ہوتی ہے تو چندے سے یہ کمی پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن کل اگر عمران خان نہ رہا تو چندے سے ہسپتال کا چلنا بھی ممکن نہ ہوگا کیونکہ چندہ مانگنے کی خداداد صفات اور وہی طریقے، ہر کسی کو عطا نہیں ہوا کرتے۔ اس لئے ہسپتال کا نظام درست ہونا بہت ضروری ہے۔

پس میرا خیال ہے کہ ہسپتال کے چندے میں مالی گڑبڑ کی تحقیق، پانامہ سکنڈل کی تحقیق سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ اب یہ تفتیش کون کرے؟ خود عمران خان کو تو یہ کام سونپنا بے وقوفی ہوگا۔ کیونکہ جسٹس وجیہہ الدین، جنرل حامد خان اور اب تسنیم نورانی نے احتساب جیسے کاموں میں کپتان کی معذوری یا بدنیتی آشکار کر دی ہے۔ البتہ عمران خان نے قومی اسمبلی میں یہ کہا ہے کہ: "ہسپتال میں مالی کرپشن کی تحقیق کرنا، میرا نہیں بلکہ حکومت کا کام ہے" درست فرمایا۔ اب چونکہ یہ چور حکومت، اپنی یہ ذمہ داری نہیں ادا کر رہی تو اس کے خلاف عمران خان کو دھرنا دینا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ ایسا دھرنا نہ صرف اس پراجیکٹ کے لئے بہتر ہوگا بلکہ خود عمران خان کی اخلاقی ساکھ بھی بڑھے گی۔

مثلاً عمران خان، حکومت کو فکس ٹائم دیں کہ چیف جسٹس کی زیر نگرانی ایک کمیشن بنایا جائے جو دو ہفتے

میں ہسپتال کے چندے اور اگلے دو ہفتے میں پانامہ سیکنڈل بارے رپورٹ دے۔ تو ہر صاحب انصاف، عمران خان کا ساتھ دے گا۔

مگر وہ ایسا کیوں کرے؟ اپنے پاؤں پہ کون کلہاڑی مارتا ہے؟

بہر حال دھاندلی اور احتساب پر یہ اضافی مضامین، فقط اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کے لئے لکھے ہیں۔ رہا مولانا فضل الرحمٰن یا جمعیت علماء اسلام کا معاملہ (جو کتاب کا اصل موضوع ہے) تو نہ وہ بیچارے دھاندلی کرنے قابل ہیں اور نہ ان کے پاس کرپشن کی دولت ہے۔ دھاندلی کے تو وہ خود کشتہ ستم ہیں اور رہا ان کا احتساب، تو وہ ان کا گلی محلے کے لونڈے بھی کرتے پھرتے ہیں کہ:

میری خوبی پہ رہتے ہیں یہاں اہلِ جہاں خاموش
میرے عیبوں کا چرچا ہو تو گونگے بول پڑتے ہیں

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

تیسرا حصہ:......ذاتی واردات وتاثرات

کتاب کے اس حصے میں راقم کی ذاتی عقیدت کا بیان ہے۔یعنی یہاں جمعیت علمائے اسلام کے دوستوں سے کچھ حال دل بانٹنا مقصود ہے۔

کسی کی یاد کے جگنو دھواں اگلتے ہیں:

ڈیرہ اسماعیل خان کی تحصیل کلاچی، آٹھ دروازوں کی فصیل میں بند گاؤں نما شہر، جہاں 1973ء میں پرائمری سکول جاتے ہوئے، دو تاریخی مقامات کے سامنے سے گذرنا ہوتا تھا: مدرسہ نجم المدارس اور گنڈہ پور ہاؤس۔ بچپن میں کندہ نقش، مثل حجر ہوتا ہے۔میرے ذہن کے فریم میں ایک عالم دین اور قوم کے سردار کا ایک ہی تصور فٹ ہو گیا ہے یعنی شیخ الحدیث مولانا قاضی عبدالکریم صاحبؒ اور سردار عنایت اللہ خان گنڈہ پورؒ۔پس دور جدید کے نئے دینی سکالرز سے روابط کے باوجود، داڑھی پگڑی کے بغیر کوئی عالم دین نظر میں جچتا نہیں ہے۔اور یہ کہ آج کل ہر لونڈا لپاڑہ، خود کو سردار باور کرانے پہ تل گیا ہے مگر جس نے عنایت اللہ خان گنڈہ پور کو دیکھا ہے، اس سے تو ان کا بیٹا تک ہضم نہیں ہوتا تو ہما شما کون؟

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

پھول مرجھا گئے، گلدان بھی گر کر ٹوٹا
کیسی خوشبو میں بسے ہیں درودیوار ابتک

یادش بخیر! مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مرحوم (جن کے ساتھ احقر کی تصویر زیر نظر کتاب میں موجود ہے) بہت بڑے عالم تھے، جن سے ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم بھی استفادہ فرمایا کرتے تھے۔چھوٹے شہر کی بناء پر کم معروف تھے، وہ اگر کلاچی کی بجائے، کراچی میں ہوتے تو ان کے سامنے کسی کا چراغ نہ جلتا۔

راقم نے ان کی خاطر یہ اشعار کہے تھے:

چھوٹے شہر میں امن خلوص تو ہوتا ہے پر — چھوٹے شہر بڑے لوگوں کو کھا جاتے ہیں
ویراں گوشہ میں گل چیں کا ڈر نہ ہو، پر — گلشن سے ہو اوٹ تو گل مرجھا جاتے ہیں
کون آپر کھے نقلی، اصلی لوگوں کو تو...... — شیشے کے شوکیس میں زیور بھا جاتے ہیں

قاضی صاحب آخری عمر میں مرض نسیان کا شکار ہو گئے تھے۔ان کے بیٹے کے بقول، رات کو اٹھ اٹھ کر کئی بار وضو کا پانی طلب فرماتے۔راقم دن کے وقت ان کی زیارت کیلئے گیا تو ان کی رتجگے کا احوال سن کر واپسی کی ٹھانی، مگر ان کے پوتے نے ان کو بتا دیا کہ مکہ، مدینہ سے مہمان آیا ہے۔پوتے کے سہارے گھر کی اس پرانی بیٹھک میں تشریف لائے، جہاں کبھی حضرت مولانا حسین احمدؒ مدنی نے قدم رنجہ فرمایا تھا۔

مجھے معلوم تھا کہ انہوں نے 1963ء کے سفر حج میں ایک فارسی نعت لکھ کر مواجہہ شریف پہ پڑھی تھی، ان کو چھیڑا تو وہی نعت خود سنائی۔ خود اور ہم کو رلایا۔ راقم نے اپنے فون میں وہ ویڈیو محفوظ کر لی ہے۔ کبھی دیکھتا ہوں اور ایمان کی حلاوت پاتا ہوں۔ آہ! خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

برسبیل تذکرہ، قاضی صاحب کو مولانا فضل الرحمٰن سے سیاسی اختلاف تھا، مگر ان سے اپنی غایت عقیدت کے باوجود راقم ان کے سیاسی موقف سے متفق نہیں رہا۔ میرا خیال ہے کہ دل اور دماغ کو اپنے اپنے حصے کا کام کرنے دینا چاہئے تو زندگی متوازن رہتی ہے۔

بہر حال، راقم کی گھٹی میں شاید علمائے دیوبند کا تاثر پڑ چکا تھا۔ حالانکہ میرے گھرانے کا کوئی خاص مذہبی پس منظر نہیں تھا، والد صاحب غیر سیاسی اور مصروف آدمی تھے مگر کانگریسی ذہن رکھتے تھے۔ معلوم نہیں کیسے؟ مگر ان کے پاس نایاب کتب اور قلمی مخطوطے موجود تھے۔ کاروبار کے سلسلے میں اکثر کلاچی سے باہر رہتے مگر جب بھی کچھ ایام کو آتے تو ان کا بہترین مشغلہ ''دیوان رحمٰن بابا'' کی ''تلاوت'' ہوتا تھا۔ آج بھی لاشعور میں وہ منظر ابھرتا ہے کہ وہ شام کے بعد چارپائی پہ بیٹھے، ایک مہذب جذب و کیف سے دیوان پڑھ رہے ہیں۔ بعد میں راقم جب تبلیغی جماعت میں گیا اور وہاں ''چھ نمبر'' سکھائے گئے تو محسوس ہوا کہ یہی سب کچھ، ہم رحمٰن بابا سے پہلے ہی سن چکے ہیں۔

Fb.com/OfficialJamiat

افسوس، ان کتابوں کا بیشتر حصہ میری نادانیوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔ بچپن میں یہ لت لگی تھی کہ امی جان کے گوندھے آٹے سے کاغذ کے لفافے بنانے کا کھیل کھیلتا تھا، جس کے لئے ان قیمتی کتابوں سے ورق پھاڑ لیا کرتا۔ خیر، ان کتابوں میں مولانا حسین احمد مدنی کی خودنوشت "نقش حیات" بھی تھی۔ شاید آپ اسے مبالغہ سمجھیں مگر میں نے تیسری جماعت میں اسے پڑھا تھا۔ 8 سالہ بچے کو اس کی کیا سمجھ آنا تھی لیکن اس کتاب میں ایک انگریز ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کا بار بار تذکرہ تھا جس کا نام بہت لطف دیتا تھا۔ اس وقت یہ شعور تو نہیں تھا کہ مولانا حسین احمدؒ مدنی کتنے بڑے عالم ہیں یا مسٹر ہنٹر کی بطور تاریخ دان کیا حیثیت ہے؟ مگر یوں اندازہ ہوتا تھا کہ ایک مولوی صاحب ہیں جو انگریزوں کے خلاف کچھ لکھتے ہوئے، ان کے ہی ایک بندے سے ان ہی کے خلاف گواہی لا رہے ہیں۔ لاشعور میں یہ بیٹھ گیا تھا کہ مولوی لوگ بڑا مضبوط موقف اور دلیل رکھا کرتے ہیں کہ انگریز بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

ہم لوگ 1976ء میں ڈیرہ اسماعیل خان (شہر) آ گئے اور 1977ء کا الیکشن مجھے یاد ہے۔ زندگی کی پہلی سیاسی مار والد صاحب سے پیپلز پارٹی کی خاطر کھائی تھی۔ مفت میں ہاتھ آیا ترنگا جھنڈا، مجھے بہت پیارا لگا۔ سکول سے آ کر اسے گھر کی چھت پہ لہرا دیا۔ والد صاحب گھر آئے تو سامنے ہی یہ جھنڈا دیکھا۔

وہ قومی اتحاد کے نو تاروں والے پرچم کے حامی تھی، پس مجھے دن میں تارے دکھا دیئے۔ وہ جھنڈا چھت سے تو اتر گیا، مگر آج تک دل سے نہ اتر سکا۔

؎ اسیر دام جنوں ہیں، ہمیں رہائی کہاں   یہ رنگ و بو کے قفس اپنے ساتھ چلتے ہیں

خود مفتی محمود صاحبؒ کی ایک مبہم تصویر، نگار خانہ خیال میں آویزاں ہے کہ وہ الیکشن رزلٹ کی رات، مولانا علاؤالدین صاحب کے مدرسہ میں چارپائی پہ نشست رکھتے ہیں، مگر یہ کہ مفتی صاحب کی بہت ہی حیرت انگیز صفات کا تذکرہ، ننھیال کے خاندان میں چلتا رہتا تھا۔ نانا جی حاجی مہربان، مفتی صاحب کی وزرات اعلی میں ان کے قریبی آدمی تھے۔ مگر یوں ہے کہ باغی بچے کو مفتی صاحب کے مقابل، بھٹو زیادہ پسند تھا، اس کی کیا وجہ تھی؟ یہ میرے شعور سے باہر کی چیز تھی۔ شاید ایک وجہ یہ بھی ہو کہ خود کو دودھیال سے زیادہ قریب پاتا تھا جو اکثر بھٹو صاحب کے حامی تھے۔ میں گمان کرتا ہوں کہ مجھے قدرتاً تحریکی طبیعت عطا کی گئی۔ پولیس سے پہلی مڈبھیڑ 1980 میں ہوئی جب ساتویں جماعت میں جامع ہائی سکول ڈیرہ کا طالبعلم تھا۔ باچا خان کے بیٹے عبدالعلی خان گومل یونیورسٹی کے دبنگ وائس چانسلر تھے۔ انہوں نے جامع سکول کو یونیورسٹی سے ملحق کرنے کا فیصلہ کیا تو سٹوڈنٹس نے کئی دن احتجاج کیا۔ جامع سکول کو پہلے "ویمسن" اور سال بعد "ویلسم کالج" کا نام دے کر یونیورسٹی سے ملحق کر دیا گیا، مگر راقم نے احتجاجی سیاست کا اولیں ذائقہ چکھا۔

Fb.com/OfficialJamiat

ڈیرہ اسماعیل خان میں جمعیت علماء مفتی محمود مرحوم سے بہت پہلے ہی ایک مقبول جماعت بن چکی تھی۔ اس کی بڑی وجہ دو محترم نواب گھرانے تھے۔ یعنی گنڈہ پور اور سدوزئی نوابان۔ کلاچی میں عنایت اللہ خان گنڈہ پور کے والد جمعیت کی ٹکٹ پہ منتخب ہوئے تو تربوروں میں کچھ گھرانے بریلویت کی طرف چلے گئے (علی امین گنڈہ پور کے اسلاف)

ڈیرہ اسماعیل خان شہر کے دو نواب گھرانے ہیں علی زئی اور سدوزئی۔ مگر درحقیقت ڈیرہ کے بانی اور اصل حکمران درانی شاخ کے سدوزئی نواب تھے۔ ہماری نوجوانی تک یہ صورتحال تھی کہ سدوزئی فیملی کٹر دیوبندی جبکہ علی زئی فیملی پکے بریلوی تھے۔ علی زئی نوابان پیر صاحب تونسہ کے مرید تھے اور جب پیر صاحب کڑی علی زئی تشریف لاتے تو عمر رسیدہ علی زئی نوابان ان کے سامنے گھٹنوں کے بل چلتے تھے۔ آپ اندازہ کیجئے کہ نواب حیات اللہ خان جو چند سال قبل 72 سال کی عمر پا کر فوت ہوئے، ان کا اکلوتا بیٹا تبلیغی جماعت سے وابستہ ہوا اور سات مہینہ کیلئے بیرون ملک تشکیل ہوئی تو والد صاحب بیٹے سے ملنے رائے ونڈ مرکز گئے مگر "وہابیوں" کے مرکز میں گھسنے سے انکار کر دیا اور بیٹے کو باہر بلا کر ملے۔

قدرت کی نیرنگی مگر یہ دیکھئے کہ بعد میں نواب صاحب کی موت، رائے ونڈ مرکز کے اندر ہوئی۔ان کا جنازہ وہاں پڑھا گیا۔خاکسار کے حصے میں یہ سعادت آئی کہ ان کی میت کیلئے ڈیرہ تک ایمبولنس کا اہتمام کیا، جس گاڑی میں وہ رائے ونڈ مرکز، اپنی خوشی سے پہلی بار آئے تھے، اسی گاڑی میں ان کی جگہ یہ خاکسار جبکہ وہ میت گاڑی میں واپس ہوئے۔آدھی رات کو سرگودھا ان کی جاگیر پہنچے تو ان کے مزارعین نے دوسری بار جنازہ پڑھا اور صبح ڈیرہ اسماعیل خان میں تیسرا بڑا جنازہ ہوا۔ایں سعادت بزور بازو نیست

نوابان علیزئی میں سے زیادہ تر حیدر خان علیزئی عملی سیاست میں سرگرم تھے جو کئی بار پیپلز پارٹی اور آخری بار جمعیۃ علما اسلام کی ٹکٹ پر الیکشن لڑے تھے۔البتہ پرویز مشرف کی وجہ سے ان کے کورس میٹ میجر لطیف اللہ علیزئی ضلعی ناظم بنے تھے اور اب ان کا 24 سالہ بیٹا تحریک انصاف کے ٹکٹ پہ ناظم بنا ہے۔

سدوزئی نوابان جو اب بالکل عملی سیاست سے کنارہ کش ہو چکے ہیں، کبھی سیاست میں پیش پیش تھے۔1935ء انڈیا ایکٹ کے تحت ہمارے صوبہ خیبر پختونخوا کو قانون ساز اسمبلی کا اختیار ملا۔1946ء کے الیکشن میں صوبہ میں مسلم لیگ اور کانگریس کا زبردست آنکڑا پڑا اور اس الیکشن میں جمعیت علما ہند نے بھی بھرپور حصہ لیا۔حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ڈیرہ اسماعیل خان تشریف لائے اور میدان حافظ جمال میں تقریر کی۔نواب اللہ نواز خان سدوزئی بھی حضرت کی زیارت کیلئے تشریف لائے، کیفیت بدل گئی۔کہتے ہیں کہ حضرت مدنیؒ کی تقریر کے دوران نواب صاحب کی آنکھوں سے مسلسل آنسو رواں تھے۔تقریر کے بعد مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت فرمائی اور جمعیت علماء میں شمولیت اختیار کی۔غالباً اس وجہ سے سدوزئی فیملی، دیوبندی مکتب فکر سے متاثر ہے۔1946ء کے الیکشن میں اربن سیٹ پر نواب اللہ نواز خان جمعیت کی طرف سے منتخب ہوئے اور سرحد اسمبلی جس میں کانگریس کی حکومت تھی، اسکے سپیکر بنائے گئے۔قیام پاکستان کے بعد صوبائی حکومت توڑ دی گئی پھر 1951ء کے الیکشن میں مسلم لیگ نے بھرپور دھاندلی سے اپنی حکومت بنائی تو بھی نواب اللہ نواز خان کو بلامقابلہ سپیکر منتخب کر لیا گیا یعنی صوبہ سرحد کے پہلے سپیکر کا اعزاز پایا۔شاید حضرت مدنیؒ سے قلبی تعلق کی تاثیر تھی کہ نواب صاحب نے ڈیرہ اسماعیل خان میں واقع اپنی زرعی اراضی میں سے گیارہ سو کنال زمین گومل یونیورسٹی کے قیام کی خاطر ہدیہ کی اور علاقے کو 1974ء میں پہلی یونیورسٹی عطا ہوئی۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

یہاں میں ایک ذاتی تذکرہ کروں گا۔مجھے تبلیغی جماعت میں لے جانے والے پہلے محترم، جناب فاروق سدوزئی ہیں، مگر میرے تبلیغی احباب میں زیادہ تر علی زئی دوست ہیں۔

برسبیل تذکرہ، غالباً 1994 "میں کڑی علی زئی کے نوجوان تبلیغی ساتھی، جن میں فٹ بال کے

کھلاڑی بھی تھے۔ انہوں نے اپنے محلے سے سات ماہ کیلئے تبلیغی جماعت بنائی اور ٹمڈغاسکر کے جنگلات میں تشکیل ہوئی۔ ان جنگلات میں ایک کیڑا پایا جاتا ہے جسے غالباً ورش کہتے ہیں۔ جو پاؤں میں داخل ہو جائے تو دوسرے دن پاؤں سوج جاتا ہے اور ہفتے کے اندر پاؤں کا شاپڑتا ہے۔ مقامی لوگوں کو اس کاٹے سے کچھ نہیں ہوتا، جس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ وہ لوگ نمک بالکل استعمال نہیں کرتے اور یہ کہ اس کی وجہ سانپ ان کو کاٹ لے تو سانپ مرجاتا ہے۔ واللہ اعلم

اس کیڑے کا علاج یہ بتایا گیا کہ جونہی یہ پاؤں میں گھسے تو بڑے سوئے سے اس جگہ سوراخ کرلیا جائے اور اس سوراخ میں تیل چھڑک کر ماچس سے آگ لگادی جائے تو اس کے انڈے جل جاتے ہیں، مگر پاؤں میں سوراخ رہ جاتا ہے۔ کڑی علی زئی ڈیرہ کے ان نوجوانوں کو مقامی لوگوں نے اس مشکل کی وجہ سے آگے جنگل میں جانے سے منع کیا۔ مگر انہوں نے کہا کہ ہم تشکیل کے آخری مقام تک جائیں گے چاہے ہماری لاشیں اٹھائی جائیں۔ یہ نوجوان واپس ہوئے تو انکے پاؤں سوراخ ہو چکے تھے۔ رائیونڈ مرکز میں مولانا جمشید صاحبؒ نے ایک ایک کو فرداً فرداً گلے سے لگایا اور بہت دعائیں دیں۔ یہ سب نوجوان ماشاء اللہ زندہ و تابندہ ہیں۔ نام نہیں لکھتا کہ شیطان عجب میں مبتلا کر دیا کرتا ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat

بہر حال، باقی ملک میں اگرچہ جمعیت علماء اسلام کا کوئی عوامی تعارف نہیں تھا، مگر ڈیرہ میں یہ فیصلہ کن سیاسی قوت تھی۔ ونیسم کالج سے ساتویں جماعت پاس کرنے کے بعد ہم اگلے پانچ سال کیلئے کیڈٹ کالج کوہاٹ کی نذر ہو گئے، جہاں کے شب و روز کچھ یوں تھے کہ:

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی　　　　کچھ ہماری خبر نہیں آتی......

جنرل ضیاء کا مارشل لا تھا اور ملک بھر میں سیاسی سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ مگر ڈیرہ میں حرارت باقی تھی کہ ایم آر ڈی کا اہم ترین لیڈر یہاں سے تعلق رکھتا تھا۔ میرا مطلب ہے مولانا فضل الرحمٰن۔ مولانا سے غائبانہ عقیدت والد صاحب کی وجہ سے ہوئی۔ میرے والد میرے پیر تھے، میرے آئیڈیل تھے، میرا سب کچھ تھے۔ پس ان کے ایک جملے نے ہمیشہ کیلئے میرے دل میں مولانا کی عظمت ثبت کردی۔

ٹھہرا نہ دل کہیں بھی تیری انجمن کے بعد

بابا جان اپنے مخصوص انداز میں ایک جملہ بولا کرتے تھے "مفتی محمود روپیہ تھا، فضل الرحمٰن سوا روپیہ ہے"

بابا جان ایک گوشہ نشین، غیر سیاسی اور انتہائی کم گو شخص تھے جن کا واحد مشغلہ، قرآن پاک کی پیہم تلاوت تھا۔ تبلیغ میں بیرون ملک تشکیل ہوئی، وہیں فالج کا حملہ ہوا، اسی بیماری میں 15 رمضان کی شب انتقال ہوا۔ بزرگوں نے بڑی بشارات سنائی ہیں۔ اللھم اغفرلہ۔

بابا مرحوم کے اس جملے کا پس منظر بھی بہت دلچسپ ہے۔ وہ نہ تو عالم تھے اور نہ ہی بہت پرانے تبلیغی۔ مگر یہ کہ شروع سے موحد آدمی تھے اور علمائے دیوبند کی عزت کرتے تھے۔ 1980ء میں مفتی محمود صاحب کا انتقال ہوا تو رائے ونڈ مرکز سے مولانا جمشید صاحب مرحوم تعزیت کیلئے ڈیرہ اسماعیل خان تشریف لائے۔ وقت وقت کی بات ہے، حضرت مرحوم ایک عام مسافر بس میں آئے تھے۔

اس زمانے میں ڈیرہ کا تبلیغی مرکز ایک کچا برآمدہ یا ہال نما کمرہ ہوتا تھا اور تبلیغی حضرات میں سے صرف دو آدمیوں کے پاس گاڑیاں تھیں، جن میں ایک میرے محترم حاجی رشید دھپ صاحب کے پاس ایک جیپ ہوا کرتی تھی۔ میرے والد کے ایک دوست پرانے تبلیغی ساتھی، حاجی اسماعیل بھانڑی مرحوم نے بابا کو بتایا کہ ایک بڑے بزرگ تشریف لا رہے ہیں، پس یہ لوگ ان کی زیارت کیلئے مرکز گئے، جہاں مولانا جمشید صاحب عبدالخیل جانے کو تیار کھڑے تھے۔ اس زمانے میں ہمارے پاس ایک 1968 ماڈل ٹیوٹا کرونا ہوتی تھی۔ مولانا جمشید صاحب نے فرمایا کہ اسی گاڑی میں جائیں گے۔ بابا کے مزاج میں مروت بہت تھی، انکار تو نہ کیا، لیکن فرماتے تھے کہ میں بہت شرم محسوس کر رہا تھا کیونکہ گاڑی کے بریک کام نہیں کر رہے تھے۔ خدا کی شان، سفر میں گاڑی نے کوئی مسئلہ ہی پیدا نہیں کیا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

عبدالخیل میں مولانا فضل الرحمٰن تعزیت وصول کر رہے تھے جو مولانا جمشید کو نہ پہچان سکے۔ بعد میں مجمع میں کسی نے پہچان کراوئی تو اٹھ کر ملے۔ بابا مرحوم نے بھی پہلی بار مولانا فضل الرحمٰن کو دیکھا تھا اور واپسی پر یہ جملہ بولا تھا۔ لیکن ان کے اس جملے پر میرے ماموں مرحوم، جو کہ مولانا فضل الرحمٰن کے دیوانے تھے، وہ بھی چیں بجبیں ہوتے کہ اس سے ان کو مفتی محمودؒ کی شان گھٹتی محسوس ہوتی تھی۔ خیر، ان کے بار بار استفسار پر ایک دن بابا مرحوم نے تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاسؒ کی مثال دے کر اپنی بات کی تشریح کی:

"مولوی الیاس، ایک روپیہ تھا اور اس کا بیٹا مولوی یوسف چار آنے تھا۔ جب مولوی الیاس، دنیا سے جانے لگا تو بیٹے کو گلے لگایا اور اپنا ایک روپیہ اس کے حوالے کر دیا۔ مولوی یوسف کے چار آنے کیساتھ یہ روپیہ مل گیا، پس وہ اسی وقت ہی سوا روپیہ ہو گیا۔ اسی طرح مفتی محمود بھی ایک روپیہ تھا اور فضل الرحمٰن چار آنے۔ لیکن مفتی صاحب نے جاتے ہوئے اپنا روپیہ فضل الرحمٰن کو دے دیا ہے، اب یہ سوا روپیہ ہے"

بابا مرحوم بہت کم آمیز شخص تھے۔ نہ تو تبلیغ والوں سے اور نہ ہی کسی اور سے زیادہ میل جول رکھتے تھے۔ حافظ قرآن بھی نہیں تھے اور نظر بھی کمزور تھی۔ لیکن دن بھر میں 6، 7 پارے قرآن کی تلاوت فرماتے تھے، بس یہی ان کا شوق تھا۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ تبلیغ کے بڑے بزرگ بھی ہمارے گھر بابا سے ملنے آتے تھے اور مولانا فضل الرحمٰن بھی بطور خاص، قاری نواز اور چوہدری شریف کے ہمراہ آئے اور تقریباً دو

گھنٹے تک بیٹھے رہے۔اس ملاقات کی خاص بات یہ کہ مولانا اور بابا مرحوم تقریباً چپ چاپ ہی بیٹھے رہے جبکہ قاری نواز مرحوم اور چوہدری صاحب میں کوئی شکررنجی تھی، وہی آپس میں تکرار کرتے رہے۔

والد مرحوم کا تذکرہ ہے: ؎ لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم۔ لکھنے کو بہت کچھ ہے، آنکھ بھر آئی ہے، بس اتنا عرض کرتا ہوں کہ ان کو فوت ہوئے تیسرا روز تھا، میں دھوپ میں کھڑے ہو کر قبرستان کی چاردیواری بنوا رہا تھا۔ ہمارے کم سن بھتیجے کو خواب میں آئے کہ چچا سے کہو، سائے میں آجائے، دھوپ تیز ہے۔

رب ارحمھما کما ربیانی صغیراً

بر سبیل تذکرہ عرض کردوں، خدا چوہدری شریف صاحب کی عمر میں برکت دے فلاحی ہسپتال چلا رہے ہیں۔ جوانی میں وزیر اعلیٰ مفتی محمودؒ کے پرسنل سیکرٹری تھے۔ کہتے ہیں سگے بیٹوں سے زیادہ مفتی صاحب کی خدمت کی، ان کے دیوانے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ شوگر کی وجہ سے مفتی صاحب کے پاؤں کا زخم ہرا رہتا تھا اور وضو کی وجہ سے دن میں تین بار پٹی تبدیل کرتا تھا۔ یہ مفتی صاحب کا تقوی تھا کہ اس تکلیف میں بھی تازہ وضو فرماتے۔ ورنہ خود ان کا فتوی تھا کہ اس حالت میں فقط مسح کیا جاسکتا ہے۔

اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

کیڈٹ کالج کی پابند زندگی سے انجینئرنگ یونیورسٹی پشاور کی آزاد فضاء میں داخلہ گویا دبے ہوئے سپرنگ کا کھل جانا تھا۔ 1986ء میں روسی ریچھ کابل میں در آیا تھا اور راقم ضیاء مذہبی آمریت کی ضد میں کمیونزم کا پرچارک بن کر ڈیموکریٹک سٹوڈنٹس فیڈریشن میں شامل ہو چکا تھا۔ کیا زمانہ تھا کہ اپنے لیڈر جام ساقی صاحب کی عینک سے ایشیاء کو سرخ ہوتا دیکھتے، پوری رات کارل مارکس کی ''کیپی ٹال'' پہ بحثیں ہوتیں اور ملائیت کے اختتام کی پیش گوئیوں سے دل بہلایا جاتا۔ مگر قسمت کو کچھ اور منظور تھا، وہ نوجوان جو مودودی پیروکاروں کو علمی مناظرے کا چیلنج دیتا تھا، تبلیغی سادہ خیلوں کے دام میں گرفتار ہو گیا۔ ابھی تو ثور انقلاب کا ''اِن'' بھی نہیں چھوا تھا کہ تبلیغ میں ''اِن'' ہو گئے۔

؎ پنہاں تھا دام سخت قریب آشیانہ کے اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

شنید ہے کہ ہمارے پیشوا جام ساقی صاحب بھی آخری عمر میں تبلیغی جماعت کے کشتہ گان میں شامل ہو گئے تھے، تبلیغ والوں کے ساتھ پھرتے ہوئے، عملی سیاسی سرگرمیوں کا جاری رہنا ناممکن تھا لیکن یہ کہ:

؎ دل سے شوق رخ نکو نہ گیا جھانکنا تا کنا کبھو نہ گیا

نوجوانی شعبہ جنون ہے۔ اس عمر میں کچھ کر گذرنے کی شدید خواش ہوا کرتی ہے جو تبلیغی جماعت کے

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

ٹھنڈے مزاج سے لگاؤ نہیں کھاتی۔ تبلیغ میں لگے نوجوان لہو گرم رکھنے کا راستہ تلاشتے رہتے ہیں۔ دو قسم کے تبلیغی نوجوان ہوتے ہیں، دینی مدارس یا دیہاتی علاقوں والے اور دوسرے، شہری یا کالجوں والے۔ پہلے والے تبلیغی نوجوان، جہادی تنظیموں یا سپاہ صحابہ میں شامل ہو کر تسکین پاتے ہیں تو دوسرے گروپ کو عمران خان کی صورت ''ایاک نعبد وایاک نستعین'' فیم جماعت نے اچک لیا ہے۔

راقم کے زمانہ طالب علمی میں تحریک انصاف تو موجود نہ تھی تاہم جماعت اسلامی کا پلیٹ فارم موجود تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے جماعت اسلامی سے کبھی لگاؤ نہ ہو سکا۔ حالانکہ میں نے ذاتی دینی مطالعہ کی ابتدا ہی تفہیم القرآن سے کی تھی۔ یہ بھی درست ہے کہ دینی ماحول کی پہلی سیڑھی مجھے تبلیغی جماعت کی طرف سے میسر آئی لیکن وہاں تو فضائل کی کتب کے علاوہ کوئی اور مطالعہ، گویا درجہ کراہت میں داخل تھا۔

انجینئرنگ یونیورسٹی پشاور میں پہلا سال ڈیموکریٹک سٹوڈنٹس میں گذارنے کے بعد، دوسرے سال راقم نے اپنے علاقے کے طلبا کیلئے گومل سٹوڈنٹس سوسائٹی کی بنیاد رکھی۔ تیسرے سال میں جمعیت طلباء اسلام قائم کی اور چوتھے سال میں انجمن سپاہ صحابہ کی تشکیل کی۔ جمعیت طلبا اسلام جو کہ جمعیت علما اسلام کی ذیلی تنظیم تھی، شاید کبھی انجینئرنگ یونیورسٹی میں متحرک رہی ہو، مگر ہمارے زمانے میں اس کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ راقم ہی نے اس کی بنیاد رکھی مگر اس کا پس منظر، سیاسی نہیں تھا بلکہ محض ایک اتفاق تھا۔

وجہ یہ بنی تھی کہ پختون سٹوڈنٹس، پیپلز سٹوڈنٹس، ڈیموکریٹک وغیرہ نے یونیورسٹی میں ایک تقریری مقابلہ بعنوان ''اسلام میں پردہ ضروری ہے یا نہیں؟'' منعقد کرنے کا اعلان کیا تھا جسے روکنے کیلئے، اسلامی جمعیت کے لڑکے وائس چانسلر کے پاس گئے تو ڈاکٹر جمال نے یہ عذر رکھا کہ ایونٹ کی حمایت میں تین تنظیمیں ہیں اور مخالفت میں آپ کی واحد پارٹی ہے۔ ان کی اس مشکل کا حل میں نے یہ نکالا کہ اسی رات اپنے کمرے میں جمعیت طلباء قائم کی۔ بنوں کے ایک لڑکے شہاب الدین کو ناظم بنا کر جمعیت طلبائے اسلام کے ہاتھ سے لکھے پوسٹر ہاسٹلز میں چپکا دیئے۔ ان کے ساتھ دو اور تنظیموں کا اتحاد بھی کروا کر، مجوزہ پروگرام وی سی سے بند کروا دیا (جو کہ پہلے ہی جماعت اسلامی کے حامی تھے) سنا ہے بعد میں شہاب الدین صاحب نے جمعیت علما اسلام میں کافی ترقی کی۔

برسبیل تذکرہ، سپاہ صحابہ کے قیام کا پس منظر بھی سنتے جائیے:

اس زمانے میں، ''انجمن سپاہ صحابہ'' ہی نام ہوا کرتا تھا، جس کے بانی مولانا حق نواز جھنگویؒ بڑے قادر الکلام خطیب تھے، لیکن راقم کو ان کے اہل تشیع کے خلاف دیئے گئے حوالہ جات پہ اطمینان نہیں تھا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

ایک لاہوری دوست کے ذریعے جامعۃ المنتظر سے چند کتابیں خود منگوائیں جن میں تاریخ اسلام (بشیر انصاری) اور تجلیات صداقت (مفتی مقبول حسین) کے نام یاد ہیں۔ مولانا جھنگوی کے دئے گئے حوالہ جات درست پائے اور مولانا ایثار القاسمی کی شہادت کے دن ہم چار دوستوں نے انجمن سپاہ صحابہ کی بنیاد رکھی۔ مگر مولانا فضل الرحمن سپاہ صحابہ کی ترتیب کے علانیہ مخالف تھے، پس جمعیت اور سپاہ صحابہ ایک ساتھ نہیں چل سکتی تھیں، لہٰذا ہم نے یہ بساط لپیٹ دی۔

یونیورسٹی کے دنوں میں ہی جنرل ضیا الحق کا سانحہ ارتحال ہوا اور 1988 کے الیکشن منعقد ہوئے تو ہم نے ڈیرہ جا کر بھرپور حصہ لیا۔ جمعیت علما اسلام میں ہمارے تین عدد دوست، یعنی ماسٹر ایاز مرحوم، قاری اشرف اور حافظ شاہد، ہمیں ہر جلسے جلوس میں ساتھ لئے پھرتے۔ شاعری کا روگ بھی پالا ہوا تھا اور مولانا فضل الرحمن کی مدح میں چار نظمیں بزبان اردو، انگریزی، پشتو اور سرائیکی لکھی تھیں۔ موخر الذکر دو نظمیں، عوامی رنگ میں تھیں۔ پس حق نواز پارک ڈیرہ کے ایک بڑے جلسے میں اپنے مخصوص ترنم سے پڑھیں اور انبوہ کثیر سے داد پائی۔ فنی لحاظ سے ان نظموں میں خیال آفرینی کا عنصر کم تھا، مگر عوامی نظمیں تھیں۔ از راہ یادداشت، دو دو شعر یہاں لکھ دیتا ہوں:

عمل کے دے اخلاص لری، زڑہ کے دے قرآن دے
دا فضل الرحمن دے ...... او دا فضل الرحمن دے ....

یہ ٹیپ کا مصرعہ کا تھا:

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

ستا بلند اقبال دی، قسمت داسے هرچا نه شی
تا غوندے لیڈر به جاہل کور کے پیدا نه شی
سو کے مقابله کوی، دا گز او دا میدان دے
دا فضل الرحمن دے ،دافضل الرحمن دے
داسے ننگلیالی زمونگ دا قام وطن گلونه دی
دوئی خواژه خیالونه او دوئی اچت عملونه دی
سلیم دا هر تن دے سره، که زڑه دے مسلمان دے
دا فضل الرحمن دے ...... او دا فضل الرحمن دے ......

اسی طرح سرائیکی نظم کا اپنا ایک لہجہ تھا، نمونہ دیکھیے:

لوکاں مردے گھر در چھوڑن یا چھوڑا سامان اے

مفتی دی میراث کجھ نہیں، ہک فضل الرحمٰن اے،

مردے جیندے عہد کریسوں، تیڈا ساتھ نبھیندے رہسوں......

ووٹ تاں کہیڑی شے اے ڈھولا خون دے عطیے ڈیندے رہسوں

سلیم اساڈی گال ہے ہکا، اے ساڈا ایمان اے

مفتی دی میراث کجھ نہ نہیں، ہک فضل الرحمٰن اے

قصہ کوتاہ، مولانا فضل الرحمٰن 1988 کا الیکشن بھاری اکثریت سے جیت گئے۔ مولانا کے 65 ہزار اور ان کے مدمقابل، اسلامی جمہوری اتحاد کے فضل کریم خان کے 33 ہزار ووٹ تھے، یہی فضل کریم خان اگلے الیکشن یعنی 1990 میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر ایم این اے بنے۔

1993ء میں ایم این اے منتخب ہونے کے بعد مولانا نے قومی اسمبلی میں امور خارجہ کمیٹی کے چیئرمین کا عہدہ سنبھال لیا۔ ہمارے جمعیت کے دوست بھی اس پہ حیران تھے کیونکہ ان کے خیال میں بھی مولانا صاحبان کو فقط مذہبی ذمہ داریاں لینا چاہیے تھیں۔ راقم نے بچپن میں تحریک ریشمی رومال کی تفصیل پڑھ رکھی تھی، پس اچنبھا نہ ہوا۔ جس کا کام اسی کو ساجھے، یہ علمائے دیوبند کا ہی منصب تھا۔ یہ مولانا عبیداللہ سندھی کی مسند تھی جو بحال ہوگئی تھی۔ مولانا نے خارجہ امور کے پلیٹ فارم کو استعمال کر کے اپنی جماعت کو بین الاقوامی فورم پہ شناخت عطا کی اور اپنے فہم کا لوہا دنیا بھر سے منوا کر، جماعت اسلامی سے ان کی مزعومہ بین الاقوامی حیثیت چھین لی۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBank

توبہ میری جام شکن، جام مے توبہ شکن:

پشاور یونیورسٹی سے 1990 میں فراغت ہوئی تو تبلیغ میں چار ماہ کیلئے چلے گئے یعنی سیاست جسے تبلیغی ماحول میں لایعنی سمجھا جاتا ہے، اس سے گویا توبہ کر لی۔ مگر یہ توبہ 2002ء کے الیکشن تک تھی۔

ہوگئی توبہ کو اک مدت کسے اب یاد ہے اصطلاحاً ہم نے کیا رکھا تھا پیمانے کا نام

راقم نے اپنے اس خالص تبلیغی دور میں، زیادہ وقت ''امت بنے'' کی سوچ میں گذرا۔ سب کو ساتھ لیکر چلنے کی رومانوی مگر ناممکن تمنا عروج پر تھی۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے تعلق خاطر تھا۔ قاضی حسین احمد صاحب امیر جماعت اسلامی سے بوجوہ، ایک عقیدت تھی۔ 1997ء میں تبلیغی جماعت، تنظیم اسلامی اور جماعت اسلامی کو قریب لانے کیلئے ایک کتابچہ لکھا تھا جس کے جواب میں محترم قاضی صاحب نے راقم کو جو خط ارسال فرمایا، اس کی تصویر بھی اسی کتاب میں شامل اشاعت ہے۔ اس خط کے لگانے کے تین

مقاصد ہیں، ایک تو قاضی صاحب کی انسان نواز دردمند شخصیت کا بیان کہ انہوں نے ایک غیر معروف، پسماندہ علاقے کے نوجوان لکھاری کی تحریر پڑھنے کو وقت نکالا اور اس پہ نقد لکھا۔ یہ امت کے لئے ان کے دردِ دل کا مظہر ہے۔ دوسرے، اپنے قارئین کو یہ بتانا کہ مجھے جماعت اسلامی سے خدا واسطے کا بیر نہیں تھا تیسرے یہ طفلانہ بڑھک کہ اگر قاضی صاحب کے ذہن میں متحدہ مجلس عمل کا خیال آیا تو اس کی آبیاری میں اس کمترین کے مذکورہ کتابچے کا بھی کوئی حصہ ہے۔ میں عرض کردوں، قاضی صاحب کا پاک خمیر، جماعت اسلامی سے شمہ برابر لگاؤ نہیں کھاتا تھا۔ کوئی انسان معصوم نہیں ہو سکتا، ان سے بھی غلطیاں سرزد ہوئی ہوں گی اور یہ غلطیاں جماعت اسلامی کی صحبت بد کا نتیجہ ہوں گی۔ گمان کرتا ہوں، وہ جماعت اسلامی میں نہ پھنستے تو تزکیہ و تصوف کے مسند نشین ہوتے۔

بہرحال 1990 تا 2002 کا دور جمعیت علماء کی سیاست سے دور اور پاکستان کے مختلف پراجیکٹس کی تکمیل پہ لگا۔ تاہم اس دوران جس پراجیکٹ پہ بھی نوکری کی (جس کا دورانیہ عموماً بہت کم ہوا کرتا تھا) وہاں یہ ضرور ثابت آئے کہ دیوبندی خمیر، دبنے یا جھکنے والا نہیں ہوا کرتا۔

؎ یہ اعجاز ہے، حسن آوارگی کا...... جہاں بھی گئے، داستاں چھوڑ آئے

اس دوران، ایسا وقت بھی آیا کہ ملکی اخبارات میں راقم کا نام لے کر ایک خبر شائع ہوئی جس میں افغان شہریت کیلئے درخواست کا تذکرہ تھا۔ امریکہ نے افغانستان پہ حملہ کی ٹھان لی تھی۔ کمانڈو صدر، ایک فون پہ ڈھیر ہو کر ملک ان کے حوالے کرنے لگا تھا۔ حق نمک ادا کرنے پرویز مشرف نے بیان دیا تھا کہ "طالبان اقلیت کے دن گنے جا چکے ہیں" راقم اسلام آباد پہنچا، افغان سفارت خانے میں ڈپٹی سفیر عبدالقادر شاہین کے ہمراہ پریس والوں کو ملا اور یہ بیان دیا کہ میرے ملک کے صدر نے چونکہ میرے جیسے موقف رکھنے والوں کو اقلیت قرار دیتے ہوئے ختم کرنے کی دھمکی دی ہے پس میں افغان سیٹیزن شپ کی درخواست کرنے آیا ہوں۔ یہ کوئی بڑا کارنامہ نہیں تھا مگر پریس کو ایسی چٹ پٹی خبروں کو تلاش ہوا کرتی ہے۔ پس اسے نمایاں طور پر شائع کیا گیا: ؎ ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق

جنرل پرویز مشرف کی حکومت، پاکستان کیلئے ایک نحوست تھی، مگر اس شر سے ایک خیر برآمد ہوئی اور وہ متحدہ مجلس عمل کی صورت گری تھی۔ پرویز مشرف کا دور تہہ در تہہ سازشوں کا دور تھا، ہر کوئی اپنے پتے کھیل رہا تھا۔ متحدہ مجلس عمل شاید ہماری ایجنسیوں کی چاہت رہی ہو گی لیکن ان کے اپنے مقاصد تھے۔ دینی جماعتوں کا اتحاد مولانا فضل الرحمٰن اور قاضی حسین احمد مرحوم کی بھی قلبی خواہش تھی۔ ہر ایک کے اپنے اہداف

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JSJAnswersBack

تھے، دینی جماعتوں کے ہر اتحاد میں رخنہ ڈالنے والی ہماری ایجنسیاں اس بار خاموش تھیں تو سکون سے یہ اتحاد وجود میں آیا اور اس کے دور رس اثرات ہر جگہ پڑے۔ قوم کے سرکردہ لوگ جب ایک دوسرے کے شانہ بشانہ کھڑے ہوں تو متبعین میں نفرتیں ختم ہوتے دیر نہیں لگتی۔ اس کا درست اندازہ ہم کو تبلیغی جماعت میں ہوا۔ پنجاب میں تبلیغ والوں کے سخت مخالف بریلوی حضرات تھے، کئی بار ہم کو ان کی سماج سے بزور نکالا گیا تھا، مگر متحدہ مجلس عمل وجود میں آئی، ہماری تشکیل قصور کے ایک گاؤں کی بریلوی مسجد میں تھی۔ امام صاحب نے خوش دلی سے ویلکم کیا "ہن تے اسی سارے ایک ہو گئے آں" کاش، جماعت اسلامی اپنی منافقانہ اور ایجنسیانہ اطوار کی بنا پر اس اتحاد کو ختم نہ کرتی تو امت کا بڑا فائدہ ہوتا۔ جن باتوں کو بنیاد بنا کر، جماعت اسلامی نے یہ اتحاد ختم کیا تھا، آج ان سے کہیں زیادہ بدتر حالات میں وہ تحریک انصاف کے اتحادی ہیں حالانکہ تحریک انصاف نے کئی بار دھتکارنے کے اشارے بھی دیئے ہیں۔

میں اپنے ہی جیسوں کو کبھی پوجتا نہیں

پھر الیکشن کا اعلان ہو گیا، اس وقت تک سوچ میں یہ سوالات اٹھنا شروع ہو گئے تھے کہ علماء سے خربوزہ کاٹنے کی سنت پوچھنا اگر ضروری ہے تو ملکی حالات سدھارنے ووٹ کے استعمال بارے پوچھنا کیوں ضروری نہیں؟ اب ایک بار پھر جمعیت علماء اسلام کی محبت نے سر ابھارا۔ انہی دنوں راقم تبلیغی مرکز رائے ونڈ میں تشکیل میں تھا۔ مولانا فضل الرحمن کیلئے ایک نظم لکھ کر لاہور سے ہی چھپوا کر مرکز سے باہر لوگوں میں تقسیم کی، نظم یہ تھی:

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

ابن مفتی محمود

مولوی رہا ہوں، نہ ہوں مولوی پرست
کلیسائی بندھنوں سے الجھتی ہے طبیعت

انگریزی خواں ہوں پر نہیں انگریز کی ہیبت
پر جی میں نہیں رکھتا میں جدت سے کراہت

گو خود کو عقلِ کل سمجھنا سوجھتا نہیں
پر اپنے ہی جیسوں کو کبھی پوجتا نہیں

ہر نوع کی مجلس کی خاک چھانتا ہوں میں
تقریر میں لہجے کا لوچ جانتا ہوں میں

سیاست میں کچھ سوداگری بھی مانتا ہوں میں
پر نفاق کی بدبو کو بھی پہچانتا ہوں میں

کوئی انسان سارے عیب سے پاک ہو نہیں سکتا
ہاں ضمیر کا دلال نہیں ، مفتی کا بیٹا

ناقص سہی پر ہے مرے وجدان کا فتویٰ
میں نے نہ ابنِ مفتی سا کوئی دوسرا دیکھا

جاتے ہوئے مفتی نے تو چھوڑی نہ تھی دنیا
کیا تم کو وراثت ملی تدبیر کی مایا؟

اللہ تیری قوت تدبیر بڑھائے
جتنا بھی کوئی خوب ہو کیا کل کا بھروسہ؟
زمانے میں بہت بھاری ہے ایمان پہ پیسہ
اعداء کی شہادت ہے یہ ابتک بکا نہیں

امت کا خوابیدہ مقدر تو جگائے
کیا آدم کی ضمانت کہ ہو ایسا، نہ ہو ایسا
پر ڈھونڈو تو پاؤ گے نہ مولانا کے جیسا
فی زمانہ، سوچو، کیا یہ معجزہ نہیں؟

اس نظم کا خاصہ یہ بھی ہے کہ راقم نے اس نظم کو ایم ایم اے کی اس پہلی کارنر میٹنگ میں مولانا کے سامنے پڑھا جو مسلم بازار میں حالیہ واقعہ بلور پلازہ کے خالی پلاٹ پہ منعقد ہوئی تھی۔

انہی دنوں یعنی 2002ء کے الیکشن سے کچھ دن پہلے، مکہ معظمہ میں مقیم، پیر طریقت حضرت حاجی عبدالمنان صاحب مدظلہ، جمعیت کی حوصلہ افزائی کے لئے پاکستان تشریف لائے ہوئے تھے۔ جہاں تک یاد پڑتا ہے وہ جمعیت کیلئے 5لاکھ روپے چندہ لائے تھے، جو ہرٹان لاہور میں ان کے کسی مرید کے بنگلے پر لاہور کے دینی مراکز کے دورے کا پروگرام بن رہا تھا۔ حضرت نے میری درخواست پر رائے ونڈ مرکز کو اپنے شیڈول میں شامل فرمالیا۔

جمعہ کا دن تھا کہ ہم تقریباً15 آدمی جن میں سے سوائے مفتی شیر محمد صاحب (جامعہ اشرفیہ والے) سب ایگزیکٹیو پوسٹوں والے لوگ تھے، حضرت کی قیادت میں رائے ونڈ میں حاجی عبدالوہاب صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت پرانے مرکز کے مینار والے برآمدے کے نیچے، ان کا کمرہ تھا، جہاں وہ نماز جمعہ کی تیاری کررہے تھے۔

Fb.com/OfficialJamiat

مولانا فضل الرحمٰن کے ضمن میں بات چل پڑی تو حاجی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں ایک لمبا واقعہ سنایا جس کی تلخیص میں آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ فرمایا: ”دیوبند مدرسہ میں دو طالبعلم بہت ممتاز تھے اور ہر درجہ میں ان کی مسابقت ہوتی۔ کبھی ایک اول آتا تو کبھی دوسرا۔ فراغت کے بعد ایک وہیں اور دوسرا مدراس میں مدرس ہو گیا۔ جب پاکستان بن گیا تو ان دونوں نے پاکستان کو ہجرت کی، جس پر قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے فرمایا کہ پاکستان والے دیوبند کا مکھن لے گئے ہیں، ایک تو مولانا غلام اللہ خان صاحب“ (پنڈی والے) تھے، دوسرے مولانا عبدالواحد صاحب (گوجرانوالہ والے) تھے۔ ثانی الذکر ہماری رائے ونڈ کی شوریٰ کے رکن بھی تھے اور جمعیت علما اسلام کی شوریٰ کے بھی۔ مفتی محمود صاحب کی وفات کے بعد خانپور میں جمعیت کی شوریٰ کا اجلاس ہوا جس میں ان کی جگہ پر نئے ناظم عمومی کا انتخاب ہونا تھا۔ انہی دونوں ہمارا رائیونڈ کا ماہانہ مشورہ بھی تھا، میں نے مولانا عبدالواحد کو رائے ونڈ میں

دیکھا تو کہا کہ: حضرت! آج تو آپ کو خانپور ہونا چاہئے تھا کیونکہ وہاں آپ کی زیادہ ضرورت تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ نہیں، صرف یہ مشورہ تھا کہ مفتی صاحب کی جگہ کون مناسب ہے، تو میں نے اپنی رائے لکھ کر دے دی ہے، وہاں میرا خود جانا اتنا ضروری نہیں۔ میں نے پوچھا: آپ نے کس کا نام لکھا ہے؟ تو کہا کہ مولانا فضل الرحمٰن کا۔ میں اس وقت تک مولانا فضل الرحمٰن سے واقف نہیں تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ فرمایا: یہ مفتی محمود کے صاحبزادے ہیں۔ میں نے سوچا کہ جس آدمی پر مولانا عبدالواحد اعتماد کرتے ہیں، پھر تو وہ بہت خوب آدمی ہوگا۔"

امانت میں خیانت ہوگی، اگر میں حاجی صاحب کا ایک جملہ یہاں ذکر نہ کروں جس کے کئی معنی نکل سکتے ہیں۔ فرمایا: "میں نے مولوی فضل الرحمٰن سے کہا تو سات چلے بھی نہیں لگاتا؟" تو اس نے کہا: حضرت! آپ میرے کام کو دین کا کام نہیں سمجھتے؟" میں نے کہا: " میں تو اپنے کام کو بھی دین کا کام نہیں سمجھتا اگر اللہ کے لئے نہ ہو"

چونکہ خاکسار کو ذاتی طور پر اس سے پہلے اور بعد حاجی صاحب کی مولانا سے محبت کا علم ہے تو میں اس جملہ کو دینی مذاکرے کا حصہ سمجھتا ہوں۔ باقی آپ اپنے ذوق کے مطابق اس کے معنی لے لیں، کوئی پابندی نہیں۔

الیکشن سے دو دن قبل میں ڈیرہ پہنچا اور دین پور سمیت تین پولنگ سٹیشنوں کی ذمہ داری مجھے دی گئی۔ ہم نے تبلیغی مزاج کے مطابق، ساتھیوں کی ایک جماعت کو الیکشن کے روز مسجد میں ذکر و نوافل پہ بٹھا دیا۔ شام کو بھاری اکثریت سے جیت گئے۔ اب رزلٹ کو جمعیت کے مرکزی دفتر یعنی جامعہ معارف الشرعیہ سرکلر روڈ لے جانا تھا، وہ جمعرات کی شام تھی۔ میں نے رزلٹ جمعیت کے کارکنان کے حوالے کیا اور خود ساتھیوں سمیت، شب جمعہ کیلئے مرکز چلے گئے کہ ہمارا کام ختم ہو گیا تھا۔ یہ کارکنان نعرے لگاتے، اچھلتے کودتے اپنی طرز پر جلوس کی شکل میں مرکزی دفتر گئے۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

یہ تفصیل میں نے آپ کو کیوں سنائی؟ دیکھئے، دین کے مختلف شعبہ جات کے لئے مختلف استعداد کے لوگ درکار ہوا کرتے ہیں۔ ایک مجاہد کو چھ نمبر میں بیان کرنا نہ آتا ہو مگر اس کو اسلحہ چلانا آنا چاہیے اور بدنی قوت مضبوط ہونا چاہئے۔ تبلیغی کارکن کیلئے تقویٰ اور اخلاق، سر جھکا کر چلنا ہی اس کے شعبے کی ضرورت ہے۔ ایک عالم دین کے ڈیل ڈول کو نہیں، اس کے دماغ کی قوت کو دیکھنا ضروری ہے۔ خطیب کیلئے جوش و رقت، مناظر کیلئے برجستگی اور نکتہ آفرینی چاہیے ہوتی ہے۔ اسی طرح سیاسی کارکنان کیلئے بھی عوامی مزاج، جوڑ توڑ اور داؤ پیچ سے معرفت لازمی ہے۔ پس بعض اوقات ایک شعبے کا عیب، دوسرے کی خوبی بن جایا کرتا

ہے، ایک ہی عینک سے سب کو دیکھا تو اعتراضات اٹھیں گے۔

ہوئے تم دوست جس کے، دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟

اکتوبر 2002ء میں الیکشن منعقد ہوئے جس میں ایم ایم اے نے صوبائی اسمبلی کی 110 میں سے 75 کے قریب سیٹیں جیت لیں جس میں سے جمعیت علماء کی 45 کے قریب سیٹیں تھیں۔ یہ اصول طے ہوا تھا کہ جس جماعت کی اکثریت ہوگی، وہ اپنا وزیر اعلیٰ لائے گی۔ پس اسی اصول کے تحت مولانا فضل الرحمن نے جناب اکرم درانی کو وزیر اعلیٰ نامزد کردیا۔ ڈیرہ کا ہر آدمی جانتا ہے کہ اگر چوہدی شریف صاحب، معمولی مارجن سے ہار نہ جاتے تو مولانا کی پہلی چوائس وہی تھے۔ جمعیت کے اکثر ممبران پہلی بار اسمبلی پہنچے تھے۔ اکرام درانی کو خاندانی پس منظر کی بناء پر اور تیسری بار منتخب ہونے کی بناء پر یا کسی بھی وجہ سے جمعیت نے نامزد کیا تو جماعت اسلامی کو اس سے کوئی غرض نہ ہونا چاہیے تھی کہ اب یہ جمعیت کا ذاتی استحقاق تھا، مگر وہ جماعت اسلامی ہی کیا جو کوئی حرکت نہ کرے؟ جماعت اسلامی کے صوبائی امیر پروفیسر ابراہیم صاحب نے پریس کانفرنس کرڈالی کہ داڑھی منڈے کو وزیر اعلیٰ کیسے برداشت کیا جائے گا؟ (جی وہی پروفیسر ابراہیم جسے تحریک طالبان نے اپنا ثالث مقرر کیا تھا) اب سوچئے! کہ ایک تو یہ انتظامی معاملہ تھا جس کا تعلق بھی جمعیت علماء سے تھا۔ جماعت اسلامی کو اصولاً اس میں دخل اندازی کا بھی حق نہیں تھا اور اگر کوئی اعتراض تھا بھی، تو پریس کانفرنس کرکے اتحادی جماعت کا امیج خراب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر داڑھی کا معاملہ اگر سیریس ہو تو دیوبندی علماء کیلئے ہو، جماعت اسلامی تو داڑھی کو سنت مانتی ہی نہیں تھی۔ اگر پروفیسر کے نزدیک داڑھی نہ ہونا اتنا کفر تھا تو اسی وقت سے ہی اعتراض کرتے، جب اکرم درانی کو جمعیت نے صوبائی اسمبلی کا امیدوار نامزد کیا تھا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

یہ تو ایم اے کے اولیں ایام کی داستان ہے۔ اس کے بعد پانچ سال تک جماعت اسلامی جس طرح جمعیت کو زک پہنچانے کی کوشش کرتی رہی، وہ ایک لمبی داستان ہے۔

میں جمعیت علمائے اسلام کے اکابر سے دست بستہ گذارش کروں گا کہ دوبارہ کبھی جماعت اسلامی کے ساتھ اتحاد کا سوچیں بھی نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ میری ذاتی رائے ہے۔ اکابر اونچ نیچ سے زیادہ واقف ہیں مجھے معلوم ہے جو کچھ میں نے جماعت اسلامی بارے لکھا ہے، یہ بھی مولانا کی طبیعت پہ گراں گذرے گا کہ مولانا کا سینہ سمندر ہے اور کسی دینی جماعت کو برسر بازار عریاں نہیں دیکھنا چاہتے۔ مگر راقم کا بہرحال، اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ کھلی منافقت پہ خاموش رہوں۔

انتخابات کے نتائج کے اعلان کے بعد فاٹا کے ان سات ممبران کو جو کتاب کے نشان پہ منتخب ہوئے تھے، ان کو جنرل مشرف نے آزاد امیدوار قرار دے دیا اور یوں ایم ایم اے کے ارکان کی تعداد مزید کم کر دی گئی (وہ لوگ توجہ فرمائیں جو کہتے ہیں کہ پرویز مشرف ایم ایم اے کو لانا چاہتا تھا) وزیر اعظم کے چناؤ کیلئے کھلی ووٹنگ میں اصل مقابلہ جنرل مشرف کے امیدوار ظفر اللہ جمالی اور مولانا فضل الرحمٰن میں تھا۔ عمران خان نے اپنا ووٹ مولانا کو دیا۔ جبکہ ظفر اللہ کو محض ایک ووٹ کی برتری سے سادہ اکثریت حاصل ہوئی اور ووٹ سپاہ صحابہ کے مولانا اعظم طارق کا تھا:۔ ناطقہ سر بگریباں ہے، اسے کیا کہئے؟

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف

ایم ایم کے دور حکومت میں صوبوں کو وہ حقوق نہیں ملے تھے جو اٹھارویں ترمیم کے بعد ملے مگر اسکے باوجود، ریکارڈ ترقیاتی کام ہوئے۔ میں کئی ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جنہیں جمیعت نے نوکریاں دلوائیں مگر ہمارے معاشرے میں، کسی کے احسان کا تذکرہ کم ہی ہوتا ہے۔ اس زمانے میں یہ پراپیگنڈہ بہت کیا گیا کہ مولوی، چندے کے نام پہ رشوت لیکر نوکریاں دلواتے ہیں۔ میں اس پوزیشن میں نہیں کہ اس پہ رائے دے سکوں۔ انسان بہت پیچیدہ مشین ہے۔ اگر قرون اولی میں پیسہ کی بابت بات چلی ہو تو آج بھی عین ممکن ہے کہ یہاں دنیاوی معاملات زیادہ ہیں۔ مگر راقم کا اس زمانے میں بھی اور آج بھی یہ چیلنج برقرار ہے کہ کوئی ایسا بندہ ملے جس نے خود مولانا فضل الرحمٰن کو رشوت دی ہو، کوئی نہیں ملا۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

البتہ بہت ہی افسوس سے عرض کرتا ہوں کہ صرف ایک شخص ایسا ملا تھا جس نے مکہ میں حج کے دنوں میں یہ دعوی کیا کہ اس نے اور ایکسین ثمر شاہ نے خود مولانا کو 20 لاکھ روپے رشوت دی۔ یہ تہمت بڑی تھی، اس محفل کے گواہ موجود ہیں جس میں اس کا جھوٹ اسی کے سامنے ثابت ہو گیا تھا۔ وہ باریش اور معزز شخص تھا، میں سمجھتا ہوں ایسی پاک جگہ پہ بیٹھ کر، ان پاک ایام میں علماء کے سرخیل پہ ایسا بہتان لگانا بہت بڑی بات تھی۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس شخص نے خودکشی کر لی۔ اللہ اس کو اور ہم سب کو معاف کرے۔ تہمت تو کسی پہ بھی نہیں لگانا چاہئے مگر علماء کے باب میں خصوصی احتیاط کی درخواست کروں گا۔

مگر مولانا کیخلاف عوامی فضاء بنانے میں اپنوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ ہمارے تبلیغی ساتھیوں کا فارمولا ہے کہ پہلے کسی کا دل لو پھر دن لو۔ آج کل علماء کو برا بھلا کہنا فیشن بن چکا ہے اور کم فہم تبلیغی حضرات اہل محفل کی ہاں میں ہاں ملا کر بلکہ ایک ہاتھ آگے بڑھ کر سیاسی علماء کیخلاف تبصرہ کر کے سمجھتے ہیں کہ وہ بندہ وصول کر لیں گے۔ ہوسکتا ہے بندہ وصول ہو جائے مگر خدا کی رضا وصول ہونا زیادہ اہم ہے۔ کاش یہ ہدف مدنظر رہے۔

میں آپ کوایک ذاتی واقعہ سناتا ہوں جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ اندیشہ عجم زیب داستاں کے لئے کیا کچھ بڑھالیا کرتا ہے:

''ہمارے ایک عزیز نے جو باہر ملک میں وقت لگا آئے تھے، راقم کیلئے اپنے گھر میں ضیافت کا بندوبست کیا۔حاضرین محفل نے سیاست اور پھر دبے لفظوں مولانا فضل الرحمن بارے لب کشائی شروع کردی۔میزبان نے فرمایا کہ میرا بیٹا ہائی سکول نمبر ایک ڈیرہ میں بطور پرائیوٹ امیدوار دہم (10th) کے بورڈ کا امتحان دے رہا ہے جبکہ مولانا کا بیٹا اسجد محمود بھی وہیں امتحان دے رہا ہے۔باقی بچے زمین پہ بیٹھ کر پرچے حل کرتے ہیں جبکہ مولانا کے بیٹے کیلئے کارپٹ لایا جاتا ہے۔چونکہ یہ ایک ثقہ گواہی تھی، پس میں نے کھانے سے ہاتھ روک دیئے اور کہا کہ بچے کو ابھی حاضر کیا جائے۔پہلے تو طرح دینے کی کوشش کی لیکن میرے اصرار پہ اس کو بلایا گیا جو کہ خود مولانا طارق جمیل کے مدرسے کا طالب علم تھا اور دہم کا امتحان دینے ڈیرہ آیا ہوا تھا۔اس نے بتایا کہ سکول میں فرنیچر کم ہے جس پہ ریگولر سٹوڈنٹس بیٹھ کر امتحان دیتے ہیں۔پرائیوٹ امیدوار نیچے لان پہ بیٹھا کرتے ہیں۔پہلے دن ہم سب یعنی اسجد محمود سمیت نیچے لان پہ ہی بیٹھے۔دوسرے دن سے اسجد محمود اپنے ساتھ جائے نماز لاتا ہے، جس پر بیٹھ کر پرچہ دیتا ہے۔اس جائے نماز کو ہمارے "بزرگوں" نے قالین بنا کر پیش کردیا۔دھیان میں رہے، قومی سطح کے لیڈر کے بیٹے کے پرچے اس کی بیٹھک میں جاکر بھی حل کیے جاتے تو انہونی نہ ہوتی۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر

سو باتوں کی ایک بات یہ کہ اہل حق کو ملامت کا سامنا کرنا ہی ہوگا، اس لئے کہ آمرون بالمعروف کی دعاء میں لوم لائم کے الفاظ درج ہیں۔اگر خلفاء راشدین کو 15 سو سال بعد بھی نہیں بخشا گیا تو مولانا فضل الرحمن کس کھیت کی مولی ہے؟ البتہ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اہل حق کے دفاع میں آگے آتے ہیں یہ کسی اور پہ نہیں بلکہ خود پہ احسان ہے، جو آدمی کسی مسلمان کی آبرو کی حفاظت ایسے وقت کرتا ہے جب وہ خود نہیں کرسکتا تو خدا بھی اس کی آبرو کی حفاظت، ایسے ہی کڑے وقت میں کیا کرتا ہے۔تحدیث بالنعمۃ اور ساتھیوں کے استفادے کیلئے عرض کرتا ہوں۔حاجی عبدالرشید دھپ صاحب میرے محترم دوست ہیں اور مولانا کے بہت قریبی اور بنیادی ساتھی ہیں۔انہوں نے ایک بار راقم سے اصرار کیا کہ ہر جگہ مولانا کی پرجوش وکالت کرنے پر آپ کی ہم مولانا سے خصوصی ملاقات کا اہتمام کریں گے۔عرض کیا کہ میں مولانا کی وکالت اسلئے کیا کرتا ہوں کہ اس کے کام کو حق اور دین کا کام سمجھتا ہوں، پس میں صدق

دل سے سمجھتا ہوں کہ مولانا ایک بڑے محاذ پہ معروف ہیں طبگ اور میں مولانا سے ملاقات کر کے اسکے قیمتی وقت کے چند منٹ ضائع نہیں کرنا چاہتا، اور خدانخواستہ اگر میرا گمان صحیح نہیں تو پھر میں اپنے چند لمحات کا ضیاع نہیں چاہتا۔

جہاں تک جمیعۃ علماء اسلام کا تعلق ہے یہ ہمارے بزرگوں کا ورثہ ہے جس سے نسبت سعادت کی علامت ہے۔شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب (بھکر) کے شاگرد خاص مولانا فرید صاحب (ڈیرہ اسماعیل خان) راوی ہیں کہ حضرت کو غسل دیتے وقت ان کی وصیت کے مطابق جمیعۃ کا رکنیت فارم ان کے کفن اور بدن کے درمیان رکھ دیا:۔ میاں عاشق و معشوق رمزیست

جمعیت کے کارکنان سے آخری گذارش یہ کروں گا کہ بعض اوقات بڑوں کے فیصلے بالخصوص مولانا شیرانی کا موقف سمجھ میں نہیں آتا۔اس سلسلے میں تین باتیں عرض کرنا ہیں:

1: جو دوست دعوت وتبلیغ سے پرانے وابستہ ہیں وہ مولانا محمد احمد صاحب بہاولپوری مدظلہ سے ضرور واقف ہوں گے، 1993ء کے آس پاس تقریبا "پانچ سال کا عرصہ راقم پر ایسا گذرا کہ مولانا کا ذاتی بائیکاٹ کیا ہوا تھا۔ان کا بیان شروع ہوتا اور میں پنڈال سے نکل جاتا تھا۔میں اس کے بیان کو خود دعوت کے کام کیلئے بھی مضر سمجھتا تھا۔ لیکن خدا کے فضل سے یہ بات ذہن میں مستقیم تھی کہ میرا اس کام سے تعلق، کسی شخصیت کی بنیاد پہ نہیں، دین کے کام میں اصلاً تو خدا ہی کے ساتھ کاروبار ہے۔ہمیں اس سے کیا کہ پرانے سال لگائے ہوئے بزرگوں کے معاملات ٹھیک نہیں، یا نئے زمیندار اور امیر لوگ جو آج تبلیغ میں لگے ان کو شوری میں شامل کر لیا گیا یا جماعت میں ایک عالم دین کے ہوتے ہوئے بھی ان پڑھ کو امیر بنا دیا گیا۔میرے دوستو، جمیعت علما کے ساتھ آپ کا تعلق مولانا شیرانی یا کسی اور شخصیت کی بنیاد پہ نہیں۔راقم کو جب بار ہا رائے ونڈ مرکز سے جماعتوں کا ذمہ دار بنایا گیا تو خود بخود مولانا احمد کا بیان بھی سمجھ میں آ گیا۔ آپ کو بھی جمعیت میں ذمہ داری سے واسطہ پڑے گا تو کئی باتیں سمجھ آ جائیں گی۔

2: عرض یہ کرنا ہے کہ دین کے کسی کام میں بھی اگر میں نام ونمود، عہدہ یا دنیاوی مفاد کیلئے شامل ہوں تو یقین رکھیں، نہ صرف اپنا وقت ایک سراب کے تعاقب میں برباد کر رہا ہوں بلکہ آخرت بھی برباد کر رہا ہوں تبلیغ میں نیا نیا لگا تھا تو ایک بزرگ نے نصیحت کی تھی کہ خدا سے قریب ہونا چاہتے ہو تو بزرگوں سے دور رہو اور کام میں لگے رہو۔یہی بات ہر دینی تحریک کے لئے ہے۔لیڈروں سے دور رہو اور کام پہ توجہ دو۔ ان شاءاللہ اس کی ابدی قیمت لگے گی۔

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

3: تبلیغ اور جمیعت کے طرز میں ایک بڑا فرق ہے۔ تبلیغ میں اپنے اندر کا نظام بدلنا ہے تو بزرگوں کے طے شدہ مشورے پر تنہائی میں بھی تنقید نہیں کرنی۔ یہاں باہر کا نظام بدلنا ہے تو جمیعت کے فیصلوں سے بانگ دہل اختلاف کریں، چاہے مولانا فضل الرحمٰن کے گھر پہ دھرنا دے آئیں۔ مگر کیفیت اس صحابی والی ہو جس نے حضرت عمر فاروق کو خالد بن ولید سمجھ کر کہا تھا کہ عمر نے خالد کی معزولی کا فیصلہ غلط کیا ہے اور جب عمر نے آواز بدل کر پوچھا کہ پھر کیا کرنا چاہیئے؟ تو اس نے کہا" کریں گے تو وہی جو امیر کہے گا"

پس شخصیات آتی جاتی رہیں گی مگر دین کا کام تا قیامت جاری رہے گا: ہزار شمع بکشتند وانجمن باقیست دعا کرنی چاہیئے کہ خدا ہم کو احقاق حق کیلئے قبول فرمالے۔

اے اللہ! آپ دلوں کے حال بہتر جانتے ہیں اور یہ کہ رحمتِ حق بہانہ می جوید، بہانمی جوید۔ پس اس کتاب کو دینی خدمت کے طور پر قبول فرما کر راقم اور اس کے اسلاف واخلاف کی مغفرت کا ذریعہ بنادے۔

شاہان چہ عجب گر بنوازند گدارا

Fb.com/OfficialJamiat
Fb.com/JUIAnswersBack

خلقتِ شہر یونہی خوش ہے تو پھر یونہی سہی
ان کو پتھر دے، مجھے ظرفِ پذیرائی دے



Fb.com/OfficialJamiat

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب مدظلہ

شخصیت و سیاست

سلیم جاوید



فاطمیہ پبلشرز ڈیرہ اسماعیل خان

اس کتاب کی وجہ تصنیف:

مصنف سمجھتا ہے کہ مکتبِ دیوبند کی سیاسی جدوجہد کی اساس اس مجبور انسانیت کو پرامن طور پر معاشی افزودگی عطاء کرنا ہے جو جابر، بالادست طبقات کے ہاتھوں پسی ہوئی ہے اور اسی کاز کی خاطر وہ ہر زمانے کے سامراج سے ٹکرائے ہیں (بلکہ صرف وہی ٹکرائے ہیں)

بالادست طبقات کے زیر اثر میڈیا نہ صرف علمائے دیوبند کی خدمات کو سامنے نہیں آنے دیا کرتا بلکہ ان کی کردار کشی میں ہراول دستے کا کردار ادا کرتا رہتا ہے۔ علماء دیوبند کی اسی کردار کشی کو ہدف بنا کر جمعیۃ علما اسلام کے موجودہ امیر مولانا فضل الرحمٰن کو خاص طور پر نشانہ بنایا جاتا ہے۔

چاہئے تھا کہ قوم میں شخصیات کی بجائے نظریات پہ بحث ہوا کرتی، سیاسی منشور اور اہداف پہ بات ہوا کرتی۔ لیکن پاکستانی جمہوریت چونکہ ابھی پاؤں پاؤں چلنا سیکھ رہی ہے اور سیاسی جماعتیں اپنے لیڈروں کے شخصی کردار سے مستغنی نہیں ہو سکتیں، پس فی الوقت جمعیۃ علماء اسلام بھی گویا مولانا فضل الرحمٰن کا نام ہے۔

مولانا کی کردار کشی جمعیت علماء کی کردار کشی ہے اور مولانا کا دفاع جمعیت علماء کا دفاع ہے۔

مصنف سمجھتا ہے کہ جمعیۃ علماء اسلام مولانا فضل الرحمٰن کی ذاتی سیاسی جماعت نہیں ہے، بلکہ علمائے دیوبند کا صد سالہ سیاسی ورثہ ہے، جس سے جمیع علمائے دیوبند کی عزت وابستہ ہے۔ پس مولانا کی کردار کشی مہم کی آخری منزل جمیع علمائے دیوبند کو کرپٹ ثابت کرنا اور پھر اس کی آڑ میں دین اسلام کی اصل اور اساس پہ حملہ کرنا ہے۔

Fb.com/OfficialJamiat

بایں وجہ مصنف، مولانا فضل الرحمٰن کا دفاع کرنا، ان کی شخصیت کے واسطے نہیں بلکہ جمیع علمائے دیوبند کی عزت کے واسطے ضروری سمجھتا ہے۔

علاوہ ازیں مصنف سمجھتا ہے کہ پاکستان جیسے ملک کیلئے سیکولرزم، یعنی "جیو اور جینے دو" کی پالیسی ہی بہترین ہے۔ جمعیۃ علمائے اسلام وہ سیاسی پارٹی ہے جو اپنا موقف پارلیمنٹ کے سامنے رکھ کر دلیل سے بات منوانا چاہتی ہے اور بزور طاقت اپنی بات نہیں منوانا چاہتی۔ پس ایک مائنڈ سیٹ اپ، مولانا فضل الرحمٰن کا ہے اور دوسرا، ملا فضل اللہ کا۔

اس کتاب کے لکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگوں کو یہ احساس دلایا جائے کہ مولانا فضل الرحمٰن کو ڈی گریڈ کر کے، ان کو دیوار سے لگانے کا بالواسطہ مطلب پاکستان کو شدت پسند ذہنیت کے ہاتھوں یرغمال بنانا ہے۔

؎ شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

